تلک آثارنا تدل علینا ۔۔ فانظروا بعدنا الی الآثار

افاداتِ مہدی

یعنی

نامور انشا پرداز، ایم مہدی حسن مرحوم "افادی الاقتصادی" کا

مجموعۂ مضامین

مُرتبہ

"مہدی بیگم"

"مع مقدمہ و سوانح مصنف و ضمیمہ جات"

باہتمام، مولوی مسعود علی ندوی،

سنہ ۱۳۵۸ھ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ سنہ ۱۹۳۹ء
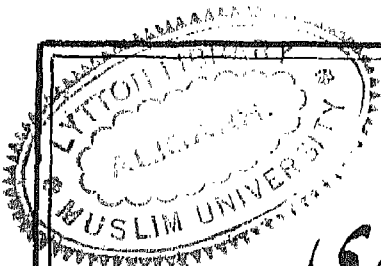
طبع سوم

فہرستِ مضامین

افاداتِ مہدی

مضمون	زمانۂ تحریر	پرچہ جس میں اول بار طبع ہوا	صفحہ
دیباچہ از مولانا عبدالماجد دریابادی،			۱ - ۸
"اُن کی یاد" از بیگم مہدی حسن مرحوم،			۱ - ۳۷
حکمائے یونان پر ایک سرسری نظر،	سنہ ۱۸۹۰ء	ریاض الاخبار	۱
تمدنِ عرب،	سنہ ۱۸۹۹ء	"	۶
تمدنِ عرب اور پروفیسر شبلی،	"	"	۱۴
علامہ نذیر احمد اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام،	سنہ ۱۹۰۱ء	البشیر	۱۸
بیسویں صدی کا آغاز اور دماغی صحبت غیر فانیوں سے،	سنہ ۱۹۰۲ء	"	۲۹
ترکوں کی معاشرت،	سنہ ۱۹۰۵ء	علی گڈھ منتھلی	۵۲
علامہ شبلی کا ماہوار علمی رسالہ	سنہ ۱۹۰۶ء	البشیر	۶۸
نامی پریس کانپور کی لٹریری خدمات،	"	"	۸۲
آدھ گھنٹہ علامہ شبلی کے ساتھ،	"	"	۹۱
افاداتِ قرآن کریم متعلق تمدنِ اسلام، (نمبر۱)	"	مخزن	۱۰۷
" " (۲)	سنہ ۱۹۰۷ء	"	۱۲۲
البیان،	سنہ ۱۹۰۸ء	البشیر	۱۳۶
ایک خط،	سنہ ۱۹۰۹ء	مشرق	۱۴۵
مشرق اور انشاپردازی کا دورِ جدید،	"	"	۱۴۷
دائرۂ ادبیہ،	سنہ ۱۹۱۰ء	صلائے عام	۱۴۹
خوابِ طفلی اور آرزوئے شباب،	"	"	۱۵۸

شمار	مضمون	زمانہ تحریر	پرچہ جس میں اوّل بار طبع ہوا	صفحہ
۱۷	شعر العجم پر ایک فلسفیانہ نظر،	سنہ ۱۹۱۰ء	مشرق	۱۶۵
۱۸	فلسفۂ حسن و عشق،	سنہ ۱۹۱۲ء	نقاد	۱۸۲
۱۹	شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی،	سنہ ۱۹۱۳ء	״	۱۹۱
۲۰	تنقیدات عالیہ،	״	״	۲۰۱
۲۱	نقاد،	״	״	۲۰۶
۲۲	اردو لٹریچر کے عناصر خمسہ،	״	״	۱۵۷
۲۳	پروفیسر براؤن اور ایرانی لٹریچر کا دور جدید،	سنہ ۱۹۱۴ء	״	۱۲۹
۲۴	بنت علم،	״	״	۲۵۴
۲۵	نظام الملک طوسی،	״	״	۲۶۰
۲۶	اردو لٹریچر کا نفس واپسیں،	״	״	۱۶۷
۲۷	ارتقاے ادب اردو،	سنہ ۱۹۱۷ء	معارف	۱۸۳
۲۸	شبلی سوسائٹی،	سنہ ۱۹۱۸ء	״	۲۸۶
۲۹	حیدرآباد کی بزم ادب،	״	مشرق	۱۰۷
۳۰	حالی و شبلی کی معاصرانہ چشمک،	سنہ ۱۹۱۹ء	معارف	۲۱۹
	اردو کے ایک نامور ادیب کی وفات،			۱
	نوشتہ: جناب مولانا عبدالماجد دریابادی،			
	قطعات تاریخ رحلت از نواب سید جعفر علی صاحب،			۱۰۷

دیباچہ

از

مولنا عبدالماجد صاحب بی اے

حضرت "مہدی" کی شخصیت و مرتبۂ انشا پردازی پر جو کچھ عرض کرنا تھا اسے
ی تعزیت نامہ مین عرض کر چکا ہون، جو ان کی وفات پر اخبار "ہمدم لکھنؤ" مین
ئع ہوا تھا اور جس کی نقل اس مجموعہ کے آخر مین بھی شامل کر دی گئی ہے، یہان
مجموعہ سے متعلق مختصراً چند امور گذارش کرتے ہین،

۱۔ یہ مجموعۂ اوراق کوئی مرتب کتاب نہین، متفرق مضامین یکجا کر دیئے گئے
ن)، اس لئے قدرۃً اس مین ترتیب و تالیف کے وہ خصوصیات مفقود ہین،
ی کی توقع ہر مرتب کتاب سے ہو سکتی ہے، تکرار عبارت کی متعدد مثالین
ن گی، ایسے مسائل بکثرت ملین گے جن کی اہمیت ہنگامی اور شہرت وقتی
ہے)، وقس علی ہذا،

و ۲۔ تحریر مضامین کا رقبۂ مدت بیس سال تک وسیع ہے یعنی ۱۸۹۹ء سے
لگا ۱۹۱۹ء تک، اس طویل مدت مین انقلابات دہر کے ساتھ خود صاحب مضامین

کے خیالات وطرزِ ادا مین انقلاب ہونا ناگزیر تھا، چنانچہ اہلِ نظر کو اس کے شواہد ملین گے، اور یہ خصوصیت تو بہت نمایان ہے کہ آخری مضامین صحتِ زبان لطافتِ خیال، پختگیِ ترکیب، متانتِ بیان، شوخیِ ادا، ہر حیثیت سے مضامینِ سابق سے ممتاز ہین،

۳- مضامین عموماً اپنے راقم کے اصلی نام کے ساتھ شائع ہوئے تھے، لیکن اس مجموعہ مین چار ایسے مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہین جو فرضی نامون کے نکلے تھے،

۴- بعض مضامین کی شوخیان سنجیدگیِ ادب کے حدود سے متجاوز نظر آئینگی، اس کا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ حضرت "مہدی" معلمِ اخلاق نہ تھے، ادیب و انشا پرداز تھے، اور جب شاعر کے لئے "برہنہ رقاصی" کا جواز بڑے بڑے ثقات نے تسلیم کیا ہے، تو کوئی وجہ نہین کہ اس نثر کے شاعر پر "انشائے عریان" حرام رہے،

۵- مرحوم کے ادبی بلوغ کا زمانہ انیسوین صدی عیسوی کا ربعِ آخر اور بیسوین صدی کا عشرِ اول تھا، جو ہندی مسلمانون کے دل و دماغ پر مغربیت کے غلبۂ تام کا خاص زمانہ تھا، اور "اقبالِ سرکار" "برکاتِ تمدن" "برکاتِ علومِ جدیدہ" وغیرہ کا صور سر سید احمد خان مرحوم اور ان کے رفقا پھونک گئے تھے، اس کی غشی تقریباً تمام اسلام ہند پر طاری تھی، اس مرعوبیت کے نمونے اوراقِ آئندہ مین جابجا ملینگے، افسوس کہ مہدی مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی، اگر چند سال اور وہ زندہ رہ جاتے تو مجھے یقین ہے

ہے کہ ان گمراہیون کا کفارہ وہ خود اپنے قلم سے کر جاتے، ان کے مزاج مین ضد
بالکل نہ تھی، جب کسی مسئلہ کی معقولیت ان پر ثابت کر دی جاتی تو اپنی سابق رائے
سے رجوع کر لیتے، اور جدید عقیدہ کے اختیار کر لینے مین انھین مطلق تامل نہ ہوتا،

۶- مرحوم کی سب سے نمایان خصوصیتِ اخلاقی ان کی فراخدلی تھی، خاندانِ ادب
مین اپنے بزرگون کی تعظیم و تکریم تو وہ اپنا فرض سمجھتے ہی تھے، بعض اوقات اپنے
خردون پر اس افراط و فیاضی کے ساتھ عنایت و شفقت کرنے لگتے تھے کہ انھین
محجوب ہونا پڑتا تھا، اس مجموعہ مین کثرت سے ایسے موقعے آئے ہین جہان انھون
نے اپنے بعض نومشق و نوآموز معاصرین کا استقبال نہایت گرمجوشی سے کیا ہے،
یہ وصف اربابِ ادب مین عموماً اس قدر عنقا ہو گیا ہے کہ راقمِ سطور کے علم مین دورِ
حاضرہ کے کسی دوسرے اہلِ قلم کو اس حیثیت سے "مہدی" کا ہمسر نہین بتایا جا سکتا

۷- غلطیان اور لغزشین لازمۂ بشریت ہین، یہ کہنا کہ اوراقِ آیندہ زبان و انشا
کی غلطیون سے پاک ہین، ایک بے مزہ غلط بیانی کرنا ہے، تاہم اِنَّ الْحَسَنٰتِ
یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ کے خدائی قانون کے مطابق انسان کی عظمت کا معیار
اس کے محاسن و فضائل کی کثرت ہے، اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس مجموعہ
کے مؤلف کو اردو زبان کا ایک قابلِ قدر خدمتگذار اور انشاپرداز ماننے پر مجبور
ہونا پڑے گا۔" آدھ گھنٹہ علامۂ شبلی کے ساتھ"، "غیرستایشی جنبشِ لب" اس قسم کی کثیر التعداد
انگریزی ترکیبون کو اردو خوان طبقہ کے لئے مانوس بنا دینا ان ہی کا کام تھا،

ذیل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں حسنِ بیان ان پر ناز کرتا ہے، اور لطفِ انشا، ان پر جھومتا ہے،

"غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی "اردوے خاصہ" کی داد ملتی جس نے ایک نوخیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے، جو انہوں پر آئی ہوئی پچلی نہیں بیٹھ سکتی تھی، مدتوں شعرا سے گاڑھا اتحاد رہا، بہ اقتضاے سن بری طرح کھل کھیلی، ہاتھ پاؤں نکالے اور بہتیرے بنائے بگاڑے، کیونکہ ایک زمانہ شیدائی تھا، لیکن یہ باتوں ہی باتوں میں سب کو ٹالتی رہی بعض جگہ بیلے آبرو دنی کے سامان ہو ہو کر رہ گئے اور بال بال بچی، آخر آخر میں ملک کے منچلے یعنی ناول تو یہاں تک ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے کہ اس کی پردہ دری میں کچھ اٹھا نہیں رکھا تھا کبھی کبھی دبی زبان سے اُسے یہ کہتے سنا،

"اری اٹھ جاؤں گی میں صحنک سے"

لیکن دفعۃً اس کی حالت نے پلٹا کھایا، کثرتِ فواحش باعثِ سنجیدگی ہو گئی، اچھے دن آتے ہیں تو بگڑی بن جاتی ہے، اب وہ مقدس علما کی کنیزوں میں داخل ہے لیکن سنا گیا کہ خوش اوصاف شبلی سے زیادہ مانوس ہے اور قریب قریب ان ہی کے تصرف میں رہتی ہے، "الندوہ" اسی تعلق کا ایک ثمرِ پیش رس ہے" (ص۷۹ تا ۸۰)

"علم کلام کو عباسی دور کے دماغی ترقیات کے لحاظ سے "یادِ ایام" سمجھئے، جو عقائدِ اسلام

اور فلسفۂ قدیم کے گذشتہ اختلاط کی ادبی تاریخ ہے لیکن اس زمانہ میں اسلام کو صرف فلسفہ یعنی ایک حد تک محض اصولِ نظری سے سابقہ تھا، اس لئے جس طرح لحاف کی تیاری میں کچھ استر سے لیا اور کچھ ابرہ سے اور دونوں کا جھول جھال لیکر برابر کردیا، دونوں حریف جو چھری کٹاری ہو رہے تھے گلے ملوا دیئے گئے، لیکن آج مذہب کو اپنے دشمنِ ازلی یعنی سائنس کا مقابلہ کرتا ہے جو قوی تر حریف ہے اور جو اپنے سوا دنیا میں کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا، مذہب کے اولیات کا انحصار کلیتہً امور غیر مادی یعنی ایسی چیزوں پر ہے جو سرے سے مدرکاتِ انسانی سے باہر ہیں یعنی ہمارے قوائے فطری ان کے سمجھنے بوجھنے سے عاری ہیں، اور سائنس صرف مادیت سے غرض نہیں رکھتا بلکہ اس کا دعویٰ ہی ہے کہ عالم غیر کا سرے سے وجود ہی نہیں جس پر ہم آپ اس قدر مٹے ہوئے ہیں، بہرحال فلسفہ پھر بھی اتنا برا نہیں کہ "سنی سنائی" بھی کبھی مان لیتا ہے لیکن سائنس اتنا کٹر ہے کہ جبتک آنکھوں دیکھی نہ ہو ہزار کہئے، کتنے ہی بڑے بڑے جبہ و دستار پیش کیجئے مذہب کی دہائی دیجئے، ایک نہیں سنتا، ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کافر بر خود غلط کسی "شریعت سہلہ" کی گرفت میں کہاں تک آسکتا ہے؟ (صفحہ ۹۷ تا ۱۰۰)

"جس طرح تاریخ میں فلسفہ کا رنگ سب سے پہلے شبلی نے چمکایا ہے، اردو کو انشا پردازی کے درجہ پر جس نے پہنچایا وہ آزاد اور صرف آزاد ہیں، اور گو اس مسئلہ پر ابھی کافی توجہ نہیں کی گئی ہے لیکن آزاد کی ادبی فتوحات تاریخ لٹریچر کا ایک واقعہ ہے جس کا فیصلہ خود فلسفۂ ادب کے ہاتھوں ہوگا، جن حضرات کی نگاہیں دلّی، لکھنؤ کے اختلافات تک محدود ہیں،

یا جن کی قاصر النظری میرے اس خیال کی تائید کی مانع ہو وہ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں بلا خوفِ تردید یہ عرض کروں کہ پروفیسر "آزاد" کا درجہ بحیثیت ادیب جو کچھ ہے اس کا سمجھنا دوم درجہ کی خلقت کے لئے جو فلسفہ، لٹریچر سے قطعاً بیگانہ ہے آسان نہیں ہے، اس لئے کسی اختلافی بحث کا چھیڑنا "گول خانہ میں چوکھنٹی چیز" سے بھی زیادہ گیا گذرا ہوگا "سر سید" سے "معقولات" الگ کر لیجئے تو کچھ نہیں رہتے؛ "نذیر احمد" بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے، "شبلی" سے "تاریخ" لے لیجئے تو قریب قریب کورے رہ جائیں گے؛ حالی بھی جہاں تک "نثر" کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں، لیکن "آقاے اردو" یعنی پروفیسر آزاد صرف انشا پرداز ہیں، جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں، اسی لئے واقعات بھی انھوں نے جس قدر لکھے ہیں "قصص" (یعنی ٹیلز) کی حیثیت رکھتے ہیں، جنھیں "افسانۂ یارانِ کہن" سمجھئے" (صفحہ ۲۲)

"سچ کہئے "عذرا" واقعی بہت حسین ہے؟ حسین تو ایک معمولی اور سرسری لفظ ہے، عورتیں بھی اپنی اپنی جگہ حسین ہوتی ہیں لیکن میں اپنے تخیل میں اوروں سے اس قدر مختلف ہوں کہ صرف گوشت پوست سے کام نہیں چلتا، عذرا میری عذرا! تو نظمِ زندگی یعنی پوری شاعری ہے، اس کی آواز کامل موسیقی، اس کا تبسم میرا عنصرِ حیات ہے، وہ قطعاً توبہ شکن ہے توبہ شکن اور کافر ایمان! ناممکن ہے کہ نظر پڑتے ہی اس پر قابو حاصل کرنے کو جی نہ چاہے جہاں آنکھیں ملیں بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام جسم میں بجلی دوڑ گئی، مدت ہوئی جب میں پہلی نظر میں شہید ہوا، دل سے آواز آئی "خدایا خیر!" جس کا نتیجہ آج تک بھگت رہا ہوں

مجھ پر اتنا سخت وار کبھی نہین ہوا، کچھ تو ہے جس کی وجہ سے مٹا ہوا ہون، میری آنکھون سے دیکھنے کی ضرورت ہے، لیکن خود مجھے معلوم نہین کس ادا سے خاص کا دلدادہ ہون، پچھلی دفعہ بہت اتری ہوئی حالت میں دیکھا، پھر بھی ایک بات تھی، آج تک عالمِ تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے!" کیا عذرا آپکے دل کا راز جانتی ہے؟" ہاں ہان خوب جانتی ہے کہ میں اس پر مٹا ہوا ہوں، لیکن تم کو ہندوستانی سوسائٹی کی حالت معلوم ہے! ہمارے ہان جائز عشق کا پتہ نہین، نہ جذبات قوت سے فعل میں آسکتے ہیں، یہ بات مہذب اقوام میں ہے کہ عقد سے پہلے بیگانگی نہیں رہتی، اس کا افسوس ہے کہ مین نے عذرا کے لئے ایک نئی خلش پیدا کر دی، اور ایک ایسی فضاے بسیط پیشِ نظر کر دی جس مین کانٹے ہی کانٹے ہیں، برسون کے فتنۂ خوابیدہ کو چھینٹے دے دے کر جگانا صریحی ظلم تھا، حصولِ آرزو جسے شعرا اپنی اصطلاح میں "وصل" کہتے ہیں ایک طرح کی خود غرضی ہے، انتظار و ناکامی مین ایک لذتِ خاص ہے، اور چونکہ مجھ کو عذرا کے ساتھ خالص روحانی تعلق ہے اس لئے گو وہ مجھے گلے کا ہار نہ بنا سکے تاہم میں اس کی پرستش سے جیتے جی کبھی دست بردار نہ ہو سکوں گا، وقت گذر جائے گا قصے رہ جائین گے" (صفحہ ۱۵۸ تا ۱۵۹)

اگر یہ عبارتین حسنِ انشا کا بہترین نمونہ نہین تو مجھے نہین معلوم انشا پردازی کا اطلاق کس شے پر ہوگا،

۸- انسان کے بننے اور بگڑنے مین بہت بڑا دخل گرد و پیش کے ان حالات

واقعات کو ہوتا ہے جنھیں عموماً "تقدیر" ہی کہا جاتا ہے، مہدی مرحوم کو شروع سے آخر تک حالات مخالف و ناساعد سے سابقہ رہا، سرکاری ملازمت کے قیود، انتظامی عہدون کی ذمہ داریان، علمی مرکزون سے بعد مسافت، علمی صحبتون کا قحط، یکسوئی و اطمینان کا فقدان، ان تمام حالات نے کبھی اس کا موقع نہ دیا کہ وہ اپنے فطری جوہر کو پوری جلا دے سکین، ورنہ کون کہہ سکتا ہو کہ اردو کے لئے "آزاد" ثانی پیدا ہونا ممکن تھا؟

۹- مجموعۂ ہذا کی نظر ثانی تو الگ رہی، اس کا تو مصنف کی موت نے امکان ہی نہیں باقی رکھا تھا، ترتیب، کتابت وغیرہ سے متعلق بھی افسوس ہے کہ متعدد نقائص باقی رہ گئے ہین جنھیں مصنف مرحوم کی نفاست پسندی ایک لمحہ کیلئے بھی نہین برداشت کر سکتی تھی، لیکن اس علم کے بعد کہ یہ سارا کام ایک غمزدہ پردہ نشین خاتون نے انجام دیا ہے کسی قسم کی نکتہ چینی کی ہمت نہیں باقی رہ جاتی، بلکہ سچ یہ ہے کہ اپنی ہمتِ مردانہ سے اتنا بھی جو انھون نے کیا، توقعات سے بہت زائد کیا ہے،

۹- آخر میں بشری کمزوریون سے واقفیت رکھنے والے خداے کریم سے دعا ہو کہ وہ اپنی رحمتِ کاملہ کے سایہ مین مرحوم کو جگہ دے، اور انکے نام کو بھلائی کیساتھ روشن رکھے

دریاباد - ۸ رجون ۱۹۲۳ء
بارہ بنکی

عبدالماجد بی، اے
(مصنف فلسفۂ جذبات)

"اُن کی یاد"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"جو نہیں ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دل زار ہے"

آہ! کیا معلوم تھا کہ ایک روز یہ روح فرسا اور دلخراش فرض میں اپنے قلم سے ادا کروں گی،

یاد ش بخیر، اب سے ۱۰ - ۹ مہینے پہلے میں اُن خوش نصیب بیویوں میں تھی جن کا وجود دنیا میں بہت کم ہے، ہم دونوں کی صاف ستھری زندگی اور خاص طرح کی نفاست سے ایک جھونپڑا شیش محل معلوم ہوتا تھا جس کے اندر ۲۴ گھنٹے شریفانہ مشاغل مجھے مصروف رکھتے تھے،

"اُن کی نفاست پسندی کا ساتھ دینا آسان نہ تھا، لیکن میں اُن کے اس خیال کی دل سے عزت اور قدر کرتی تھی، اس لئے اُن کی کتابوں اور خاص خاص فرنیچر کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرنی، اپنا فخر سمجھتی تھی،" اور اپنی تمام تر کوشش اُن ہی باتوں پر صرف کرتی رہتی تھی، یہاں تک اہتمام رکھتی تھی، کہ کم سے کم اُن کی موجودگی

مین تمام گھر مین یعنی صحن مین بھی ایک تنکا کہین نظر نہ آئے (اور ماشاءاللہ چھوٹے
بچون کے ہوتے) ہر چیز قاعدے سے اپنی اپنی جگہ مقررہ پر رکھدی جاتی تھی، چاے
بھی اپنے لوازم کے ساتھ پہلے ہی سے ایک چھوٹی میز پر لگادی جاتی تھی، کیونکہ
"وہ" مجھے کامون مین زیادہ مصروف دیکھنا پسند نہین کرتے تھے، اس لئے شام
کے چار بجتے بجتے، ان سب سے فارغ ہو کر مین ان کے ساتھ چاے مین شریک ہونے
کے لئے تیار ہو جاتی تھی،

کچہری سے واپسی کے بعد گھر مین قدم رکھتے ہی کھل جاتے تھے، اور وہ بہت
قیمتی اور معنی خیز تبسم میری تمام جانفشانی اور دماغی محنتون کا بہترین صلہ تھا، جو ایک نہایت
اور فدائی شوہر سے ایک شریف النفس جان نثار بیوی کو مل سکتا تھا،

اس راز کو ہم دونون اپنی اپنی جگہ سمجھتے تھے، مین یہ جانتی تھی کہ مین دنیا سے
محروم جاتی اگر مجھ کو ان کی ہم خیالی اور ان کی با اصول شائستگی سے فائدہ اٹھانے
کا موقع نہ ملتا، یہ ضرور ہے کہ مجھ مین فطری مادہ موجود تھا، لیکن جب میدان عمل نہ ہو
تو اچھی سے اچھی صفت بھی قوت سے فعل مین نہین آسکتی، مین خوش تھی کہ میری
زندگی کا مقصد صرف اس لائق پرستش ہستی کی خواہشات کا پورا کرنا ہے، اور جہان
مین ان کی زندگی کے تمام صیغون مین حصہ لیتی رہتی تھی، مین ان کی توقعات بھی پوری
کر سکی، جو بحیثیت ایک وفادار بیوی کے میرا بہترین سرٹیفکٹ تھا، اور "وہ" بھی
خوب سمجھتے تھے کہ مجھے کس حد تک ان کے صرف حقوق ہی کی نہین بلکہ ان کی

تھا ستون اور نزاکتون کی رعایت بھی مدِ نظر تھی،

آہ! مجھے اس کھوئی ہوئی زندگی کی ایک برقی رو کہان سے کہان لیجا رہی ہے

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

آہ! اُس لائقِ رشک زندگی کی تمام دلچسپیان، اور وہ میری اصلی خوشیان جس ذات سے وابستہ تھین، اُس دم کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئین، اور اب خدا کی بھری دنیا مین میرے حصّہ کا کچھ نہین!

آہ! اس قدر جلد موت کے ظالم ہاتھ نے ہم دونون کو جدا کر دیا،

لیکن روح کی طرح محبت بھی غیر فانی ہے، اس لئے اب بھی اس غیر فانی روح کی دائمی پرستش، جیتے جی میرا بہترین مشغلہ ہستی ہے،

لیکن جن کے خمیر مین فطرت نے جذبات کے احساس کا مادہ، سرے سے رکھا ہی نہین، وہ اس دردِ دل کو کیا سمجھ سکتے ہین،

اب مین ان کے منتشر مضامین کا مجموعہ شائع کرانا چاہتی ہون، اسی کے ساتھ ان کی ایک مختصر سوانح عمری لکھ کر اپنی چند سطرین بھی ان کے قیمتی لٹریچر مین شامل کرنا چاہتی ہون تاکہ مرنے کے بعد بھی اس حیثیت سے ایک باہمی یادگار، دنیا مین باقی رہ جائے،

گو بزرگون مین اب کوئی باقی نہین رہا، اس لئے ان کی پیدائش کا صحیح سنہ و سال، یا بچپن کے زیادہ تر حالات معلوم نہین ہوسکے، تاہم جو کچھ وقتاً فوقتاً ان کی زبانی

سنا، یا کبھی کی بڑوں سے سُنی سنائی باتیں، جہاں تک ذہن میں محفوظ ہیں، اور اپنی حالت موجودہ کے لحاظ سے جو کچھ ممکن ہے لکھوں گی،

وطن اور خاندان | "وہ" خاص گورکھپور کے ایک اچھے شریف خاندان سے تھے، ان کے والد شیخ حاجی علی حسن صاحب مرحوم، کورٹ انسپکٹر تھے، نہایت دیانتدار اور ایک معزز با اثر شخصیت رکھتے تھے، انگریز حکام میں آپ کو بہت کچھ رسوخ تھا اور آپ ایک زبردست مذہبی شخص، یعنی سچے مسلمان تھے،

آپ کے بہت سی اولادیں ہوئیں لیکن صرف "وہ" اور ایک بہن ان سے چھوٹی، یہی دونوں بھائی بہن زندہ بچے، آپ کی دوسری بیوی سے بھی دو لڑکے ہوئے، بڑے ظفر حسن اور چھوٹے حامد حسن، لیکن ظفر حسن نے کوئی تین برس کی عمر میں وفات پائی،

ان کے بچپن کے مختصر حالات | "وہ" فطرۃً صفائی پسند اور شریف النفس واقع ہوئے تھے، کوئی کھیل بھی ویسا کہ جس سے کپڑے یا جسم آلودہ ہوں نہیں کھیلتے تھے، اور عام بچوں کی طرح کی ضد، ہٹ، بات بات پر مچلنے سے بھی نفرت تھی، بلکہ خاندان کے دوسرے بچوں کو یہ کرتے ہوئے حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے،

ابتدائی تعلیم | ان کے والد مرحوم نے مکتب کے بعد عرصہ تک ان کو گھر ہی پر مکتب میں عربی اور فارسی کی بلند مدارج تک تعلیم دلائی،

(آہ! مردانہ کا وہ برآمدہ آج تک مکتب کے نام سے موسوم ہے)

انگریزی تعلیم

اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے اسکول میں داخل کئے گئے، اسی کے ساتھ ایک انگریز معلم بھی مقرر کئے گئے، جو گھر پر آکر پڑھاتے تھے، اسی سلسلہ میں کچھ دنوں علی گڈہ بھی رہے،

چونکہ قوت ذہنی زبردست تھی، اور علم سے ایک خاص مناسبت اور غیر معمولی ذوق سلیم تھا، اس لئے سن کی ترقی کے ساتھ ساتھ علمی معلومات میں یہاں تک اضافہ ہوتا گیا، کہ ان کی سرسری جنبش قلم کی طرف بڑے بڑے قابل حضرات اور اہل کمال کی آنکھیں لگی رہتی تھیں، ان کے "لٹریچر" یعنی خاص طرح کی خوش بیانی اور پاکیزہ خیالی نے ملک کے ادبی حلقوں کو اُن کا گرویدہ و مفتون بنا دیا تھا،

ابتدائی تعلیم کے زمانہ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ میرے یہاں بلند شہر کے ایک نواب صاحب مہمان آئے ہوئے تھے، ایک روز قبلہ حاجی صاحب سے ملنے کیلئے آپکے مکان پر بھی تشریف لائے، نواب صاحب کو جو اُن کے علمی شوق کا حال معلوم ہوا تو آپ نے کوئی فارسی نظم پڑھنے کی فرمایش کی، انھوں نے اس کی فوری تعمیل کی، بالطبع ان کی آواز میں ایک خاص طرح کا درد تھا، اور ہر نظم کو اس کی بحر کی رعایت سے ادا کرنا ان کا حصہ تھا،

نواب صاحب سن کر بہت متاثر ہوئے، اور اسی جوش میں آپ نے پچیس روپے جیب سے نکال کر انعام کے طور پر ان کے سامنے بڑھائے، لیکن انھوں نے نہایت ادب سے سلام کیا، اور شکریہ کے ساتھ روپیہ واپس کئے اور کہا کہ "اگر آپ واقعی مجھے

عاملانہ عہدوں پر چنار اور مرزاپور وغیرہ میں رہے، اس کے بعد نائب تحصیلداری کے عہدہ پر مقرر ہو کر بنارس آئے،

بیوی کی وفات اور بچوں کی پرورش

مرحومہ نے ۲۰- اپریل ۱۹۰۴ء کو وفات پائی، اور تین اولادیں چھوڑیں، دو لڑکیاں، اور ایک لڑکا، بڑی لڑکی چھ برس کی تھی، اور دوسری ۴ برس کی، لڑکا احمد دو برس کا تھا،

یہ حادثہ ان کے لئے کوئی معمولی نہیں تھا، اس پر ننھی جانوں کی پرورش لیکن جس جاں نثاری اور وفاداری سے انھوں نے یادگاران رفیق کی پرورش اور اعلیٰ تربیت کی، اس کی نظیر اپنے وطن میں کیا، دس پانچ شہروں میں بھی شاید ہی ملے، ان کی اس صنف زندگی کے محاسن کو لفظوں میں ادا کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے،

اس واقعہ کے بعد ۱۹۰۶ء میں بنارس سے تبدیل ہو کر الہ آباد آئے، اور ۵-۶ برس تک برابر صدر تحصیل میں رہے،

تحصیلداری کا سلسلہ اور الہ آباد کی بڑی نمائش

۱۹۰۹ء میں تحصیلداری کی قائم مقامیوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور الہ آباد کی بڑی نمائش کے زمانہ میں چھ مہینے تک مسلسل صدر تحصیلدار رہے، اس زمانہ میں گورنمنٹ کے بڑے بڑے مہمان آئے گئے، اور انتظام کا جس قدر حصہ ان کے ہاتھ میں تھا، اُسے نہایت خوش سلیقگی اور عمدگی سے انھوں نے انجام دیا،

کچھ دینا چاہتے ہیں، تو کوئی اچھی سی کتاب میرا بہترین انعام ہوگی"

اتفاق سے اس وقت نواب صاحب کے پاس ایک جلد تہذیب الاخلاق کی موجود تھی، وہی آپ نے دی اور فرمایا کہ "باقی جلدیں مکان سے بھیجوں گا"

"وہ" اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ "صرف اسی تہذیب الاخلاق نے مجھے آدمی بنایا"

بچپن میں اوقات کا لحاظ اور نفاست

چونکہ بچپن ہی سے مزاج میں صفائی اور نفاست بہت تھی، اور ہر اچھی چیز سے انس، ایک چھوٹا سا خوبصورت کمرہ شیشوں کے دروازوں کا لب سڑک قبلہ حاجی صاحب نے خاص ان ہی کے لئے مخصوص کردیا تھا اس کے اندر ایک چھوٹا سا غسلخانہ بھی ہے، اس کمرے کو "وہ" نہایت خوش سلیقگی سے ٹھیک ٹھاک رکھتے تھے، قبلہ حاجی صاحب کے ملنے والوں میں اکثر اصحاب خاص کر ان کے کمرہ میں جاتے، اور اُن کی ایک ایک چیز کو دلچسپی سے دیکھتے، اور اس کی داد دیتے،

پڑھنا، لکھنا، کھانا، ناشتہ، غسل، تفریح وغیرہ وغیرہ، ان سب میں وقتِ مقررہ کی پابندی کا بہت خیال رکھتے تھے،

شادی اور ملازمت

جب وہ کوئی ۱۸-۱۹- سال کے تھے، اس وقت وطن ہی میں ایک خاندانِ سادات کی لڑکی سے شادی ہوئی،

شادی کے کچھ ہی دنوں بعد ملازمت کا سلسلہ ۱۸۹۶ء میں شروع ہوا، کچھ دنوں

اسی زمانہ مین ولی عہد جرمنی بھی آئے تھے، اسی سلسلہ مین انھون نے اپنے حُسنِ خدمات کے صلہ مین شاہزادہ جرمنی سے ایک طلائی تمغہ بھی پایا تھا،

تعلقاتِ احباب ان کو بالطبع غیر شریفانہ مشاغل سے دلچسپی نہین تھی، اس لئے عام لوگون سے علٰحدگی رہتی تھی،

وہ صرف ایسے شخص سے دوستی رکھ سکتے تھے، جو اصولاً، اخلاقاً، عقلاً، اس قابل ہوتا، اسی کے ساتھ اس کا علم دوست بھی ہونا ضروری تھا، اسی وجہ سے وطن مین بھی ان کا دائرۂ احباب وسیع نہین تھا، تاہم کافی تھا، "وہ" اپنے دوستون کے ساتھ ہمیشہ خاص طرح کا خلوص، وضعداری، اور یکرنگی رکھتے تھے، جسے آخر وقت تک نباہا،

علمی اور پاکیزہ لٹریچر سے خاص اُنس انگریزی کے ساتھ عربی اور فارسی کے بھی بڑے شائق تھے اسلامی لٹریچر اور متعلقات پر یورپ مین جو تصانیف انگریزی یا کسی مشرقی زبان مین شائع ہوتی تھین، وہ خصوصیت کے ساتھ ان کے پیشِ نظر رہتی تھین،

آج اُن کی لائبریری بہترین لٹریچرون کا مجموعہ ہے، اس کے ہمیشہ متلاشی رہتے تھے، کہ کون کون سی کتابین نئی چھپنے والی ہین،

اس کا بہت اہتمام رہتا کہ نئی تصانیف سب سے پہلے ان کے پاس پہنچین، جسکے لئے بڑی بڑی دکانون، اور بک ایجنسیون مین اُن کا آرڈر پہلے ہی سے رہا کرتا تھا کوئی مہینہ ایسا نہیں گذرتا تھا، کہ اُن کی تنخواہ کا ایک معقول حصہ کتابون کی

خریداری اور اس کی جلدبندی وغیرہ مین صرف نہ ہوتا ہو، بقول بھائی عبدالماجد صاحب کے "ان معاملات مین مرحوم وہ اہتمام کرتے تھے، جو خود مصنف سے بھی نہ بن پڑتا" نائب تحصیلداری کے زمانہ مین بھی انھون نے اپنے اس شوق کو خوبی کے ساتھ نباہا،

اردو لٹریچر کا نہایت لطیف اور صحیح مذاق رکھتے تھے، اور انشا پردازی تو گویا ان کا حصہ تھی،

کتب بینی | کتب بینی ان کے لئے شرطِ حیات تھی،

معمولاً شب کے چند گھنٹے پڑھنے مین ضرور صرف کرتے، اور اُسے تمام دن کی دماغی محنتون کا بہترین معاوضہ سمجھتے تھے،

جس روز کوئی نئی کتاب نہ ہوتی، تو پرانی ہی کتابون کو دیکھتے، ان کی لائبریری مین جتنی کتابین ہین، وہ سب بارہا ان کی نگاہ سے گذر چکی ہین، تواترِ مطالعہ سے کتابون کے خاص خاص حصے ان کو حفظ ہو گئے تھے، پڑھنے کی رفتار بہت تیز تھی ضخیم سے ضخیم کتاب دو نشست مین ختم کر دیتے تھے

کتابین اس قدر ان کو عزیز تھین، کہ زمانۂ علالت مین بھی وہ ان سے قطع نظر نہین کر سکتے تھے،

لکھنؤ مین جیسے ہی طبیعت ذرا سنبھلی، انھون نے پہلی درخواست جو اسپرا سن صاحب سے کی، وہ یہ تھی "کیا اب مین کتابین پڑھ سکتا ہون"؟ اس پر صاحب نے اختیا

ہنس پڑے، اور جواب ان کی خواہش کے مطابق دیا، جس سے ان کو خاص
مسرت ہوئی،
اس حالت میں بھی وہ ایک بکس منتخب کتابوں کا ڈیرا پور سے اپنے ساتھ
لائے تھے، لیکن وہ وہیں چھوڑ دی گئی تھیں،
اجازت ملتے ہی انھوں نے دوسرے ہی روز ایک خاص آدمی وطن بھیجکر
اس بکس کو منگوایا،
وارڈ کے کمرے میں ان کے پلنگ کے قریب ایک آلماری پر قاعدہ سے
وہ کتابیں رکھ دی گئیں، دونوں وقت حسب دستور صاف کی جائیں، اسی کے
ساتھ وہ برابر ان کی ترتیب بھی بدلوا تے رہتے تھے، اور انھیں دیکھ دیکھ کر بہت
خوش ہوتے تھے،
روزانہ صبح کو ایک ملازم کو امین آباد پارک اخباروں کی خریداری کے لئے
بھیجتے تھے، اور اس کی واپسی کا ان کو بے چینی کے ساتھ انتظار رہا کرتا تھا،
چونکہ زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، اس لئے صرف خاص خاص حصے
خود دیکھتے، باقی احمد سے یا مجھ سے پڑھا کر سنتے تھے،

انشا پردازی کا شوق اور مشاہیر مصنفین کے ساتھ خاص ارتباط

جہاں تک پتہ چلتا ہے، ان کے مضامین کی پہلی قسط تمدن
عرب پر ایک کھلی چٹھی" کے عنوان سے فروری ۱۸۹۹ء میں
ریاض الاخبار گورکھپور میں شائع ہوئی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں اور

اخباروں میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے،

اسی سلسلہ میں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا محمد حسین صاحب آزاد، مولانا حالی صاحب، مولانا شبلی صاحب مرحوم سے خط وکتابت شروع ہوئی، سرسید مرحوم سے بھی تھی، مگر کم،

لیکن مولانا شبلی مرحوم کے ساتھ باہمی تعلقات خاص طور پر گھرے تھے ۱۸۹۰ء سے مولانا شبلی مرحوم سے یہ سلسلہ شروع ہوا، اور تعلقات کی تدریجی رفتار کے ساتھ تحریر کا لب ولہجہ بدلتا گیا، مولانا فرطِ خلوص سے ان سے کوئی راز نہیں رکھتے تھے،

مولانا مرحوم اپنے ایک خط میں ان کے دو مضامین کی داد یوں دیتے ہیں "الناظر میں ایک مضمون دیکھا، نیچے تمہارے نام کے دستخط تھے، حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزاپوری دوست ہیں، یا نذیر احمد و آزاد کی روح نے ایک قالب اختیار کیا ہے، کئی دن تک دیکھتا اور احباب کو دکھاتا رہا، وہی دن بیتے ہوئے، وہی برق ایک اور افق پر چمکی، یہ اس سے بھی زیادہ ہوش ربا اور خیرہ کن تھی"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں "کاش شعر العجم کے مصنف کو ایسے دو فقرے لکھنے بھی نصیب ہوتے، دائرۂ ادبیہ کا لکھنے والا شبلی کا معتقد ہو یقین کرنے کی بات نہیں"

جب وہ الٰہ آباد تبدیل ہو کر آئے، تو مولانا بہت خوش ہوئے اور لکھا کہ آپ کے الٰہ آباد آجانے نے مجھ کو الٰہ آباد کے سفر پر فوراً آمادہ کر دیا اب میرے سفر کی تعداد میں ضرور اضافہ ہو جائے گا،

جب مولانا شبلی مرحوم الہ آباد تشریف لاتے تھے، تو اپنے زمانۂ قیام میں ایک دن بھی بغیر ان کے دیکھے مولانا کو چین نہیں آتا تھا، اور مولانا کی مانگ ہر طرف کثرت سے رہتی تھی، میرے ہاں ایک روز سے زیادہ مہمان نہیں رہنے پاتے تھے، تاہم جہاں مولانا ہوتے تھے، وہ روزانہ ان سے ملنے کے لیے جاتے تھے،

الہ آباد میں بھی رفتہ رفتہ اعلیٰ طبقہ کے احباب کی ایک اچھی خاصی پارٹی ان کی تیار ہو گئی تھی، جس میں زیادہ تر تعداد ذی علم اصحاب کی تھی،

موجودہ ارباب قلم کیساتھ ان کے مراسم

مولانا شبلی مرحوم کے بعد آپ کے لائق فخر شاگردوں سے بھی ان کے تعلقات کچھ کم نہ تھے، ان ندوی احباب میں مولانا سید سلیمان صاحب، مولوی عبدالباری صاحب، مولوی عبدالسلام صاحب کے ساتھ خاص خلوص اور دلچسپی تھی، نسبتہً سید سلیمان صاحب سے زیادہ، جیسا کہ سید سلیمان صاحب نے خود تعزیت نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے ان کا رابطۂ محبت اپنے استاد مولانا شبلی مرحوم سے وراثتہً پایا تھا"

وفات سے دو ایک سال قبل مولوی عبدالباری صاحب ندوی سے بھی تعلقات (بذریعہ تحریر) بہت زیادہ قائم ہو گئے تھے،

وہ ان اصحاب کے علمی مذاق کے بہت گرویدہ تھے، دل سے قدر اور محبت کرتے تھے، اور اس ارتباط کو انھوں نے آخری وقت تک نباہا،

اپنے موجودہ ادبی احباب میں، جن کی لٹریری اور علمی قابلیت کے وہ دلدادہ

تھے، مولانا عبدالماجد صاحب بی اے کا نام نامی سرِ فہرست درج ہونے کے لائق ہے، آپ کے ساتھ انھیں سچا خلوص اور دلی تعلق تھا،

آپ کے خطوں کا ان کو بے چینی کے ساتھ انتظار رہا کرتا تھا جس روز ڈاک میں آپ کا خط ہوتا، انھیں بے حد مسرّت ہوتی تھی، خدا جانے کتنی مرتبہ اسے پڑھتے تھے، اور سیری نہیں ہوتی تھی، کبھی جوش میں کھڑے ہو جاتے، اور ٹہل ٹہل کر خط کو پڑھتے تھے،

اکثر آپ کی نسبت فرطِ خلوص اور محبت سے کہا کرتے تھے کہ "ایک دن یہ موجودہ زمانۂ ہند کا آفتابِ علم ہو کر رہے گا"!

جناب مولانا عبدالماجد صاحب نے ان کی وفات پر جو تعزیت نامہ ہمدم میں شائع کرایا تھا، اس کا ایک ایک حرف بجائے خود باہمی خلوص اور سچی محبت کا بہترین ثبوت ہے!

سیّد ناصر علی صاحب (ایڈیٹر صلائے عام) مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری (مصنف البرامکہ) مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولانا محمد علی صاحب آکسن، شاہ دلگیر صاحب اکبرآبادی، ان سے بھی خاص مراسم تھے،

الٰہ آباد میں کبھی کبھی مولانا شبلی مرحوم کے ساتھ، مولانا ابوالکلام صاحب آزاد بھی میرے ہاں مہمان ہوا کرتے تھے،

لیکن ادھر مدت سے آپ لوگوں کے ساتھ بوجوہ ان کا سلسلۂ مراسلت

قریب قریب منقطع تھا،

خط وکتابت | چونکہ زندگی بحیثیت مجموعی بہت با اصول تھی،
یہ صیغہ بھی باقاعدگی سے خالی نہ تھا بلکہ مراسلت ان کی زندگی کا ایک
ضروری جزو تھی،

ڈاک کا ان کو روزانہ سخت انتظار رہا کرتا تھا، ڈاک عموماً زیادہ ہوا کر
اخبار، رسالے، دوستوں اور عزیزانِ خاندان کے خطوط، دکانوں کی فہرستیں
آتی رہتی تھیں،

جس روز اردو کا کوئی نیا رسالہ (خصوصاً معارف) ہوتا اس روز انھیں
مسرت ہوتی، یا جب ان کے لٹریری دوستوں میں سے کسی کا خط آتا، تو
ہوتے، اور اس خط کو بار بار پڑھتے،

خود خط لکھنے، اور دوسروں کے خطوں کا جواب دینے میں بہت
تھے، خط کا جواب نہ دینا، ان کے خیال میں ایک اخلاقی جرم تھا جس
کبھی مرتکب نہیں ہوے،

خط خواہ کسی شخص کا ہوتا، جواباً ضرور اس کو لکھتے تھے،

یہانتک کہ زمانۂ علالت میں بھی مراسلت کا سلسلہ بدستور جاری ر
نہیں لکھ سکتے تھے، تو احمد سے لکھواتے رہتے، اور خود بولتے جاتے تھے،
عیادت کے خطوط جو روزانہ آتے رہتے تھے، ان کا جواب جب

ان کو بے چینی رہا کرتی تھی،

آہ! اخیر وقت تک انھین اس کا بہت خیال تھا کہ ان سے کوئی جواب خط نہ پانے کا شاکی ہو،

مین وفات کے روز بھی کوئی دو بجے دن کو انھون نے کئی خط لکھوا کر بھیجے احمد اس وقت اپنے کسی کام سے باہر جانا چاہتے تھے، اس لئے خط کو ٹالنا چاہا، کہا کہ "ابا جان! اب کل لکھین گے" اس پر انھون نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ "نہین بیٹا! آج ہی لکھو، جب مین دنیا مین نہین ہونگا، اس وقت یہ باتین تم لوگون کو بہت یاد آئین گی، کہ تمھارے باپ کی باقاعدگی نے آخری سانس سے پہلے ان کا ساتھ نہین چھوڑا،

ان کے خطون مین ایک خاص ادا ہوتی تھی، عبارت حشو و زوائد سے بری ہوتی تھی اور طرز انشا مین وہ اپنا ایک جداگانہ رنگ رکھتے تھے یعنی کسی کے مقلد نہین تھے بلکہ خود درجۂ اجتہاد رکھتے تھے،

خطوط روزمرہ کی بول چال مین نہایت بے تکلف اور بیساختہ ہوا کرتے تھے، ان کے مکتوبات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی تحریر گمنام بھی ہو، ناممکن ہے کہ دو سطرین پڑھنے کے بعد پڑھنے والا سمجھنے مین غلطی کرے، اسی کے ساتھ شان ان مین خط نہایت صاف اور دلفریب، یہ دونون باتین بہت کم لوگون کے حصے مین آئی ہین،

ان کے اہل قلم احباب ان کے خطوط کی بڑی قدر کرتے تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے ہر ملنے والے کے پاس، ان کے خطون کی ایک معقول تعداد، بقول مولانا

سید سلیمان صاحب ندوی کے "تعویذ ادب بنکر حرزِ جان کی حیثیت سے محفوظ ہین۔"

میرا ارادہ مکاتیب کے بھی شائع کرانے کا ہے، جس سے اردو لٹریچر مین ایک قیمتی اضافہ ہوگا،

ظرافت مین اختصار | ایک مرتبہ سید عبدالرؤف صاحب بیرسٹر ایٹ لا، الہ آباد، جو اب پنجاب ہائی کورٹ کے جج ہین، ان کے ہان مولانا شبلی مرحوم کی دعوت تھی؛ اسی سلسلہ مین اور بھی بہت اصحاب شریک تھے، عبدالرؤف صاحب ان کے علمی اور سنجیدہ مذاق کی بہت قدر کرتے تھے، خاصکر ایسے موقعون پر بیرسٹر صاحب ان کو ضرور پکڑتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ "بھائی بغیر آپ کے میز پر لطف نہین آتا" اس دعوت مین باہر کے ایک رئیس صاحب بھی شریک تھے، آپ نے جواب نائب تحصیلدار کو اس قدر باقاعدہ کپڑون مین دیکھا، اور اس پر مولانا اور بیرسٹر صاحب کی خاص توجہ، تو آپ کی طبیعت نے نچلے نہ بیٹھنے دیا،

رئیس صاحب نے ان کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا، کیا آپ براہِ مہربانی مجھے یہ بتا سکتے ہین کہ انسان جنٹلمین کس طرح بنتا ہے، وہ سنکر ٹال گئے،

دوبارہ پھر بھی سوال کیا، اب بھی وہ خاموش رہے، لیکن جب تیسری مرتبہ رئیس صاحب نے اس کا اعادہ کیا، تب انھون نے نہایت سنجیدگی سے بغیر انکی طرف دیکھے ہوئے جواب دیا، "معاف کیجئے گا، جنٹلمین بنتے نہین، ہوتے ہین۔"

ان کا یہ کہنا تھا کہ ہر طرف کے قہقہون کی آواز سے ہال گونج اٹھا، اور بیچارے

رئیس صاحب جھپٹ گئے، عبدالرؤف صاحب سے ضبط نہ ہوسکا، جوش میں فوراً آبیٹھے اور ان سے لپٹ گئے،

اس قسم کے اور بھی بہتیرے واقعات ہیں،

اخلاقی جرأت وہ اپنی رائے کے اظہار میں کبھی کسی کا خیال نہیں کرتے تھے، جس طرح اپنے گھر میں پانچ کے دوستوں میں آزاد تھے، اسی طرح بڑی سے بڑی پارٹی اور جلسہ میں بھی بیباکانہ اظہار خیال کرتے تھے،

قوت فیصلہ کسی سے صرف ایک بار ملنے کے بعد قیافہ سے اس کی نسبت نہایت صحیح اور بہت جلد رائے قائم کرلیتے تھے، جو اکثر بالکل ٹھیک ہوتی تھی، اس پر دوسروں کو حیرت ہوتی تھی،

خودداری وہ جہاں خلیق تھے، وہاں خودداربھی حددرجہ کے تھے، وہ اپنے سے کم رتبہ شخص سے ملنے اور بازدید کے لیے اس کے گھر بے تکلف جاتے تھے لیکن کسی کے ہاں وہ گئے، اور وہ بازدید کو نہ آئے، چاہے کتنا ذی مرتبہ کیوں نہ ہو پھر دوبارہ اس سے ملنے نہیں جاتے تھے،

صداقت اور صاف دلی وہ نہایت نیک نیت تھے، اور صداقت ان کی طبیعت کا ایک زبردست جزو تھی، خصوصاً دل تو سینہ میں ایک شفاف آئینہ تھا، ناممکن تھا کہ اپنے متعلقین میں کسی کی طرف سے ہو، اور کسی حیثیت سے ہو، ذرا سا میل اس پر آجاتا، تو وہ اسے برداشت کرسکتے طبیعت میں ایک ایسی بے چینی

پیدا ہو جاتی تھی جس سے رات کو چین سے سو بھی نہین سکتے تھے، جبتک کہ اس سے صفائی نہ کر لیتے اور جس کے ساتھ جتنا ہی گہرا تعلق تھا، اتنا ہی زیادہ اس کا اثر بھی قبول کرتے تھے،

عقل اور جذبات کا صحیح استعمال

وہ مجسم جذبات تھے لیکن اُسی کے ساتھ ان کا ہر فعل نہایت عاقلانہ اور با اصول ہوا کرتا تھا، جہان جذبات کا موقع ہوتا تھا، عقل ایک حد تک مغلوب ہو جاتی تھی، اور جہان عقل کی ضرورت ہوتی تھی، وہان جذبات کا کوسون پتہ بھی نہین ہوتا تھا، اور کبھی کبھی یہ دونون حالتین ان پر ایک ہی وقتِ خاص مین، اور ایک سکنڈ کے اندر طاری ہو جاتی تھین۔

لباس مین خاص تصرفات

وہ جتنا اچھے کپڑون کے شائق تھے، اتنا ہی اس کی تیاری مین بھی اہتمام رکھتے تھے،

اچھی سے اچھی انگریزی دکان پر بہتر سے بہتر سینے والون کو بھی اپنے کپڑے اس وقت تک سینے کو نہین دیتے تھے، جبتک کہ ان کو اس کی تراش مین شریک ہونے کا موقع نہ ملے، خاص خاص ناپ خود بتاتے تھے، کانپور کے ایک مشہور درزی سے ضبط نہ ہو سکا، اور اس نے ایک موقع پر کہا کہ حضور! مجھے بڑے بڑے صاحبون کے کپڑے سینے کا اتفاق ہوا، اور اسی مین عمر گذر گئی لیکن ایسی ایسی باریکیان حضور کی بدولت معلوم ہوئین، کہ تا بعدار زندگی بھر بھول نہین سکتا" اسی طرح ہر چیز کی تکمیل کا بہت خیال رہتا تھا، ایک جوڑی جوتا بھی بیکسٹن اپنے بغیر

ان کی خاص ہدایت کے، ان کی مرضی کے لایق تیار نہین کر سکتے تھے،

سگریٹ اور حقہ

سگرٹون کے بہت شائق تھے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ پیتے تھے، علی گڈہ کلب کی سگریٹ خصوصیت سے منگواتے تھے اس خیال سے کہ اس مین ترکی کا تنباکو ہوتا تھا، لیکن ادھر کچھ دنون سے وطن کے اعلیٰ تنباکو نے حقہ کا شوق پیدا کر دیا تھا، حقہ بھی نہایت تکلفی ہوتا تھا، خاص طرح کے نیچے فرمایشی بنوائے جاتے تھے، اور ایک کو پندرہ روز سے زیادہ استعمال نہین کرتے تھے، مہنال عنبری ہوتی تھی، جبتک مردانہ مین کام کرتے رہتے، ہر پندرہ۱۵ بیس منٹ کے بعد چلم بدلی جاتی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ برابر تازہ بھی کیا جاتا، اور فرشی کپڑے سے خشک کرکے چمکائی جاتی تھی،

غذا

مقدار بہت کم ہوتی تھی لیکن جہانتک ممکن تھا بہتر سے بہتر اور لطیف، ثقیل چیزون سے پرہیز کرتے تھے، ترکاری زیادہ کھاتے تھے، اور وہ خاص طرح پر پکائی جاتی تھی، یعنی اس کا جوہر فنا نہ ہونے پائے، اور مچھلی بہت ہی پسند تھی، اور انڈون سے بے حد شوق تھا، خاصکر صبح کی چائے پر لازما ہوتے تھے،

ہر اچھے اور لطیف پھل سے شوق تھا، نسبتہً آمون سے زیادہ، خاصکر لنگڑے آمون سے، خشک میوے یون پسند نہین تھے، صرف ان کی لوزیات کھاتے تھے،

صحت کا خیال اور وقت کی پابندی

جاڑون مین ۷ بجے، اور گرمیون مین ساڑھے چھ بجے صبح کو چائے اپنے لوازم کے ساتھ سامنے آجاتی تھی، اور ساڑھے بجتے بجتے

وہ اپنے دفتر کے کمرے مین جا کر بیٹھ جاتے تھے، پھر ساڑھے دس بجے غسل اور گیارہ بجے کھانا، اس کے بعد دو گھنٹے آرام، لیکن دن مین سوتے کم تھے، ایک بجے سے ڈاک دیکھنی شروع کرتے، پہلے نج کی خاص خاص، پھر سرکاری تھیلے کی دیکھ بھال کے بعد، دو بجے تازہ غسل کے ساتھ کچہری جاتے، اور ۴ بجے واپس پر چائے سے فارغ ہوکر باہر صحن مین جا کر بیٹھتے، اور ڈیڑھ دو گھنٹے ملنے جلنے والون کا سلسلہ رہتا، پھر کچھ دیر ادھر اودھر ٹہلتے، ۸ بجے شب کو کھانے پر بیٹھ جاتے، اس کے بعد صاف ستھرے لیمپ کی تیز روشنی کے سامنے، اس روز کے آئے ہوئے نئے اخبار اور رسالون کو کچھ دیر دیکھتے، ۱۱ بجے سو رہتے تھے، پھر وہی صبح، جس کا خاکہ شروع مین کھینچ چکی ہون،

بڑے تو خیر، چھوٹے بچون کے بھی سال مین ایک، یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ زکام تو البتہ ہو جاتا تھا، ورنہ برسون خدا کے فضل سے حرارت بھی نہین آتی تھی اور یہ صرف اسی باقاعدہ زندگی کا ثمر پیش رس تھا،

خلاصہ | زندگی نہایت صاف ستھری تھی، اور جتنے صیغے تھے، سب مین متوازی ترقی کی کوشش رہتی تھی،

سچ یہ ہے کہ انسان کی غایت ہستی ظاہر احسن معاشرت کے سوا کچھ معلوم نہین ہوتی، اور جدید طرز معاشرت مین اوّل درجہ کا معیار زندگی کچھ ناگزیر سا تھا، جس سے ان کی سی طبیعت کا انسان قطع نظر نہین کر سکتا تھا،

اصلی جذبۂ ہمدردی

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کچہری مین بیٹھے مقدمہ کر رہے ہین، اور بڑے بڑے وکیل اجلاس پر موجود ہین، سارا کٹہرا گواہون سے بھرا ہوا ہے، اور وہ نہایت مصروفیت سے اپنے فرائض منصبی کو انجام دے رہے ہین، کہ اتنے مین ایک فقیر کی آواز کانون مین آئی اور انھون نے دیکھا کہ اجلاس کے سامنے میدان مین وہ کھڑا ہے، اسی وقت اُن کا قلم رُک جاتا، اور اردلی کی طرف دیکھتے چونکہ اردلی ان کی اس حالت سے واقف رہتا تھا، فوراً وہان سے روانہ ہوتا، لیکن جب تک وہ دروازے پر آکر اطلاع کرتا، اور پھر یہان سے واپس جاتا اور فقیر کو دے کر رخصت نہ کر لیتا، اس وقت تک اپنا کام نہین کر سکتے تھے، یا کبھی ایسا ہوتا کہ گھر پر ان کی موجودگی مین فقیر نے صدا دی، اور اس کی پہلی یا حد دوسری آواز پر فوراً بھیک نہ دی گئی، تو اتنی سی تاخیر ان کو ناگوار ہوتی تھی،

اور یہ تو ان کے ہان سخت جرم تھا کہ کسی کام کے لیئے بیگار پکڑ آئے، اور پھر بغیر کچھ اجرت پائے وہ چلا جائے اس کی بہت نگرانی رکھتے تھے،

اگر اتفاق سے کبھی اردلیون کی غفلت سے ایسا ہو جاتا، تو وہ سب تقصیرین معاف کر سکتے تھے، لیکن نہین معاف کرتے تھے تو اس ایک قصور کو،

خدا کے ساتھ سچی عقیدتمندی

وہ نماز پابندی سے تو نہین پڑھتے تھے، لیکن اکثر تازہ غسل کے بعد جب ان کا دل چاہتا تھا پڑھ لیتے تھے اور مفصل کی تحصیلون مین عید بقرعید کی نماز بھی اکثر گھر ہی مین پڑھتے تھے، لیکن جس وقت قاعدے سے

نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اس وقت وہ صحیح معنی مین مجسم تصویر عبودیت ہوتے تھے، جس خلوص اور عاجزی کے ساتھ ارکان نماز ادا کرتے تھے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت وہ اپنے معبود حقیقی کو نگاہون سے دیکھ رہے ہین، اور بعد نماز دعا کا انداز تو ایسا تھا کہ جتنے ان کے شریک نماز رہتے تھے، ناممکن تھا کہ سب کی گھگھی نہ بندھ جاتی

موت کا خیال پیش نظر

کوئی ہفتہ ایسا نہین گذرتا تھا کہ جس مین وہ موت کا ذکر تفصیل کے ساتھ نہ کرتے رہتے ہون، اور اگر اس وقت کوئی اتنا بھی کہدیتا کہ اب اس ذکر کو جانے دیجئے، تو فوراً بگڑ جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ "دوسرے یہ جاننے کے بعد بھی کہ وہ کبھی نہ کبھی ضرور پیش آکر رہے گی، پھر بھی اپنے نفس کو دھوکا دینے کیلئے اس خیال کو ٹالتے رہتے ہین، لیکن مین اورون کی طرح بنا ہوا آدمی نہین ہون، اس لئے سمجھتا ہون کہ زندگی غیر اختیاری اور اتفاقی ہے لیکن موت لازمی اور قطعی ہے"

اولادین اور آپس کے تعلقات

دونون لڑکیون کی شادی ان کی حیات ہی مین ہو چکی تھی اور اپنے اپنے گھر سے خوش ہین،

بڑا لڑکا احمد حسن، علی گڑھ مین بی اے کے پہلے درجہ مین پڑھ رہا ہے، اور دو لڑکے مجھ سے ہین، بڑا شاہد حسن ۹ برس کا، اور چھوٹا ناقد حسن ۷ برس کا،

جب کبھی ہم سب پردیس مین یا وطن مین ایک جا ہوتے تھے، تو کچھ عجیب لطف رہتا تھا، آپس مین خاص طرح کے تعلقات، باہمی خلوص، یکرنگی، اور ہمخیالی کے ساتھ کی وہ معصوم خوشیان، اور اس مین بالتخصیص ان کی شرکت،

تحریر کی طرح ان کی تقریر بھی نہایت جامع اور مانع ہوتی تھی، اس پر وہ انکی خاص طرح کی ظرافت،

بعض وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم سب اس دنیا سے تعلق نہین رکھتے اور یہ وہ راز تھا جس کو ہم چند ہستیون کے سوا دوسرے سمجھ بھی نہین سکتے تھے، حیرت ہوتی ہے کیا ہم سب وہی ہین؟ بے شک! لیکن اب وہ روح باقی نہین رہی، آہ! وہ فخر خاندان، رونق خاندان، بلکہ اقبال خاندان، دنیا سے رخصت ہو گیا،

آخری علالت کا سلسلہ اگست ۱۹۲۱ء مین، ڈیراپور مین (کان پور کی ایک تحصیل) ان کی طبیعت کچھ خراب ہوئی، وہین تحصیل کے ڈاکٹر کا علاج ہوتا رہا، جب کچھ فائدہ نظر نہ آیا، تو پھر کان پور کے ڈاکٹر سے مل کر ان کا علاج شروع کیا، لیکن اس مین بھی کچھ کامیابی نہین ہوئی، تب وطن کا خیال آیا، اور یہان پہنچتے ہی اسسٹنٹ سرجن جو نہایت ہوشیار اور قابل ڈاکٹر ہین، فوراً بلائے گئے، اور باقاعدہ علاج شروع ہوا، لیکن یہان بھی بجائے ترقی کے حالت اور بگڑتی ہی گئی، پھر ڈاکٹر کے مشورہ سے لکھنؤ لے کر گئی، اور مڈیکل کالج مین دو مہینے مسلسل کرنل اسپراسن صاحب کے زیر علاج رہے،

وہان پہنچنے کے تھوڑے دنون بعد ان کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوئی، اور رفتہ رفتہ اتنے اچھے ہو گئے کہ غذا بھی کافی ہونے لگی، اور اچھی طرح سب سے باتین بھی کرنے لگے، کچھ دیر اخبار یا کوئی کتاب بھی ڈاکٹر کی اجازت سے دیکھنے لگے

ظاہرا بیماری کی بہت سی علامتیں بھی دور ہو چکی تھیں، اسپراسن صاحب بہت خوش تھے، اور کہا کرتے تھے کہ "آپ نے بہت جلد ترقی کی"۔ لیکن اس درمیان میں اسپراسن صاحب خود علیل ہو گئے، گو دوسرے ڈاکٹر دو وقتہ آتے تھے، مگر صاحب پھر ان کی زندگی میں اسپتال نہیں آسکے،

۵۰ اسی دوران میں ۱۹ نومبر کو ان کی طبیعت پھر کچھ خراب ہوئی لیکن ایسی نہیں کہ جس سے خطرہ کا احتمال ہوتا، اس دوبارہ خرابی طبیعت کے ساتھ اشتہا میں پھر کمی ہو گئی،

۲۱ نومبر کو ۸ بجے شب میں صرف دو نیم برشت انڈے، اور تھوڑا شوربہ کبوتر کا یہی غذا ہوئی، اس کے بعد حسب معمول مجھ سے کچھ باتیں کر رہے تھے کہ دفعۃً ایک گھبراہٹ کے ساتھ سر کو تکیہ پر رکھ دیا، اور ایک سکنڈ میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے، بس وہ کیسا منظر تھا؟ اور کیا گذر گئی؟

آہ، ظالم اور بے رحم موت! تو نے ایک کو ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلا دیا، اور دوسرے کو نیم بسمل، زندگی بھر تڑپنے کے لئے چھوڑ گئی،

وفات اور سبب موت

فوراً ڈاکٹر نے آکر دیکھا، اور کہا کہ حرکت قلب رک گئی، اور افسوس کے ساتھ اظہار حیرت کی، کہ اس مرض میں مشکل سے سو میں دو چار بدنصیبوں کو یہ صورت پیش آتی ہے "افسوس کہ آپ اُن ہی میں سے ایک تھے"

۵۷ عمر کوئی ۴۶، ۴۷ کے قریب تھی، لیکن اتنی بھی اُن کی صورت یا ان کے کسی

اندازسے معلوم نہین ہوتی تھی،

وہ فطرۃً خاص طرح کے زندہ دل شگفتہ مزاج، اور خوش مذاق آدمی تھے،

ضبط اور استقلال اتنے طویل زمانۂ علالت مین بھی اتنا ہی ضبط اور استقلال کا ثبوت انھون نے دیا، جتنا کہ ایک کمزور انسان دے سکتا ہے،

اگر کوئی کچھ تسکین کا فقرہ کہتا تھا، تو وہ شگفتہ نہین ہوتے تھے، بلکہ بعض وقت ہنس دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ تم لوگون کے یہ امید افزا خیالات صرف تمھارے دل کی تسکین کے لئے ہین، لیکن جو ہونے والا ہے اسے مین خوب سمجھتا ہون، اور میری حالت خود غمازی کرتی ہے، اس خیال کے ساتھ بھی جب کوئی ان سے ملنے آتا تھا تو "وہ" اپنی اسی پہلی شگفتگی کے ساتھ اس سے ملتے تھے،

ان کی وفات سے چھ روز پیشتر جناب عبدالماجد صاحب بی اے ان کی عیادت کے لئے آئے تھے، ان سے وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے، اور اسی زندہ دلی کے ساتھ دیر تک مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے، خاصکر دار المصنفین کے متعلق ایک ایک کے حالات دریافت کرتے رہے،

اور خاص اسی دن، اور مشکل سے وفات سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے عبدالقادر خان صاحب ڈپٹی کلکٹر ان سے ملنے کے لئے آئے، اور وہ ڈپٹی صاحب سے بھی اسی طرح ملے اور ایک ایک کی خیریت تفصیل کے ساتھ دریافت کی،

تجہیز و تکفین عادثہ لکھنؤ مین ہو چکا تھا لیکن پردیس مین چھوڑنے کو کسی طرح دل

نے گوارا نہین کیا، اس لیئے وطن لائی، اور خود بھی تمام شب مال گاڑی مین پلنگ سے لگی بیٹھی رہی،

آہ! جس وقت ۶ بجے صبح کو وطن کے اسٹیشن پر گاڑی رکی ہے، وطن کے کوئی ڈیڑھ دو سو معززین، شرفا، اور رؤسا سے، تمام پلیٹ فارم بھرا ہوا تھا، علاوہ عزیزان خاندان کے،

دل سے آواز آئی "کاش! وہ زندگی اور تندرستی کے ساتھ آئے ہوتے اور یہ اصحاب ان کے خیر مقدم کے لیئے جمع ہوے ہوتے،

اس وقت کی اپنے دل کی دھڑکن اور بیقراری کا قلم سے ادا کرنا کس قدر ناممکن ہے،

آہ! اس وقت جو چیخ میرے دل سے نکلنا چاہتی تھی، وہ فلک ایک بار عرش کو بھی ہلا دیتی، لیکن جو کچھ دل پر گذر گئی، اُسے رفیق زندگی کے پاس عزت نے لب تک نہین آنے دیا،

آہ! اس خیال سے اور بھی دل کے ہزارون ٹکڑے ہوئے جاتے تھے کہ یہ جسم بے جان، جو مجھے اب بھی اپنی جان سے کہین زیادہ عزیز ہے، اور جس کو اس حالت مین بھی مین نے ۴۸ گھنٹے اپنے سے، سوا آخری غسل اور آخری لباس پہنانے کے، ایک منٹ بھی جدا نہین کیا، اُسے اب یہ لوگ مجھ سے جدا کرنے، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری نگاہوں سے پنہان کرنے کے لئے آئے ہین،

غرض یہان اُن کے مردانہ کے صحن مین جہان ایک رات پیشتر ہی سے اُن کیلئے

گھر بنا تیار تھا، اسی میں وہ جسمِ خاکی سپردِ خاک کر دیا گیا، انّا للہ وانّا الیہ راجعون ۰

ماحصل | فانی انسان میں جہاں بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں، وہاں اس میں چند کمزوریاں

بھی رہتی ہیں، لیکن ایک انسان کی بہت سی اچھائیاں اس کے عیبوں کو ڈھانک لیتی ہیں

بے شک، وہ بھی فرشتہ نہیں تھے، مگر فرشتہ صفت ضرور تھے،

بہرحال اس کا تعلق جہاں تک نفس الامر سے ہے، لائق عزت و احترام ہے،

لیکن جہاں تک میرے قلم سے ہے، ان چند ناچیز سطروں کو اس دعا پر ختم کرتی ہوں ۔

"او خدا! انسانی کمزوریوں کا صدقہ، ہر شریف اور پاکدامن بیوہ کی حفاظت

دنیا بری جگہ ہے، لیکن تو اس کے اخلاق و خصائل کو اس قدر مستحکم کر سکتا ہے، کہ وہ

اپنے رفیقِ زندگی کے بعد بھی اُس کی لائقِ پرستش عزت پر قربان ہو سکے، اور اسکی

آنکھیں اُس غیر فانی روح سے اور تجھ سے کبھی نیچی نہ ہوں، اور جب وقت آجائے

وہ سرخروئی کے ساتھ تیری حضوری کا شرف حاصل کر سکے، بس

یہ سینہ میں تا زندگانی رہے گا

ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

بسنت پور۔ گورکھپور

جون ۱۹۲۲ء

(سوگوار) مہدی بیگم

حکمائے یونان ایک سرسری نظر

نمبر (۱)

سقراط

(یہ مضمون فرضی نام سے شائع ہوا تھا)

یونان کے مشہور اور نامور حکما سے تھا، ایتھنس میں پیدا ہوا، یہ شہر کسی وقت میں یونان کا دار السلطنت تھا، اس میں یونیورسٹی بھی تھی، سقراط کا باپ ایک بت تراش تھا، آبائی پیشہ کی رعایت سے اس وحید عصر نے بھی سنگ تراشی میں مشق بہم پہنچائی مگر آخر میں اسے فلسفہ کی تحصیل کا شوق ہوا، چونکہ طبیعت میں قدرتی طور پر اعلیٰ درجہ کی صلاحیت موجود تھی، اس نے نہایت تیزی کے ساتھ فلسفہ کا اثر قبول کیا،

اوائل عمر میں باقتضائے آئین ملکی اسے فوج میں داخل ہونا پڑا، کئی لڑائیوں میں اس نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے، ذنوفن اور الیسی بایڈیز سے لائق شخصوں کی جان اسی نے بچائی، اسی وجہ سے ان دونوں کو بھی اس کے ساتھ بہت محبت تھی، ذنوفن فوج کا ایک سردار ہونے کے سوا صاحب تصنیف بھی تھا،

اس کی تصنیفات خاص پایہ کی ہین، الیسی باڈیز ایک امیر کا بیٹا تھا، یہ بہت ہی
حسین تھا، ایتھنس کی نوخیز لیڈیان چاہتی تھین کہ اپنے صاف شفاف سینہ کو اس کا
بستر بنائین، مگر الیسی باڈیز اُن کا فرادا ؤن کی طرف جن کے سینہ کا ابھار محض اسکے
خیر مقدم کے لیئے تھا بالکل متوجہ نہین ہوتا تھا، بادۂ شباب سے بھرے ہوے دو قدرتی
کنٹر جو آنکھون آنکھون مین پی جانے کی چیز تھے اس کے لیئے بالکل بے اثر تھے،
وہ جذب مقناطیسی کچھ کام نہ دے سکتا تھا، نہ وہ امنگین جن کو شباب ایک دوسرے
پیرایہ مین کسی کے چھپے ہوے لباس سے نمایان کرتا ہے، اور جو ہلکے باریک ڈوپٹہ
کی اوٹ مین مشکل حسن عریانی چھوڑ سکتی ہین، الیسی باڈیز کے ہاتھون سے ان کا
خون ہوتا رہتا تھا، اس کی بے پروائی کو دیکھتے ہوے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام
زمانہ کے عشاق کا عوض صرف مہوشانِ ایتھنس سے لینا چاہتا ہے جو اس پر ہزار
جان سے عاشق تھین اور چاہتی تھین کہ خود کو نذرِ شباب کر دین، کیونکہ ان کے
خیال مین الیسی باڈیز کے حُسن کا یہ ایک ادنی ٹیکس تھا، لیکن الیسی باڈیز کے سچے
اخلاق اس کو معصیت سے ہمیشہ علٰحدہ رکھتے تھے، ہر قسم کے اوصاف اس مین
کوٹ کوٹ کر بھرے تھے، حسنِ صورت کے ساتھ اعلٰی حسنِ سیرت سونے مین
سہاگے کا رتبہ رکھتا تھا، اس کا جادو سقراط پر بھی چل گیا اور وہ اسے پیار کرنے لگا
لڑائی سے فراغت کے بعد سقراط نے اپنی پہلی وضع تبدیل کر دی، کھانے
کپڑے مین سادگی برتی، فلسفیانہ تحریرین شائع کین، ہموطنون کو پابندیِ مذہب

کی تاکید کی، رفتہ رفتہ حکیمون کی ایک کثیر جماعت اس کے خیالات سے فائدہ اٹھانے لگی، پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری ہوا مختلف باغون اور دریا کے کنارے پر یہ اپنے شاگردون کو حکمت و فلسفہ کے نازک مسئلے سمجھایا کرتا، یہ طبیعت کا بہت آزاد تھا، اور انتہا درجہ کا خوش تقریر بھی، اس کی فلسفیانہ نکتہ سنجیان آخر مین اس کے ہموطنون کے لئے رشک وحسد کا باعث ہوئین، ایک شاعر نے اس کی ہجو لکھی جس کا منشا یہ تھا کہ سقراط نوجوانانِ ایتھنس کے اخلاق کو خراب کرتا ہے اور لڑکون کو سکھلاتا ہے کہ اپنے والدین کی اطاعت سے انحراف کرین، عدالت نے اسی بنا پر سقراط کو مجرم ٹھہرایا، تحقیقات کی گئی، نتیجہ اس کو صرف گردن زدنی ثابت کرتا تھا، یہ حراست مین لیا گیا، اس کے احباب نے رہائی کی بہتیری صورتین نکالین خود داروغہ جیل اس کے بھاگ جانے پر راضی ہوا، مگر سقراط کو جس وقت اس ارادے کی خبر دی گئی اس نے اختلاف کیا اور نہایت استقلال سے یہ بات کہی کہ "مین موت سے بھاگنا نہین چاہتا" جیل مین اُسے زہر کا پیالہ دیا گیا، اس نے بے تکلف اپنے ہونٹون سے لگا لیا اور اپنی جان دی!

سقراط کے خونِ ناحق سے اہلِ ایتھنس کو بعد مین سخت پشیمانی ہوئی، اور اس کے دشمنون کو نہایت ذلت کے ساتھ اپنی نالائقی کے خمیازے کھینچنے پڑے، سقراط کی سوانح عمری زنوفن اور افلاطون نامی اس کے شاگردون نے لکھی ہے، ان دونون نے اس کے اقوال کی علحدہ علحدہ ترتیب دی ہے، جو واقعی دیکھنے کے لائق ہین

سقراط نے شادی بھی کی تھی، اس کی بیوی بہت ہی بد مزاج تھی، سقراط کے ساتھ اس کے برتاؤ سخت تھے لیکن ہمیشہ اس سے نرمی کے ساتھ پیش آتا تھا، اس نے اپنی بیوی کی بدمزاجی سے فائدہ اٹھایا، اس کی کچی پکی سہہ لینے سے یہ انتہا درجہ کی برداشت کا خوگر ہو گیا، ۴۶۰ برس پیشتر حضرت عیسیٰ کے پیدا ہوا اور ۳۹۹ برس قبل وفات پائی،

سقراط کی رائے مین موجودہ وقت کو کسی آنے والے دن کی امید پر رائگان دینا بڑی غلطی ہے، وہ کسی چیز کا پس انداز کرنا اسی لئے ایک سرے سے فضول سمجھتا ہے، اکتسابِ علم کے لئے اس کے خیال مین کسی وقتِ خاص کی قید نہین، عمر کا ہر حصہ انسان کی معلومات کو ترقی دے سکتا ہے، اس کی رائے مین کتب بینی ہی ایک عیش ہے جو ہر شخص کا اختیاری امر ہے، وہ ایک جاہل کو واجب الرحم سمجھتا ہے، مگر اس سے بھی زیادہ اس شخص کی ہمدردی کرتا ہے جس کا مربی کوئی بد تہذیب اور تاریک خیال کا آدمی ہو، وہ کہتا ہے عالی ظرف کی پہچان یہ ہو کہ دشمن کے ساتھ بھی معزز برتاؤ ہون زیادہ سے زیادہ کوششین اس کی یہین تک محدود ہون کہ دشمن کی تکلیف دینے سے محفوظ رہ سکے، غیبت کرنے والون یا ایسے لوگون کو جن کو دوسرون کی برائی مین دلچسپی ہوتی ہے وہ شریف نہین سمجھتا، ان کے ساتھ انتہائی رعایت یہ ہے کہ ان کو کمینہ کہا جائے، آخر مین وہ ہر شخص کو اپنی کانشنس کی پیروی کی تاکید کرتا ہے، اس نے زور دے کر یہ بات

بتائی ہے کہ صرف اصلیت پر نظر ہونی چاہئے اس سے غرض نہین دوسرے کیا سمجھتے ہین، وہ عام مقبولیت کی خواہش کو ایک طرح کا جنون سمجھتا ہے،

ایک مقام پر اس نے بہت ہی چبھتی ہوئی بات لکھی ہے، کہتا ہے کہ "مین نہین سمجھتا، کیونکر لوگ عقل کی مخالفت کو جائز رکھتے ہین، کسی بات کی صحت پر ان کو یقین کامل ہوتا ہے تاہم وہ اس پر کاربند نہین ہوتے، شاید کوئی خارجی اثر وجہ مزاحمت ہو، مگر مین تو سمجھتا ہون، ان کے ارادہ ہی کا یہ نقص ہے، مجھے آج تک کوئی بات ایسی نہ ملی جس کی سچائی کا یقین ہوا ورنہ کر گذرا ہون، لوگ کچھ ہی سمجھا کرین، مجھے ان کی مخالفت کی قطعی پروا نہین اس لئے کہ مین ان کو داخل جمادات سمجھتا ہون"

"تمدنِ عرب"[۱]

پر
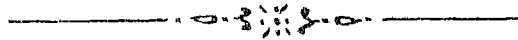
ایک کھُلی چٹھی

میرے پیارے ریاض! گورکھپور کے ایک دوست کے خط میں مَیں نے افسوس کے ساتھ دیکھا کہ ریاض الاخبار میں تمدنِ عرب کی نسبت جو نوٹ لکھا گیا تھا، اس سے وہان کے لوگ بدظن ہو گئے ہین، وہ استصواباً مجھسے دریافت کرتے ہین کہ "ریاض کا ریمارک کہان تک صحیح ہے"۔

مجھکو نہایت افسوس ہے کہ آپ کا نوٹ اس وقت میرے پیش نظر نہین ہے لیکن جہانتک یاد آتا ہے آپ نے کسی اخبار کے حوالہ سے جو لکھا تھا، اسکی تفصیل غالباً یہ ہے، (۱) شمس العلما مسٹر سید علی بلگرامی نے تمدن عرب مین حیدرآباد کی پالٹکس پر حملہ کیا اور یہ امر اس تعلق کے لحاظ سے، جو ممدوح کو ریاست سے ہے کسی قدر ناموزون تھا، (۲) اسی ضمن مین ترجمہ یا ترجمہ کی زبان کی بھی شکایت تھی، جو آپنے

۱ تصنیف مولینا سید علی بلگرامی

کسی ہمعصر کے حوالہ سے لکھی تھی،

تمدنِ عرب کے صفحے میرے سامنے ہین، اور مین حیرت مین ہون کہ باوصف کوشش الزام اوّل کا کوئی ماخذ اس وقت تک نہ ل سکا، مجھے خوف ہے آپنے جو کچھ لکھا محض ایمان بالغیب کی حیثیت سے تھا، کیونکہ باوصف اس اعزاز کے جس کے آپ مستحق ہین مین مجبوراً اس خیال کی طرف مائل ہون کہ آپنے بنفسِ نفیس کتاب کے کسی حصہ کے دیکھنے کی تکلیف نہ اٹھائی ہوگی، اس لئے آپ کی طرف سے کسی راے کا اظہار محض کسی غیر وقیع ہمعصر کی لغزشِ خیال کی پیروی تھی جو آپکے لئے "ہوے بس است" سے زیادہ گئی گذری ثابت ہوئی،

جس امر کا الزامی حیثیت سے ابتدائً کسی پرچہ نے نوٹس لیا، اور باتباعِ سنت آپ نے بھی اظہارِ خیال کی ٹھہرادی، وہ اس سے زیادہ نہین ہے کہ مترجم نے دیباچہ مین جہان ترجمہ کی مشکلات کا ذکر کیا ہے، کسی فروگذاشت کے لئے اس بنا پر چشم پوشی کی خواہش کی ہے کہ ایک دیسی ریاست کے ملازمون کے لئے جہان آئے دن کی دربارداریون اور انقلابات سے فرصت نہین ملتی، اپنے فرائضِ منصبی کے علاوہ بہت مشکل ہے کہ وہ اتنی بڑی ضخیم تالیف کے بار سے تھوڑی سی مدت مین بوجہ احسن سبکدوش ہوسکے، یہ ہے اصلیت اس الزام کی جس کو مین زیادہ سے زیادہ صرف "ہوشیانہ گریز" کہون گا،

زبان کی نسبت آپ سے زیادہ کوئی نہین جانتا کہ اردو اس ابتدائی حالت مین

نہین ہے عجب شعرا کا ایک خاص فرقہ (جن کو مین نہین جانتا ناظم کہہ سکتا ہون یا نہین) جن کے دل و دماغ کے نتائج انتہائی پروازِ فکر کے ساتھ بھی صرف دو مصرعون کی صنعت تک محدود ہوتے تھے، خود کو اردو کا مربی سمجھتا تھا، ایک شکمی زبان کے لئے جو کوئی مستقل حیثیت نہ رکھتی ہو، جس کا رسم خط آج تک ٹھیک نہ ہو، بدنصیبی سے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ زبان کے ساتھ خط کو کوئی مناسبت طبعی نہین ہے، یعنی زبان مین فطرۃً جو اصوات ہین ان کو یہ بخوبی ادا نہین کر سکتا، بالفاظ دیگر، ہر لکھا ہوا لفظ ایک خاص خیال کی تصویر ہے جس کی آواز کو اس کے اجزاے ترکیبی سے چندان تعلق نہین ہے، یعنی حرکات بالحروف کی جگہ صرف چند اختراعی علامات کی وجہ سے جو سمیا طیقی زبان کے خصائص ہین سے ہے، ہم اردو کو جو آرین خاندان سے ہے صحیح نہین پڑھ سکتے، اور اس لئے لازم سا ہے کہ کسی لفظ کے پڑھنے سے پہلے ہم اس کے مفہوم سے واقف ہون، ورنہ بے علمی مین صحیح تلفظ ناممکن ہوگا، غرض یہ کہ ایسی زبان کے لئے جس کا املا تک صحیح نہ ہو، متقدمین کی کوششین کسی حیثیت سے ہون، ہر طرح لائق ادب ہین لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے، ہم کو نزی تک بندیون کے سوا کچھ اور بھی کرنا ہوگا ۔

میرا خیال ہے کسی مفتوح قوم کے لئے اپنی قومی زبان کو ترقی دینا، صرف اس اصول پر ممکن ہے کہ زمانہ کی روز افزون ترقی کے لحاظ سے اس مین وہ وسعت پیدا کی جائے جو قوم فاتح کے لٹریچر، اور اس کی مختلف شاخون سے مل سکتی ہے

یعنی زبان کو علوم نظری اور فلسفہ کے اکثر نہین تو بعض اجزار سے مانوس کیا جائے اور
گو یہ ممکن نہین کہ ابتداءً علم کی اکثر شاخ مین متوازی ترقی ممکن ہو، تاہم بعض اجزا جن سے
قوم کے اکثر افراد کو فطرۃً یا اکتساباً مناسبت ہو، اس قابل ہین کہ وہ ہمارے ملکی لٹریچر
مین جذب کر لیے جائین جس سے اردو زبان بھی علمی حیثیت سے یورپ کی زبانون
سے ہم ردیف ہو، اس لئے ہماری کوششون کا رجحان طبعی جہان ہم علوم
جدیدہ کو اصلی زبانون سے حاصل کر سکتے ہین، ملک کے عام فوائد کے لحاظ سے
یہ بھی ہونا چاہیئے کہ یورپ کے فلسفہ کی کسی شاخ کو جو ترتیباً ہمارے لئے موزون
اور مفید ہو اپنی زبان مین وقتاً فوقتاً منتقل کرتے رہین، لیکن مین پہلے دیکھون گا
آیا ہم مین اتنی صلاحیت موجود ہے کہ ترجمہ کی حیثیت سے ہماری پیش دستیان
طفلانہ کوششون سے کچھ زیادہ وقیع ہون،

ترجمہ، اگر مین غلطی نہین کرتا، تو بعض حالتون مین کسی مستقل تصنیف سے زیادہ
مشکل ہے، جس کی غایت اصلی یہ ہوتی ہے کہ مصنف نے اپنی زبان مین جس طرح
اظہارِ خیال کیا ہے، مترجم بجنسہ ان خیالات کے سایہ مین اپنے الفاظ سے کام لے
لیکن زورِ بیان ہاتھ سے نہ جائے، اس پابندی اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ آپ دیکھین گے
کہ ہر زبان کے خصائصِ نوعی مختلف ہین، جس طرح ایک روزمرہ یا محاورہ، استعارہ
یا تلمیح مین ایک خیال کو ادا کر سکتے ہین، یہ ضرور نہین کہ دوسری زبان مین بھی اسی
قبیل کے الفاظ موجود ہون، اس سے بھی زیادہ مشکل اصطلاحات کی ہے، اصرف ایشیائی

یا یوروپین زبانون سے اگر ایک کا ترجمہ دوسری زبان مین ہو تو بہتیری اصطلاحات
بجنسہٖ یا کسی قدر تصرف کے ساتھ کارآمد ہو سکتی ہین، اور اکثر ایسی مشترک خصوصیات
ملین گی جن سے ترجمہ مین نہایت آسانی ہو گی لیکن یورپ کے فلسفہ کو اگر ہم ایشیائی
زبان مین لینا چاہین، تو ہماری دشواریون کی کوئی حد نہین رہتی، خاصکر اردو جو بجائے
خود مستقل زبان نہین ہے تاوقتیکہ عربی مصطلحات سے مدد نہ لی جائے علمی حیثیت
سے کسی ترجمہ کی کفیل نہین ہو سکتی یعنی ایک مترجم کے لئے اس کی ضرورت ہوگی
کہ جہان وہ مغربی زبانون اور علوم جدیدہ مین کافی دستگاہ رکھتا ہے، صرف اردو
کا ادیب نہ ہو، بلکہ اس کے اصلی ماخذ یعنی مشرقی علوم، بالتخصیص سنسکرت اور عربی کا پورا
عالم ہو، اس کے ساتھ ہی علم اللسان کی مونشگافیون سے پورا مذاق رکھتا ہو، مختلف
زبانون مین اصطلاحات یا الفاظ مرادف کے اشتقاق، ان کے استخراج اور خواص طبعی
سے واقف ہو، اس جامعیت کے ساتھ مین آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہون
ملک کے علم دوست حضرات کے لئے کسی علمی ترجمہ کا کفیل ہندوستان مین باستحقاق سید
علی بلگرامی کے سوا کون ہو سکتا ہے جو یورپ و ایشیا کی متعدد السنہ کے اکثر خاندانون
کا زبردست فاضل ہے،

ان مسلمات کے بعد جو تمہیداً بیان کئے گئے ہین مین تمدن عرب کو پیش کرنا
چاہتا ہون، جو میرے خیال مین تاریخی فلسفہ کا بہترین نمونہ ہے، اور مین اپنی اس رائے
مین غالباً منفرد نہین ہون کہ ترجمہ کے لحاظ سے لائق سے لائق شخص کا انتہائی تخیل

جو کچھ ہو سکتا ہے کتاب اس کی پوری تصویر مرئی ہے، افسوس ہے کہ میں اپنی مصروفیت سے اس قدر وقت نہیں پاتا کہ اپنے دعوی کی دلیل میں اقتباسات کو پیش کرسکوں یہ فرض ریویو نگار کا ہے جس کو غالبًا مولوی وحید الدین سلیم معارف میں تفصیل کیساتھ ادا کر چکے ہیں، میری غایت صرف یہ ہوگی کہ واقفی اور صاف کے ساتھ اس تالیف کی تقریب پبلک میں اس حیثیت سے کیجائے جس سے کسی غلط فہمی کا اگر قبل از وقت پیدا ہوگئی ہو استیصال ممکن ہو۔

بہرحال میرا دعوی یہ ہے کہ ترجمہ شستہ، رفتہ، صاف اور اس قدر لطیف ہے کہ مستقل کتاب کا دھوکا ہوتا ہے یعنی اصل مصنف کے خیالات یا مسائل تاریخی اس طرح مترجم کے دماغ میں پیوست معلوم ہوتے ہیں کہ وہ مجددًا اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں ان کو بے ساختہ ادا کرتا ہے، اور یہی وہ امتیازی حیثیت ہے جو لائق مترجم کو مؤلفین کی عام رفتار سے بہت آگے ڈال دیتی ہے، لطف یہ ہے کہ ساری کتاب میں کہیں سے پیچیدگی نہیں، تعقید نہیں، نازک سے نازک فلسفیانہ بحثیں معمولی روزمرہ جہاں تک ساتھ دے سکتا تھا، اس برجستگی کے ساتھ اردو قالب میں ڈھالی گئی ہیں، کہ دماغ پر زور ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی، نہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو کچھ اہتمام کرنا پڑا، غرض دقیق سے دقیق مطالب بھی اجنبیت یا غربت الفاظ کے تابع نہیں ہیں، مختصر یہ کہ تاریخی لٹریچر کے لئے جس اسٹائل یعنی خاص طرز تحریر کی ضرورت ہے، وہ ضرورت کامل احتیاط کے ساتھ پوری کیگئی ہے

اور سخت چھان بین کے بعد بھی کوئی رکیک امر ایسا نہین ملتا جو متانت تالیف سے گرا ہوا ہو، مین نہین جانتا اس سے زیادہ ہماری توقعات کیا ہو سکتی ہین،

مین امید کرتا ہون کہ میرے مخاطب صحیح وہ لوگ نہین ہین جو تمدن عرب مین وہ زبان ڈھونڈھتے ہین جو شوق یا قلق کی مثنویون مین لکھی گئی ہے، یہ جاہلانہ گروہ سرے سے لائق التفات ہی نہین ہے، سچ یہ ہے کہ تاریخی فلسفہ کے لئے جس طرز تحریر کی ضرورت ہے، وہ خود ایک مستقل اسٹایل ہے، جس کی اولیت کا فخر شبلی، اور سید علی کے حصہ مین رہیگا، جو حضرات اپنی لکیر پیٹے جاتے ہین، ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ "عمارت کی ترمیم ہو گی، یا عمارت خود نہ ہو گی"

مختصر یہ کہ میری راے کا میلان طبعی یہ ہے کہ اردو زبان مین ایک قیمتی اضافہ کی حیثیت سے یہ کتاب مفروضہ نقائص کے ساتھ بھی اس لائق ہی کہ انیسوین صدی کے معظمات الامور مین محسوب ہو، بالتخصیص نفس مضمون کے لحاظ سے جو نہایت اہم اور قابل غور ہے، لیکن کم سے کم نصف صدی کے بعد شاید یہ مذاق پیدا ہو گا کہ ہم اس قسم کی تالیف سے مانوس ہو سکین جو میرے خیال مین بہیئت مجموعی اس قدر دقت نظر چاہتی ہے کہ مین مایوس ہون، آیا ایک کم سواد شخص جس کا سرمایۂ ناز صرف اردو کی زبان دانی ہو، اس کی نگاہ ان فلسفیانہ نکات تک پہنچ سکتی ہی جو ترجمہ کے اجزا کیمیائی ہین ان جزئیات کی تفصیل کے سلسلہ مین غالباً مین اس لائق ہو گیا ہون کہ اختلافی مسئلہ مین ایک کافی حد تک آپ ہم سے اتفاق رائے کے لئے آمادہ ہو جائین یعنی جس طرح

ترجمہ کی ذمہ داریان نہایت سخت ہین، آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ صرف سید علی ہی اپنے عالمانہ اوصاف کے ساتھ ایسے ضخیم ترجمہ کا کفیل ہو سکتا تھا، اور اس لئے یہ سخت ناشکری ہوگی کہ اس کی قابل قدر کوششون کا فیاضانہ اعتراف نہ کیا جائے،

میرا خیال ہے کہ آپنے نہایت بے پروائی سے ایک غلط رائے کی پیروی کی لائق مترجم کی حق تلفی کے سوا یہ ایک شرمناک لغزش تھی کہ ایک ذمہ دار ایڈیٹر کا قلم ذاتی تحقیق سے کوئی لگاؤ نہین رکھتا جس سے پبلک کو غالبًا اخلاقی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو سکتا ہے، مین نے آپ کی ذمہ داریون کے لحاظ سے کسی قدر سختی سے آپ کو ٹوکا ہی، مگر یہ پیرایہ خود آپکے اعزاز کی تائید مین ہے، جس کے لئے مین امید کرتا ہون کہ آپ مجھے معاف فرمائینگے

مین نے قصدًا ایسے امور نظر انداز کر دیئے ہین جن سے انسانی تصنیف خالی نہین ہو سکتی کسی آیندہ موقع پر "تصویر کا رخ تیرگون" بھی دکھلاؤن گا، سر دست مین نے صرف کتاب کی تقریب پر قناعت کی ہے، کیونکہ میرا خیال ہی بہیئت مجموعی یہ ترجمہ ایک نہایت عظیم الشان کوشش ہے،

اگر آپ پسند فرمائینگے تو مین اپنی دوسری چٹھی مین تاریخی فلسفہ اس کے موضوع اور اسکی ضرورت سے بحث کرونگا، اور دکھاؤنگا کہ یورپ کے تمام سرمایۂ تاریخی مین جو اقوام دنیا سے متعلق ہین اصل تصنیف (یعنی ماخذ تمدن عرب) کس پایہ کی ہی جس سے میرے احباب اندازہ کر سکین گے کہ تاریخ عالم کے سلسلہ مین مسلمان فلسفیانہ اور تمدنی حیثیت سے نسبتًہ کس درجہ پر ہین، ایشیا کے لئے یہ بالکل ایک جدید بحث ہی جس کیلئے ہم کو یورپ کا بہت ممنون ہونا چاہئے،

تمدن عرب

اور

پروفیسر شبلی

فاضل پروفیسر نے اپنی ایک جدید تالیف ہدیہ کی حیثیت سے سلسلۂ آصفیہ کی فہرست میں داخل کی ہے، اور سلسلۂ آصفیہ کی تقریب ان الفاظ میں کی ہے،

"ہمارے معزز و محترم دوست شمس العلماء مولنا سید علی بلگرامی بجمیع القابہ" کو تمام ہندوستان جانتا ہے، وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے زبان دان ہیں، اسی طرح بہت بڑے علم دوست، اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مربی و سرپرست ہیں، اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انھوں نے نواب سر وقار الامراء بہادر کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ ہز ہائینس نظام کے سایۂ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے، جو سلسلۂ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو، اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں، وہ اس سلسلہ میں داخل کیجائیں" سر وقار الامراء کو علوم و فنون کی

ترویج و اشاعت میں جو التفات و توجہ رہی اور جس کی بہت سی محسوس یادگارین اس وقت موجود ہین، اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا، چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے، اور ہمارے شمس العلماً کی کتاب "تمدن عرب" اسی سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے،

تمدن عرب اور اس کے مترجم کی نسبت یہ اس شخص کی رائے ہے جو باعتبار وسیع النظری، اور مذاقِ تالیف، یورپ کے کسی مورخ سے پیچھے نہین ہے اور ملک مین مورخانہ عظمت کے لحاظ سے غالبًا معلم اوّل سمجھا جاتا ہے،

یہ حسن اتفاق ہے کہ گذشتہ اشاعت کے سلسلہ مین تائیدًا مجھ کو ایک نے بروست رائے پیش کرنے کا موقع ملا، جو یقینی اکثر شائقین کے تاریخی مذاق کو ابھارے گی، یہ اقتباس اس حیثیت سے "عین وقت کی چیز" ہے، کہ جو لوگ تمدن عرب سی کتاب کا (جس کے تاریخی اجزا کم و بیش ہزار صفحون پر قابض ہین) بلحاظ فن کوئی صحیح اندازہ کرنے سے معذور ہین، کسی حد تک ان کے خیالات پر اس سے روشنی پڑے گی، اور وہ غیر طبعی سکون جو علمی دلچسپیون کی طرف سے دیسی طبائع مین عمومًا پایا جاتا ہے، آئے دن کی چھیڑ چھاڑ سے غالبًا تحریک مین آئے گا،

اگر یہ ہوا تو مین سمجھون گا کہ مجھ کو اپنی نیابت مین امید سے زیادہ کامیابی ہوئی کیونکہ دراصل مقصود بالذات صرف یہی ہے، ورنہ کسی تالیف یا مولّف کا کوئی ہو نقیب بننا بنانا منظور نہین، ملک کے اچھے لکھنے والے میرے آپکے اعتراف سے

جو شاید "تحسین ناسپاس" سے کچھ ہی بڑھ کر ہے، عموماً بے نیاز ہوتے ہین، وقت اور مذاقِ صحیح آپ اُن کے نتائجِ افکار کی قدر کرائے گا،

پروفیسر شبلی کی تالیفِ موعود (الفاروق) جس کا ذکر ضمناً آگیا، اور جس پر یاضِ خیال مین ایک نوٹ دیا گیا ہے، نہایت خوشی کی بات ہے کہ شائع ہوگئی، اور برسون کے بعد حالتِ منتظرہ رفع ہوئی، یہ گوہرِ شب چراغ، اسی قیمتی سلک (سلسلۂ آصفیہ) کا ایک خوش آب موتی ہے، جس مین تمدنِ عرب کے اجزا، پروئے گئے ہین، غالباً یہ عمرون کی کمائی ہے، بڑی کاوش و اہتمام سے سالہا سال کی مورخانہ تلاش اور تدقیق کے بعد نامورانِ اسلام کے سلسلہ مین خلیفۂ دوم (حضرت عمرؓ) کی لائف پر یہ ضخیم تالیف تیار کی گئی ہے، مورخ نے محض تحقیقِ واقعات کے لئے ممالکِ غیر یعنی ٹرکی و مصر وغیرہ کے مصائبِ سفر برداشت کئے، سیکڑون قدیم و نایاب تاریخون کے ہزارون ورق الٹنے پڑے، اور جہان تک دسترس تھا، اصلی ماخذ کی چھان بین مین یورپ کا تاریخی سرمایہ بھی بچنے نہین پایا،

غرضکہ معلومات کا جو ذخیرہ جمع کیا گیا ہے وہ میرے خیال مین تاریخ فاروقی کے مہاتِ مسائل ہین، جن کی نسبت یہ عام دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ کسی زبان مین اس قدر مواد یکجا نہین مل سکتا،

ایسی بے نظیر تالیف چاہتی ہے کہ مستقلاً ایک تفصیلی نظر اس پر ڈالی جائے مگر یہ لائق لوگون کا کام ہے، اور جس طرح ایک چلتا ہوا شاعر اورون کی طبع آزمائی

کے بعد قلم اٹھانا پسند کرتا ہے، میری خواہش ہے ذرا بڑے لوگ کچھ لکھ لین پھر دیکھونگا
مگر مشکل یہ ہے کہ آج جن کے قلم کا لوہا مانا جاتا ہے، وہ ہمعصرانہ کوششوں کے اعتراف
مین عموماً ممسک ہوتے ہین، اور صرف اس لئے کھل کر کسی چیز کی داد نہین دیتے
کہ وہ ان کے دماغ کی پیداوار نہین ہے، حالانکہ یہ قابلِ افسوس اخلاقی کمزوری ہے،

یہ چند سطرین جہانتک الفاروق کا تعلق ہے، صرف اشتہاری حیثیت سے
ہین، امید ہے، ملک عام طور پر دستِ شوق بڑھائے گا، محض شبلی کا نام کافی
ضمانت ہے،

میری پہلی نظر بوجوہ، اپنے پیارے دوست ڈاکٹر ابوظفر پر پڑتی ہے، جو
غالباً کتابی اوراق کو کرنسی نوٹ کے کاغذ سے قیمتی سمجھتے ہین، کتاب بھی ایک مادی
چیز ہے، مگر بہ تبدیلِ ہیئت،

روشن خیال شیخ محمد کے ہوتے گورکھپور کی بدنصیبی ہوگی، اگر گیلنن لائبریری
کے آغوش مین سلسلۂ آصفیہ کے یہ قیمتی نمونے (تمدنِ عرب و الفاروق) بیٹھ
پیٹیں نہ ہوئے،

علامہ نذیر احمد ایل ایل ڈی

اور

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

ملک کے اس فاضل اور نہایت زبردست ادیب کو ہم نے شروع اس حیثیت سے جانا پہچانا کہ چند کتابیں عورتوں کے فوائد اور عام واقفیت کے لیئے اُن کے قلم کے سایہ میں نکلیں، رفتہ رفتہ یہ سوسائٹی کے نمایاں نقائص کی طرف متوجہ ہوئے، اور ایک سلسلہ مفید تر تصنیفات کا شائع ہوتا رہا، جیسے ملک نے ہاتھوں ہاتھ لیا، "رویا صادقہ" جو اس سلسلہ کی سب سے پچھلی کتاب ہے، بالتخصیص لائق ذکر ہے "

تاہم بہیئت مجموعی اس درمیان میں یہ زیادہ سے زیادہ ناولسٹ رہے، لیکن جس زمانہ سے ان کے لیکچر شروع ہوئے، ان کی غیر معمولی قابلیتوں کے جوہر بتدریج کھلنے لگے، ناولوں کی بنیاد چونکہ اسلامی اخلاق پر رکھی گئی تھی، اس لیئے وہاں بھی سنجیدگی کی کمی نہیں تھی، مگر لیکچروں نے بتایا کہ ان کی متانت تصنیف سنجیدہ تر امراض علمی کے لیئے زیادہ تر موزوں تھی، اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ اپنے مثل

قدرتِ بیان، وسیع ذخیرۂ الفاظ، اور وہ تصرفات جو جدتِ خیال اور ظریفانہ نکتہ سنجیوں
کے لحاظ سے صرف اس شخص کا حصہ ہین، لٹریچر کی جان ہین، اس پر اضافہ کیجئے اردو
سی کم مایہ زبان کا ایسے شریفانہ قالب مین ڈھلنا جس پر کلاسکس کا دھوکا ہو، ان کو
فادر آف اُردو مان لینے سے پہلے تسلیم کرنا ہوگا، کہ مشرقی لٹریچر (عربی، فارسی) ان کے
لئے زبانِ غیر نہین، اور جب ماخذ پر اس قدر عبور ہے تو اردو تو صرف اپنی چیز ہے
لیکن باوصف ان کے وسیع عالمانہ اوصاف کے جو ایک حد تک ان کے ہمعصرون
کو مرعوب کرنے والے ہین، مین آج تک یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ ان کی فطری قابلیت
اور اعلی مذاق سنجی کی آزمایش کا بہترین پیرایہ کیا ہوسکتا ہے جس طرح یہ پرانے ناولسٹ
اور نئے لکچرار ہین، ممکن ہے کہ لٹریچر کی کسی صنف مین جو اس سے بھی زیادہ اہم ہو یہ
کوئی بڑا کام کرسکین،

بےشک ترجمۂ قرآن ایک اہم باشان کوشش ہے جس کے لئے آیندہ نسلین
بھی ان کی ممنون ہون گی، تاہم مین نہین جانتا ان سے کیا چاہتا ہون، غالباً کوئی
مستقل سلسلۂ تصنیف جس مین گہرا، اعلی، اور فلسفیانہ رنگ ہو، تاریخ شبلی کے حصہ مین
رہی، یا گرفی حالی لے بیٹھے، اور دونون حضرات سچ یہ ہے کہ اپنا پوزیشن قائم
رکھنا خوب جانتے ہین،

یہ کچھ نہ کرتے، آنحضرت (صلعم) کی ضخیم لائف لکھ دیتے، تو زبان اور خیالات
دونون کا حق ادا ہو جاتا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ طرزِ تحریر کے لحاظ سے بیسوین صدی

کی تالیف ہو، بعض لوگون کو، غالب کی طرح ان کی مشکل پسندی کا رونا ہے، اور وہ
پیوند کاریان، جو ان کی شستہ و رفتہ اور برجستہ اردو مین ہوتی رہتی ہین، جس مین
انگریزی زیادہ بے جوڑ ہوتی ہے، عام خیال ہے کہ ثقل سے خالی نہین ہین، لیکن انصاف
یہ ہے کہ یہ سب ان کی جدت اور اختراع، اور قوتِ آخذہ کا زور ہے، آمد کی رو مین
اضطراری طور پر اپنے پرائے کی تفریق نہین ہو سکتی، اور یہی وجہ ہے کہ بعض حصے بلحاظ
ترکیب و تحلیل اجزاے السنۂ غیر، گنگا جمنی ہوتے ہین، تاہم متانت اور حسنِ کلام سے
کبھی علٰحدہ نہین ہوتے، جو ان کے کلاسکل لٹریچر کا خاصۂ طبعی ہے، نہ ان کے اچھوتے
اور مستقل اسٹائل پر کوئی اثر پڑتا ہے، جو شارعِ عام سے بعید، اور آپ اپنی نظیر ہے، جو
باتین اوروں کے ہان بیگانی ہین، ان کی بے ساختگی اور برجستگی خیال کے ساتھ
سلسلۂ بیان مین اس طرح جذب ہو جاتی ہین، کہ مغایرت یا اجنبیت کا احساس تک
نہین ہوتا، پھر بھی جہان تک اس حیثیت سے اعتراض کی گنجایش ہے، ادب چاہتا
ہے ایسے نکتہ چینیون سے ان کا کمال ہمیشہ بے نیاز رہیگا،

ہان ان لیکچرون کے متعلق ایک بات کھٹکتی ہے، یہ مجموعہ، جہانتک اسلام
اور تعلیم کا تعلق ہے، ایک زبردست سرمایۂ علمی ہے، اور اس لائق کہ قوم کے
لکھے پڑھے لوگ اسے پیشِ نظر رکھین، اسلام کے اصلی مشن یعنی توحید کو حشو و زوائد
سے علٰحدہ کرکے اس کی اصلی وسعت مین اس خوبصورتی سے پیش کرنا، جو فسانۂ دلچسپ
کی حیثیت رکھتا ہو، اور جس سے بہتر کوئی پیرایہ خیال مین نہین آسکتا، لیکچرار کی معرکہ الآرا

کامیابی ہے، مگر عموماً ان کے لیکچر کوئی مستقل عنوان نہین رکھتے، جس سے یہ اندازہ
کرنا ممکن ہو کہ کہان تک نفس مضمون کی حیثیت سے یہ خارج از موضوع یا حدودِ مقررہ
کے اندر ہے، جس طرح پڑھنے والے کو کچھ معلوم نہین ہوتا کہ کسی خاص موضوع پر وہ
کچھ دیکھ رہا ہے، لکھنے والے کی بھی کوئی غایت صریحی معلوم نہین ہوتی، ایسی حالت
مین ان کا ہر لیکچر، اگر مین غلطی نہین کرتا تو خود روپیارکس کا مجموعہ ہے جس مین مقصود
بالذات، صرف قوم کی حالت، یا اس کی ضروری اغراض پر کچھ کہہ سُن دینا ہوتا ہے،
یہ نہین کہا جا سکتا کہ ان کی طبیعت مین استطاعتِ فطری، یعنی صلاحیت
نہین ہے کہ خیالات کو کسی خاص عنوان کا پابند کر سکین، ان کا مرتبہ انشا پردازی
چاہتا ہے کہ ہم مان لین کہ یہ قصور صرف زورِ بیان کا ہے جو اظہارِ فصاحت مین
کسی چیز کا محکوم نہین ہوتا، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اکثر ٹو دی پوائنٹ نہین ہوتے،
اس خاصہ نے ان لکچرون کی وقعت کو کسی قدر نقصان پہنچایا ہے جو اپنی خصائص
نوعی کے ساتھ بھی اتنے اہم ہین کہ آج قوم کا خدا سے نثر لٹریری دنیا مین جہان تک
کہ پاکیزہ اور سلجھے ہوے خیالات کے ساتھ بے مثل فصیح البیانی اور وسیع انشا پردازی
کا تعلق ہے، اپنے معاصرین سے علانیہ ممتاز ہے، مگر یہ کمال جس کا حصہ غالب اکتسابی
نہین، بلکہ وہبی ہے، ان کے دل و دماغ کے نتائج کو اور زیادہ ابھار کر دکھاتا،
اگر متفرق عنوانون کے تحت مین تمام ضروری امور وقتاً فوقتاً زیر بحث رہتے جن کا
تعلق ہماری مذہبی، اخلاقی اور دماغی تہذیب و تربیت سے ہے، اور وہ مسائل

جن کی موجودہ سوسائٹی کو بوجوہ سخت ضرورت تھی، ایک ایک کر کے طے کرتے ہیے
جاتے، جن مین من حیث الموضوع، اتنی جامعیت ہوتی تھی کہ ہر مضمون ایک قول فیصل ہوتا
میری یہ توقعات مصنف کے درجہ کے لحاظ سے زائد از استحقاق نہین ہین،
دہلی سوسائٹی کے نقائص اور فطرت انسانی کے وہ دقیق راز جو بسبب نہایت
ظہور کے، عام نگاہون سے پوشیدہ ہین، فاضل ادیب کی نگاہ جیسی گہری ان پر پڑتی
ہے، تقلیداً بھی اورون سے ممکن نہین، ثبوت کے لئے دیکھئے "رویائے صادقہ"
کا وہ حصہ جہان دہلی کی سوسائٹی کا خاکہ کھینچا ہے، میرے خیال مین دو سطرین
بھی اس سے بہتر نہین لکھی جا سکتین، یہ ایک سرسری نمونہ ہے ان قیمتی آثار کا جو
قریب قریب ان کے ہر حصہ تصنیف مین مل سکتے ہین، بہرحال کثرت سے مختلف
عنوانون پر لکھنا ایک ضرورت ہے جس کی رعایت اگر نہ کی گئی تو باوصف صنائع
لفظی و معنوی، اور فاضلانہ تراش خراش، یعنی غایت نکتہ سنجی کے جو بہیئت مجموعی
لیکچرون کی روح روان ہے، یہ مجموعہ من حیث الفن لیکچرار کے مرتبہ کمال کو دیکھتے
گرا ہوا رہیگا، پچھلے لیکچرون کو دیکھئے، کثرت تعداد اور ایک ہی قسم کے خیالات
باختلاف الفاظ ملین گے، اور گو ظرافت اور طباعی ان مجموعۂ الفاظ مین ہمیشہ تصرف
کرتی رہتی ہے، جو بار بار ایک ہی موضوع پر کئے گئے ہین، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ
مشکل سے ان کی نثر کا کوئی حصہ بار ہوتا ہے، لیکن نرے الفاظ کتنے ہی خوشگوار
لباس مین ہون، نفس مضمون کی سستی اور ہم طرحی کی کہان تک تلافی کر سکین گے

اس ضمن مین مجھ کو بالتخصیص ان سے جو شکایت ہے، یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کی برکات یعنی اُن فوائد کے ذیل مین جو ملک کو پہنچتے ہین، یہ عادۃً قریب قریب ہر لیکچر مین جن اہم چیزون کا ذکر کرتے ہین، وہ سوئی، پیچک، دیاسلائی، اور چاقو وغیرہ وغیرہ بھی سب ہوتی ہین جو ادنیٰ درجے کے بساطیون کے مقابلہ مین ان کے ہان زیادہ سستی ہین، یا تو ان چیزون سے اتنی مساوات ہوگئی ہے کہ انیسوین صدی کی ایجادات مین انھین سرفہرست دیکھنے کو جی نہین چاہتا یا واقعی یہ ہے کہ ان کی انشا پردازی ان چیزون کے نامون سے ہم سطح نہین ہوسکتی، بہرحال کثرت تو ناگوار گذرتا ہے، نظر ثانی مین یہ حصہ نکال دیا جاتا تو اچھا تھا،

اس کا بھی افسوس ہے کہ ان کے لیکچر اب زیادہ سے زیادہ ترجمۂ قرآن کے اشتہار ہوتے ہین، پھیکے، بے لطف، جن مین نسبتہً کوئی جدت نہین، دلچسپی نہین، خیال کے ساتھ الفاظ کا ذخیرہ بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ختم ہو چلا، حالانکہ ہمارا آخری سہارا یہی تھا کہ مختلف موقعون پر جو کچھ ان کی زبان و قلم سے نکل جائے ہمارے لئے پھر بھی ایک چیز ہوگا، مین نے نہایت غور سے یہ بات پیدا کی ہے کہ جس طرح ناولون مین رعایت فن پر اپنی قادر الکلامی کی وجہ سے بے تکلف اظہار خیال کرسکتے ہین لٹریچر کے وہ اجزا جن کا موضوع زیادہ اہم اور سنجیدہ ہے، (مثلاً تاریخ وغیرہ) جن مین وسعت نظر کے ساتھ تحقیق و تنقید قوت استقرار، تفریع مسائل، حسن ترتیب اور غیر منقطع انضباط خیال کی ضرورت ہے، یہ قصداً اس طرف نہین آتے، یہ وہی

آزادی ہے جس کا اثر لیکچروں پر دکھایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی طرف
سے کسی ضخیم تالیف کے فوائد سے جو ان کی مستثنیٰ قابلیت کے دیکھتے ہوئے ہمارا
انتہائی تخیل ہو سکتی ہو آج تک محروم رہے،

7. حدیث و تفسیر میں ان کی وسیع النظری جس کا لوہا مانا جاتا ہے میں نہیں جانتا
اس وقت تک کارآمد ہو سکتی ہے، جب تک مذہبی تحقیقات کی بنیاد جدید علم
کلام، یعنی انیسویں صدی کے سائنس پر نہ رکھی جائے لیکن ان کے لائق رشک
دل و دماغ کا جو مصرف میں نے سوچا ہے اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا،
میں نے اُن کی موجودہ تصنیفات کو ان کے مرتبہ کمال کے مقابلہ میں اگر غیر کافی
سمجھا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ آج جتنی عظمت ان کی میرے دل میں ہے میں
خود اس کے صحیح اندازہ سے قاصر ہوں، جب تک شمس العلماء تھے خیر ایک بات
تھی، اب ڈاکٹر ہوئے، اور کسی طرح معمولی میں نہیں آتے، تصنیفات میں بھی لازماً
حکیمانہ رنگ ہونا چاہئیے، اس لئے نہایت مناسب ہوگا، اگر یہ اردو میں "قاموس
الاسلام" لکھ ڈالیں، میری مراد ایک ایسے مجموعۂ لغات سے ہے کہ جس میں تمام الفاظ
و اصطلاحات جو اسلام سے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی، یعنی کسی حیثیت سے کوئی تعلق
رکھتے ہوں، بہ ترتیب حروف جمع کر دیئے جائیں، اور ہر لفظ کے مقابلہ میں داد تحقیق
دی جائے، معمولی لغات میں ہم کو صرف مادہ الفاظ، لغوی اور اصطلاحی مفہوم، روزمرہ
اور محاورہ، یا اسی طرح کے اور سرسری امور سے غرض ہوتی ہے، مگر سائیکلوپیڈیا میں

مصطلحات ایک مستقل حیثیت رکھتے ہین، ہر لفظ کی گویا ایک مختصر سی تاریخ لکھنی ہوگی، اور بلحاظ نوعیت جس قسم کی معلومات درکار ہون گی بحث کا کوئی پہلو چھوٹنے نہین پائیگا طرز تحقیق جہان نری زباندانی سے کام نہ چلے کہین مورخانہ ہوگا کہین محدثانہ اور کہین دونون پہلوؤن سے الگ عالمانہ اور مجتہدانہ روش ہوگی، جو امور تاریخ سے متعلق ہین ان مین وہ شہادتین کافی ہونگی جو عام مورخین کے نزدیک مسلّم اور متفق علیہ ہین، جو مسئلہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اس مین زیادہ تر تدقیق کرنی ہوگی اور تمام پرانے اصولون سے کام لینا ہوگا جو محدثین نے اخبار وروایت کی تنقید کے لئے قرار دیئے ہین، مگر تحقیقات کے سلسلہ مین وہ الفاظ و اصطلاحات جن کے تحت مین روایات ضعیف اور دور از کار قصے قدیم تفسیرون مین بھرے ہوئے ہین ان کی تدقیق قطعاً اصول عقلی اور لاآف نیچر سے کرنی ہوگی ورنہ یہ تالیف اپنی مخصوص صفات کے ساتھ بھی ایک مجموعۂ بے کیف یا تقویم پارینہ سے کچھ ہی بڑھکر رہیگی اور یہ منظور نہین،

صائب الرائے مصنف کا اسلامی علوم یعنی قرآن، حدیث، فقہ، مغازی، مذاہب سلف، لغت، قیاس وغیرہ مین اندازہ کافی دستگاہ رکھنا، ایک کھلا ہوا راز ہے، جس پر کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہین، اس پر ان کی غیر معمولی ذہانت بلکہ استخراج اور تدین و استدلال کی وقعت کو بڑھائے تو جامعیت کا دائرہ بوجہ احسن پورا ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ میری خاطر سے مان لیجئے کہ منتشر معلومات کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہوتا ہے جو کسی خاص سلسلہ مین مدوّن نہین ہوسکتا اور عموماً بے کار ہو جاتا ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ میرے مخاطب صحیح کو ابتدائی درس و تدریس کے زمانہ سے آج تک جب وہ ایک گران پایہ مصنف اور لیکچرار کا درجہ

رکھتے ہین، بہتیرے نہایت دلچسپ مواقع تحقیق پیش آتے ہون گے جن کے نتایج ان کے سینہ مین کچھ مقفل ہین، کچھ تلف ہوگئے، میرے خیال مین صرف پیش کردہ تالیف مین یہ وسعت و استعداد ہے کہ وہ ان کے عمیق جذبات اور مخفی قابلیتون کو ہیجان مین لائے جس سے دفینہ غیر محسوس یعنی معلومات متفرق کا ہیولی مجموعی یعنی کتابی صورت پیدا کر سکے،

مختصر یہ کہ اس تقریب سے ایک بیش بہا مجموعہ تیار ہو جائے گا، اور ایک ایسی ضرورت رفع ہو جائے گی جس کی علامۂ نذیر احمد کے ہوتے کسی اور سے امید کرنا ان کی حق تلفی کرنی ہے، یہ لٹریچر کے گران وزن حقوق سے سبکدوش ہو جاوین گے اور ملک و قوم کو جو فائدہ پہنچے گا، وہ متعدی اور متوارث ہوگا،

قوم کے نوجوانون کے لئے جہان دماغی اور عقلی ترقیون کی آجکل کوئی حد نہین ہے مذہبی عنصر جو قومیت کی روح ہے قریب قریب فنا ہوتا جاتا ہے، اور ایک وقت آئے گا جب انتہا ئے مغربی خیالات کے ساتھ ہماری نئی پود ہ معمولی مذہبی الفاظ سے ناآشنا ہوگی، جو اسلام کی حق تلفی کا بدترین پیرایہ ہے،

اگر سویلیزیشن اور سائنٹفک ترقیات کے ساتھ بھی بقائے مذہب کی ضرورت ہے تو مین بلاخوف تردید کہہ سکتا ہون کہ سب سے پہلے جدید نسلون کے ہاتھ مین ایک ایسی تالیف دینی ہوگی جو جامع معقول و منقول ہو، اور جس مین اسلام کے اصول و فروع پر حصول اطلاعات کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہو جو انھین آیندہ صدیون مین واقفیت عامہ کے لحاظ سے ہمارا بہترین رہنمائے مذہب ہو سکے، گو اس تالیف کی نسبت یہ دعویٰ نہین کیا جا سکتا کہ

عام پسند ہوگی، بالفاظ غیر امید نہین کہ مولف کو مالی حیثیت سے کافی معاوضہ مل جائے
لیکن میرے خیال مین بہ لحاظ اس شریفانہ غایت کے جو تالیف کا مقصود ہی اس حیثیت
سے قطع نظر کر لینی چاہیئے، اس کا خاص پسند ہونا بجائے خود ایک قیمتی صلہ ہی جو اولوالعزم
مولف کو اگر مین صحیح رائے قائم کرنے کے لائق ہون مالی قدر دانی کی طرف سے قطعی بے نیاز کر دیگا
ایک انگلش پروفیسر نے انگریزی مین ایک ضخیم ڈکشنری آف اسلام لکھی ہے جو کہ
دو پونڈ دو شلنگ کو ملتی ہے، اس کا جدید ایڈیشن آجکل میرے مطالعہ مین ہے اگرچہ یہ
ایک ایسے شخص کی تحقیقات کا نتیجہ ہے جس کو ظاہرا اسلام یا پیغمبر اسلام سے کوئی ہمدردی
نہین معلوم ہوتی، اور گو اس کی مرتب تحقیقات کا ماخذ اصلی تصنیفات یعنی عربی کتابین
ہین، تاہم اکثر موقعون پر وہ میور یا اور متعصب عیسائی عالمون کا ہم آواز ہے، جس کا
نتیجہ یہ ہے کہ جو مہتم بالشان مسائل تھے ان ہی مین دانستہ ٹھوکرین کھائی ہین، پھر بھی
تحقیق اور دقت نظر کی حیثیت سے اس قابل قدر مجموعہ کے مولف کی کوششین ہر طرح
لائق اعتراف ہین، بہر حال ڈاکٹر نذیر احمد کی جامعیت پکارے کہتی ہے کہ "انا یکلو
پیڈیا" کی تکمیل کے لئے ان کو اپنے دائرہ معلومات کے نتائج جس حد تک وسیع
کرنے ہون گے ان کا کفیل دنیائے اسلام مین ان سے بہتر شاید کوئی نہین ہو سکتا
صرف یورپ سے میٹریل فراہم کرنا ہوگا، اور یہ ان کی زائد از ضرورت خوش حالی
اور فرصت کو دیکھتے بڑی بات نہین،

مجھ کو اعادہ کرنا پڑتا ہے کہ تبحر علمی، فطری ذوق مناسبت، تحقیق کی کاوش

اور وثوق کامیابی جو ان کے خصائص مین سے ہے، یہ وہ اسباب ہین جن سے بہتر اس تالیف کے لئے خیال مین نہین آسکتے، اور جب یہ دیکھتے کہ تحقیق کا سلسلہ ہر لفظ کی ضروری تشریح کے ساتھ ختم ہوجاوے گا تو نسبتۃً ان کے لئے آسانی کی کوئی حد نہین رہتی، میرا خیال ہے، ملک کے اس رفیع المرتبت انشا پرداز کی یادگار جس سے آئندہ نسلین کوئی صحیح اندازہ کمال کر سکین "قاموس الاسلام" کے سوا اور کچھ نہین ہے، جس طرح ملک آج ان کا لوہا مانتا ہے، یورپ مین بھی استفادہ ان کی ارجنل تحقیقات اور تلاش کے ثمرے عزت کی نگاہ سے دیکھے جائین گے، زمانہ کتنی ہی ترقی کرے، اس علم کے پتلے کو پیدا نہین کرسکتا، جس کا کوئی رونگٹا بے کار نہین، جہانتک لائق ادب مشرقیت کا تعلق ہے، قوم کی یہ آخری بہار تھی، جس کے اجزا کچھ اٹھ گئے، کچھ باقی ہین، قدیم علوم کے نام لیوا دو چار سے زیادہ نہین ہین، جس مربی مرحوم عربی کو آج ہم بیسوین صدی مین ڈھونڈتے ہین، علامہ نذیر احمد کے ساتھ دفن ہوجائے گی، مگر میرے منھ مین خاک ان کا حصہ غیر فانی یعنی "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" مرنے والی چیز نہین، وہ اپنی بقاے دائمی کی آپ ضامن ہے، اور یہی انسان کا بڑے سے بڑا تخیل ہوسکتا ہے، جس کی طرف مین ان کو تھوڑی دیر کے لئے متوجہ کرنا چاہتا ہون،

بیسویں صدی کا آغاز

اور

دماغی صحبت غیرفانیوں سے

ساٹھ صدیاں یعنی چھ ہزار برس گذرے کہ قدیم اہلِ بابل[1] نے پہلے پہل اپنے خیالات، اپنی قوم کی تاریخ، اور دنیا کی نسبت جو خاص طرح کے تصورات وہ رکھتے تھے، ان کی یادداشت کے لئے مٹی کی اینٹوں کا استعمال کیا، ان کے بعد مصریوں، اور عبرانیوں کا زمانہ آیا، جو درخت کی چھال پر اپنے خیالات کا نقش جماتے رہے، پھر کلاسکس کے دورِ زرین کا آغاز ہوا، یعنی رومیوں اور یونانیوں نے فردِ چرمی پر اپنے نو ایجاد قلم کی روانی دکھائی، جس کی نقلیں تیز دست غلام تیار کرتے تھے، اور جس کے بہترین حصے وسعت کے ساتھ ملک میں شائع کئے جاتے

---

[1] بغداد سے جانب جنوب وہ حصہ جس میں ہو کر دریائے فرات بہتا تھا، یہ کلدانیوں کا مشہور دارالسلطنت قدیم زمانہ میں روئے ارض پر سب سے بڑا اور پررونق شہر تھا، تیرہ لاکھ کی آبادی تھی تفصیلی حالات کے لئے "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" اور "البشیر" ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء

تھے، اس کے بعد عہدِ ظلمت نے عارضی تاریکی پھیلائی جس کی تلافی مافات یا دنشئہ تجدید نشاۃ الثانیہ[1] کے دَور نے کی، جس کے ساتھ چھاپہ کی ایجاد آئی، اور ہماری موجودہ دنیا اور اس قدر کثیر تعداد تک تصنیفات کی پیداوار پہنچ گئی ہے کہ آج دنیا کی بڑی لائبریریوں کی الماریوں میں جتنی کتابیں ہیں ان کا شمار لاکھوں تک پہنچ گیا ہے، کوئی چیز اس ذہانت اور ذکاوت سے بڑھ کر عجیب و غریب نہیں ہے جس نے موجودہ زمانہ میں انسان کے لئے ایسے وسائل و ذرائع فراہم کر دیئے ہیں، جو اس کی جسمانی آسائش اور دماغی ترقی کے بڑھانے والے ہیں، انیسویں صدی نے انسانی افعال کے لئے صرف نئے اصول ہی ایجاد نہیں کئے، بلکہ اُس نے پرانے اصول کو نئے ڈھنگ اور نئے اسلوب سے برتنے کے طریقے بھی بتائے جو اختراعاتِ جدید کے مقابلہ میں کچھ کم ضروری نہیں ہیں، سائنس کے تعجب انگیز انکشافات نے مادّی دنیا میں اس حد تک انقلابات کر دیئے ہیں، جن سے کلیتہً ہمارے طرزِ زندگی اور رُسل و رسائل کے وسائل کی ہیئت بدل گئی ہے، اسی طرح علوم و فنون کی دنیا میں نمایاں ترقی نے ہمارے لئے روزافزوں اور مختلف مواقع اخلاقی اور دماغی اصلاح کے پیدا کر دیئے ہیں، یعنی علمی زندگی شروع ہو گئی ہے گذشتہ صدی کے مسلسل اختراعات و انکشافات کے مقابلہ میں یہ ناممکن معلوم

---

[1] چودھویں اور پندرھویں صدی میں یورپ جہالت کی تاریکی سے باہر آیا، علوم و فنون صنعت و حرفت کے چرچے شروع ہو گئے، یعنی یونان و روم کا تمدن از سرِ نو تازہ ہوا،

ہوتا ہے کہ بیسوین صدی کسی وقیع اضافہ سے بازی لے جائے، اس نے ہم کو جہاز دیئے ریلوے دی، بری اور بحری تار دیئے، فولاد بنانے کی ترکیب بتائی، اخبارون کے چھاپنے کی کل، لکڑی سے کاغذ بنانے کا فن، زراعتی آلات کی ایجاد جس نے کاشتکارون کے کام کو بالکل بدل دیا ہے، اور بے شمار صنعتی ایجادات، ان اشیاء کی ساخت کیلئے جو کثیر النوع اور مختلف الاشکال ضروریاتِ انسانی کے لیئے لازمی ہین، یہ سب مرحوم صدی کی یادگار ہین، سائنس مین ایسے ایسے امور دریافت کیئے اور کیمسٹری مین وہ وہ موشگافیان کین کہ آج مستقلاً جتنے علوم نکل پڑے ہین اور جن کی بنا پر ہمارے حیرت انگیز تصرفات کی حد نہین رہی، عارفانِ لاآف نیچر کے معجزات مین سے ہین، اسی کے ساتھ ہماری بہتیری تحقیقاتین ادھوری بھی ہین جو امید ہے آیندہ حوائجِ انسانی کی کفالت کے لائق ہو سکین گی،

بہرحال انیسوین صدی، خاصکر پچھلا نصف حصہ ایک علمی دور تھا، جس مین افادات جسمانی کی حیثیت سے دماغ نے زیادہ تر اپنی کوششون کو ان امور کے لیئے وقف رکھا، جو ہماری شاندار اور سائنٹفک زندگی کی حوائج کی معین تھین مگر سوال یہ ہے کہ علمی حیثیت سے ہم نے کیا کیا؟ قریب قریب کچھ نہین! مثلاً اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ لٹریچر کو لیجیے، ہماری موجودہ مخلوقاتِ حرفی کہین سے نسبتہً اس لائق نہین ہے کہ وہ اساتذۂ قدیم کے دل و دماغ کے نتائج سے ٹکر کھا سکے، جو اپنی شہرت اور بقائے دائمی کے آپ ضامن ہین، جہان سائنس مین ہماری فتوحات حیرت انگیز ہین،

ہمارا لٹریچر لازماً مصنوعی اور تقلیدی ہے، تاہم دنیا مین کبھی اتنے لکھنے والے نہین تھے نہ کبھی اتنے شائع کرنے والے، نہ اتنی کتابین، نہ اتنے پڑھنے والے،

دنیا ہر وقت حرکت مین ہے، یہ ایک ایسا صاف مسئلہ ہے کہ بحث کی ضرورت نہین لیکن محض اس کی حرکت سے یہ دعویٰ نہین ہوسکتا کہ ہم اپنے پیش روون سے اچھی کتابین لکھتے ہین، یا ہمارے شاعر عمدہ نظمین، یا ناولسٹ بہتر قصے، یا ہمارے فلسفی اخلاقی اور دماغی حیثیت سے کسی اونچی سطح پر ہین، ہان کہین کہین کوئی اچھا لکھنے والا نظر آجاتا ہے، مگر وہ زمرۂ عام مین اس طرح گم ہوتا ہے کہ پتہ نہین ملتا، البتہ ہمارے قدیم خلاقینِ سخن علمی دنیا مین ایسے سربرآوردہ ہین کہ امتدادِ وقت اُن کے نتائجِ فکر کے آثار کو اس وقت تک زائل نہ کرسکا،

ایسے دو شخصون مین جن مین سے ایک نے متقدمین کے دل و دماغ کے نتائج یعنی کلاسکیس کو غذائے علمی بنایا ہو، اور دوسرے نے آج کل کی رائج الوقت آخر تصنیفات کو دیکھا بھالا ہو، مقابلہ کیجئے تو آپ پائین گے کہ جس نے گبن، باسول، جانسن ملٹن، اڈیسن، اورسٹیل، ڈیکوئنسی، شیلی اور کیٹس، بائرن، اسکاٹ، ڈکینس، اور تھیکرے کارلائل، اور میکالے سے فائدہ اٹھایا ہے، اس مین ادائے سخن کی ایک خاص طرح کی سلاست اور نزاکتِ خیال، محاورات کی برجستگی اور زبان پر اقتدارِ کامل کا پتہ ملے گا، بمقابلہ سطحی اور مذبذب مذاقِ سخن اور کمی معلومات کے جوان لوگون کے خصائص مین سے ہے جن کا مبلغِ علم صرف آجکل کی وقتی اور بالائی تصنیفات ہین

جن کا حصۂ غالب محض ایک طرح کا مجموعۂ لفظی ہے اور کچھ نہیں، جو شائع کرنے والون کے مطابع سے علی الاتصال گویا برستی رہتی ہین، سات ہزار پانچسو کتابین سالانہ گرت برٹن سے، چوبیس ۲۴ ہزار جرمنی سے تیرہ ۱۳ ہزار فرانس سے، نو ہزار اٹلی سے، پانچ ہزار ممالک متحدہ (امریکہ) سے اندازاً ساٹھ ہزار کتابین ہر سال،

۱۶ سو برس پیشتر چھاپہ کی ایجاد سے ایک موقع پر کہا گیا تھا کہ تصنیفات کی کوئی انتہا نہین ہے، لیکن قائل اب کیا کہیگا، اگر وہ آئے اور دیکھے کہ صرف برٹش میوزیم مین پندرہ ۱۵ لاکھ جلدین موجود ہین، اور ہر سال برطانیہ عظمی کا چھاپہ خانہ سات ہزار نئی جلدین پیدا کرتا رہتا ہے، اور کم و بیش اسی قدر امریکہ بھی، فرض کیجئے ایک شخص ۱۰۰ جلدین سالانہ پڑھ سکتا ہے گو یہ ایک فیاضانہ اندازہ ہے، مرد یا عورت کے لئے جسے دنیا مین کچھ اور کرنا ہے تو آج جتنی کتابین برٹش میوزیم مین ہین انھین ۱۵ ہزار برس مین ختم کر سکیگا، اسی طرح ہر سال جو گذریگا اس کی پیداوار کے پڑھنے کے لئے ہر اضافی سو برس کی ضرورت ہوگی، مختصر یہ کہ علما سے یورپ اس خطرہ کو محسوس کرنے لگے ہین کہ دنیا کے اعلی تر لٹریچر کتابون کی عام طغیانی مین بہ جاینگے، چنانچہ ربع صدی کے قریب ہوا کہ کتابون کے ایک مشہور شاهق "مسٹر ہیرسن" نے اپنے جامع و مانع خیالات کا اظہار یون کیا تھا کہ "مجھ کو وقیع تصنیفات کے ناقابل اندازہ عمدگی سے اختلاف نہین ہے، مگر ہم لٹریچر کے روشن نظارہ کی دوسری سمت کو اکثر بھول جاتے ہین یعنی کتابون کا استعمال بیجا یا با لفاظ دیگر ایسی کتابون کا پڑھنا جو

اپنی بے غایتی، انتشار اور مہملیت کے لحاظ سے ضائعات زندگی میں شمار ہونے کے لائق ہیں، اور جنھیں ہم ان کی سمیت کے لحاظ سے برعایت بھی زیادہ سے زیادہ فضلۂ علم کہہ سکتے ہیں معلوم نہیں ہماری غفلت و تبع تصنیفات کی طرف سے بالکل نہ پڑھنے کی وجہ سے ہے یا ادنیٰ درجہ کی کتابوں کے مطالعہ کی ناقابلِ اصلاح عادت کا نتیجہ ہے، بہر حال مآل ایک ہی ہے، یعنی ہمارا جہل مرکب دنیا کے مشہور لٹریچر سے، لیکن ایک بات اور ہے، جو عمدہ تر تصنیفات کے شائق ہیں، ان کو وسعتِ انتخاب پریشان کرتی ہے جو عملاً غیر محدود ہے، کتابوں کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جسے ہم کبھی پڑھنے کے لائق نہیں ہوں گے، اسی کے ساتھ ایسی کتابوں کا اوسط بھی کچھ کم نہیں ہے، جو سرے سے پڑھنے کے لائق نہیں ہیں، گذشتہ دو صدیوں میں عمدہ انتخاب کی مشکلات اتنی سخت نہیں تھیں، جتنی آج ہیں، اس لئے جو جو سوال واقعی اپنی اہمیت کے لحاظ سے میرے لئے بار طبیعت ہو رہا ہے، یہ ہے کہ وہ کونسی کتابیں ہیں جن کا علم تھوڑے سے بچے کھچے وقت میں بھی ہمارے لئے ضروریاتِ زندگی میں سے ہے، ہر کتاب جسے ہم بغیر کسی غایت کے اٹھا لیتے ہیں، ایک موقع کا اتلاف ہے جس میں ہم کوئی ایسی چیز پڑھتے جو مفید یا مقصود بالذات ہوتی،

"ہم کو معلوم ہے کہ کتابیں ایسی ہی مختلف ہیں، جیسے جواہرات اور کنکر پتھر، اس لئے میں نہایت بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے زمانہ کا پہلا دماغی اور عقلی کام یہ ہے کہ ہم اس چھپے ہوئے مواد کی تنظیم کر سکیں، اور اسے کارآمد بنا سکیں، جسے گذشتہ

چار صدیون نے ہمارے راستہ مین پھیلا رکھا ہے، علم کو فعل مین لانا، پڑھنے کو با اصول کرنا، اور سیاہی کے بہتے ہوئے آبشار سے بڑون کے غیر فانی خیالات کا محفوظ رکھنا، ایک ضرورت ہے، بشرطیکہ انسان کی بڑھتی ہوئی ذہانت ہم کو مذموم بے نیازی کے باغِ سبز کی طرف نہ لیجائے ''

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ''ایک ایسا مجموعہ جو ضروری تصنیفات کا ایک معقول لب لباب ہو، کس قدر قیمتی ہوگا جو خلاصہ ہو اس چیز کا جو تمام دنیا کے لٹریچر مین سب سے اعلیٰ اور انگیز کرنے کے لائق ہے، اور اس لئے لازم سا ہے کہ ہم لٹریچر سے وسیع بحر زخار مین کہین اپنا قدم جمالین، اور قبل اس کے کہ کتابون کا سیلاب اُن اجزا کو جو کہ روح لٹریچر ہین اپنی موجون مین غائب کر دے، انھین طوفانِ بے تمیزی سے بچالین، اس سے ہم اس دریائی آوارہ گردی سے محفوظ رہین گے جو خود رو طرق پر شاید ہی کبھی کنارہ پر پہنچائے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر یہ ہونا ہے کہ پڑھنے کو ہم سب ہی کچھ پڑھ جائین گے مگر علم خاک نہین ہوگا، اور اراوحِ خبیثہ کی طرح ان متبرک مقامات سے ہمیشہ دور رہینگے جہان عالم بالا مین نفوس اعلیٰ دادِ سخن دے رہے ہون گے۔

ایک اور صاحب (پروفیسر میکس پولر) فرماتے ہین کہ ''بہت کم کتابین ہین جنھین شروع سے آخر تک مین عظیم الشان پاتا ہون، برخلاف اس کے اکثر ٹکڑے، حصے یا پوری نظمین ایسی ہین، جنھین بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور ہر دفعہ تعجب بڑھکر حیرت ہو جاتا ہی کہ ایک شخص کیونکر ان کے لکھنے پر قادر ہو سکا''

فاضل پروفیسر کہتا ہے کہ "اگر مین اپنا خیال آپ کو بتا دون تو مجھے خوف ہے
آپ مجھے کفر علمی کا کافر سمجھین گے یا جاہل محض، کسی بہت بڑے قدیم شاعر کو لیجئے، اور اگر
آپ سچ کہلاتے ہین تو مجھے کہنا ہوگا کہ "ہومر" مین بھی بعض ایسے طویل حصے ہین جو نہایت
گران گذرتے ہین، اسی کے ساتھ انیسوین صدی کے سب سے بڑے یا کسی بڑے شاعر کو
لیجئے تو مین اقرار کرتا ہون کہ "گوئٹے" ایسے شخص کے نتائج فکر بھی ایسے ہین جن مین متعدد
مقامات کے دوبارہ پڑھنے سے جی اکتاتا ہے، یہی امر ان مین بھی ہوتا ہے جو بہت مشہور
ہین، اور ان مین بھی جن سے دنیا واقف نہین ہے، مگر کوئی شاعر یا ناثر ایسا نہین ہے
جس کا ہر حصہ تصنیف جاننے کے لائق ہو، اور جو بہ حیثیت مجموعی دنیا کے اعلیٰ لٹریچر کے
مجموعہ مین کوئی جگہ حاصل کر سکے"

ان خیالات کی بنا پر تمام دنیا کے لٹریچر کا خلاصہ جو گویا "میکس بولر" کے تخیل کی تکمیل
ہے، ڈاکٹر گارنٹ کی ایڈیٹری مین، اسٹنڈرڈ نے (جو لندن کا ایک وسیع روزانہ اخبار
ہے) شائع کر دیا ہے، ۲۰ ضخیم اور خوبصورت جلدون مین موزون اور مناسب طریق
پر وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا ہے جو آکسفورڈ کے ایک پروفیسر کے خیال کے مطابق
"غیر فانی حصہ ہے نہایت فانی اجسام کا" اور جو نتائج فکر انسانی کی حیثیت سے ایک
معجزہ سا معلوم ہوتا ہے، مختصر یہ کہ دنیا کے مسلم الثبوت اساتذہ اور نامور فلسفیون نے
جن سے بہتر اسانت ایڈیٹری کے لئے نہین مل سکتا تھا، دس ہزار صفحون مین نہایت
دلچسپ اور اعلیٰ ترین اجزا ان تصنیفات کے یکجا کر دیئے ہین جو ابتدائی زمانہ سے

یعنی جب سے تصنیف کا فن ایجاد ہوا، آج تک کسی دور کسی زمانہ میں کسی حیثیت سے لکھی گئیں
یہ لائبریری محض قدامت کا ایک مجموعہ بے کیف نہیں ہے، نہ صرف کلاسیکل
لٹریچر اس میں بھر دی گئی ہے، جس کی نسبت نہایت صحیح کہا گیا ہے کہ پڑھنے کی نہیں
صرف تذکرہ کی چیز ہے، نہ اس کو ان زائد از ضرورت بیشمار جلدوں سے تعلق ہے جو
بڑے بوڑھے بچوں کے لئے انعام کے موقعوں پر تجویز کرتے ہیں نہیں بلکہ تمام
متقدمین و متاخرین علماے مشرقی حکماے یونان قدیم و روم اپنے اپنے درجہ کے
مطابق جو تاریخ لٹریچر میں رکھتے ہیں، موزون نشست میں ہیں،

ان دلچسپ جلدوں کے مطالعہ کے سلسلہ میں جو طبقات کی حیثیت سے مرتب
کیا گیا ہے، ہم علوم کا وہ سرچشمہ جاریہ دیکھتے ہیں جو یونان و اسکندریہ اور رومۃ الکبری
کے زمانہ عروج میں نہایت عمیق اور زوردار تھا، اور ازمنہ متوسطہ کے قریب گھٹتے
گھٹتے خشک ہوگیا، صرف اس لئے کہ نشاۃ الثانیہ میں پورے زور کے ساتھ پھر
بند ٹوٹ جائے، اور ہمارے زمانہ میں علمی سیلاب کی کوئی انتہا نہ رہی، بہرحال
تاریخی انقلابات اپنی تدریجی رفتار کے ساتھ ایک وقت میں آنکھوں کے سامنے
آجاتے ہیں، ہر زمانہ اپنے خزائن پیش کر رہا ہے جس میں ہمارا موجودہ وقت کسی
سے پیچھے نہیں ہے، صدیوں کے تجربے، اور لاکھوں اوراق کی الٹ پھیر کے بعد
ہزاروں صفحے انتخاب کئے گئے ہیں، جو ہر زمانہ میں مقبول خاص تھے، یہ انتخاب
ان لوگوں کا ہے جو لٹریچر کے اکثر اصناف میں کامل الفن ہیں، اور اقتباسات سے

ضمن مین جنھون نے اپنی اپنی قوت فیصلہ کا زور ان مضامین مین دکھایا ہے جو ہر جلد کے آغاز مین تقریظی حیثیت سے لکھے گئے ہین، یہ آرٹکل بجائے خود ایک مستقل چیز ہین، "آنکھین ہر شخص رکھتا ہے مگر بصارت کے ساتھ بصیرت لازمی نہین" ان مضامین کے ذریعہ سے دس ہزار صفحات پر نظر ڈالنے کے بعد ہماری رائے ہر دور کے مختلف طبقات لٹریچر کی نسبت وہی ہو سکتی ہے، جو ہمارے ذاتی تبحر علمی کے ساتھ ممکن تھی،

یہ جلدین خوش نصیبی سے میرے مطالعہ مین ہین، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ اس امر کا اعتراف ہے کہ باوصف ان اوصاف کے جو اس لائبریری کی طرف منسوب ہو سکتے ہین، جہان تک مشرقی لٹریچر کا استقصا کیا گیا ہے وہ اس قدر مختصر پیمانہ پر ہے جو کسی طرح واجب الادب اور زندہ کلاسکس کی عظمت کے شایان نہین ہے، یعنی عربی فارسی کا انتخاب جو کچھ ہے، وہ بلحاظ قدامت محض "تبرکات" کی حیثیت سے ہے، اور یہ بھی اصلی زبان مین نہین، بلکہ صرف ترجمہ پر قناعت کی گئی ہے لیکن اس سے قطع نظر کرکے یون دیکھئے کہ وہ قوم کس قدر خوش نصیب ہوگی جس کی مادری زبان مین اتنا بڑا سرمایۂ علمی فراہم کیا گیا ہے اور جو مختلف اقالیم سخن یعنی دنیا کے لٹریچر پر آج اس شاہانہ اقتدار کے ساتھ قابض ہے، جس کی نظیر اگر میری کم نظری پر نہ محمول کیا جائے تو گذشتہ تاریخ بھی پیش نہین کر سکتی،

بہرحال اگر کسی قوم کا گذشتہ لٹریچر اس کے خیالات و محسوسات کا آئینہ ہے

جس مین ہم ان مٹے ہوئے آثار کی سراغ رسانی کر سکتے ہین، جو کسی عہد مین اس کی ابتدائی
نشو و نما، شباب اور انحطاطِ طبعی یعنی عروج و زوال کا سبب ہوے تو یورپ کی سلطنتین
صرف اس لئے لائقِ شکر گذاری نہین ہین کہ وہ ہمارے لٹریچر کے "باقیات الصالحات"
کا جامع ہے، بلکہ یہ وہ فسانہا سے دلچسپ ہین جن سے نوعِ انسانی کا رازِ ہستی، ترقی
کی غایت اور اس کی تاریخ کی رفتار کا عام رخ معلوم ہو جائے گا، لیکن یہ نہایت دقیق
بحث ہے جو اس موقعہ سے چندان تعلق نہین رکھتی، مجھے کہنا یہ ہے کہ اس مجموعہ کو
دیکھ کر پہلا خیال میرے دل مین یہ آیا کہ اس نمونے پر ایک "لائبریری آف اُردو لٹریچر"
مرتب کی جائے تو یادگار رہو گی، ہمارا لٹریچر سچ یہ ہے کہ ہماری گذشتہ حالت کا مرقع
ہے، جس مین ہم کو ان اسباب کا پتہ ملتا ہے جن سے ہم صفحۂ ہستی پر آئے، پھولے پھلے
اور اتنے ہوئے کہ تاریخِ عالم مین کوئی وزن رکھتے تھے گو آج اتنے گئے گذرے ہین
کہ اپنے تنزل کا احساس تک نہین! بے شک باعتبارِ خیالات اور ضروریاتِ موجودہ
قدیم علوم و فنون عجمی ہون یا عربی اس لائق ہین کہ ہم انھین جہان تک جلد بھول جائین
مناسب ہے، تاہم جہان تک نفسِ لٹریچر کا تعلق ہے، اسلاف کے حقوق کیا چاہتے
ہین؟ آج کتنے تعلیم یافتہ ہین جن کی لائبریریون مین گذشتہ لٹریچر کا کوئی حصہ مل سکتا ہے
حالانکہ انتہا سے مغربی خیالات کے ساتھ بھی بہتیرے ایسے نکلین گے جو کم سے کم
قدیم لٹریچر کے ان اجزا کے رکھنے کے شائق ہون جو روحِ لٹریچر ہین . . . . .
مین نے غلطی کی، مغربی خیالات کے ساتھ جہان تک شواہد موجود ہین، اکثر ایسے ہین

جن کے مذہبی اور قومی عناصر زائل ہوتے جاتے ہین، یا سرے سے موجود ہی نہین،
مذہب کی جگہ لے دے کے سائنس کا "آوردہ" کوڈ آف مورلٹی" یعنی ضابطۂ اخلاق ایک
رائج الوقت چیز ہے، اور قومیت کی اس لئے ضرورت نہین کہ بعض اتفاق سے ولایت
سے ہو آئے، اور گو ایک ہی زمین کی پیداوار ہین، تاہم خیالات مین سمندر حائل ہی معدودے
چند کے سوا اکثر ایسے ہین جنہین صرف ایک طرح کا حیوان ناطق کہہ سکتے ہین جو کسی
مفہوم کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ یعنی زبان غیر بھی کچھ جانتا ہو، تھوڑی سی انگریزی،
کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو، بس اتنی کائنات ہے، اس لئے علمی امتیاز ان کے لئے پیدا
کرنا مشکل ہے، سوا اس کے کہ قوم اور افراد کے مقابلہ" ان کو فریاسٹی کہئے" یہ مختصر گروہ
جہان اس لائق ہے کہ ان مین سے اکثر کمانے کی استعداد رکھتے ہین، یا قرض کو آمدنی
سمجھ کر اچھی زندگیان بسر کرتے ہین یا ان کے خیال مین غایت زندگی ہے، کہین سے
اس لائق نہین کہ تنہا ولہ خیالات کی حیثیت سے یہ کسی حد تک ہمارے لئے مفید ہو"
اس کو ان کے استغنا پر محمول کیجئے، بلکہ یہ دماغی عدم استطاعت یعنی کورے پن کا
نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے آج ملک کے اعلی تعلیم یافتہ اور نئے خیال والون مین معزز
مستثنیات کے سوا (اگر ہون) کوئی اس لائق نہین کہ سرسید تو بڑی چیز تھے حالی و شبلی
کی طرح دو سطرین بھی لکھ سکے، اگر انسانی معاشرت یعنی تمدن اور ترقی کے لئے کسی
مرکز کی ضرورت ہے جس کی طرف واقعات افتان و خیزان جا رہے ہین تو یہ مرکز
ابھی صدیون مین بھی لائق حصول نہین ہوگا، ہم نے ایک جماعت کو تعلیم یافتہ کر کے

زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ اوروں سے الگ کر دیا، خود اس کو کسی امر پر متفق نہ کر سکے
جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس محدود حلقہ مین بھی کوئی آیڈیل، کوئی تخیل موجود نہین جو قومی
اغراضِ زندگی مین سب سے زیادہ مہتم بالشان اور فرداً فرداً ہر شخص کا نصب العین ہو، بہرحال
مین کہنا چاہتا ہون کہ ان کی انگریزی کی طرف سے یہ توقعات کہ ولایت والے
معترف ہون، صرف ہمارے حسن ظن کی افراط ہے، قدیم لٹریچر ان کو آتا نہین، نہ
کہین سے شائق، اردو سرے سے ان کے لائق نہین، مختصر یہ کہ ان کی ذاتی حالت
سے قطع نظر کر لیجیے تو من حیث القوم یہ ہمارے لئے ہوئے نہ ہوئے برابر!

ہان ایک اوسط درجہ کا گروہ ہے جس سے کچھ توقعات ہو سکتے ہین، گو ان مین
سے بھی اس وقت تک کوئی اتنا نہین ہے کہ ہمارے اولڈ اسکول مگر نئے خیال
کے علما، کی طرح کچھ لکھ پڑھ سکے، تاہم چونکہ مغربی خیالات کے ساتھ قومیت کا احساس
باقی ہے، کم سے کم یہ ان ضرورتون کو تسلیم کرتا ہے جو ہمارے قومی تمدن کے اجزاے
ترکیبی ہین، علمی مذاق رکھتا ہے، آجکل کے اچھے لکھنے والون کا تتبع کرنا چاہتا ہے، اور
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کو اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ حالت مین دیکھنا
چاہتا ہے، اردو کی طرف سے بے پروائی اس کے خیال مین صرف پولیٹیکل زوال
ہی کا باعث نہین ہے، بلکہ یہ وہ شائبۂ تنزل ہے جو حسنِ معاشرت اور قومی زندگی
کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، بہرحال جہان اس کی ضرورت ہے کہ ملکی زبان کو اعلیٰ
درجہ کے علمی لباس مین دیکھا جائے، یہ خواہش غیر طبعی نہین ہے کہ قدیم لٹریچر مین جس قدر

نظم و نثر کے حصے ایسے ہین جو محفوظ رکھنے کے لائق ہین اور جن پر امتدادِ وقت کا
کوئی اثر نہین پڑ سکتا، وہ ایک کمیٹی کے انتخاب سے لئے جائین،

نواب محسن الملک، ڈاکٹر نذیر احمد، پروفیسر شبلی، سید علی اور علامہ حالی سے بہتر
اسٹاف ایڈیٹری کے لئے نہین مل سکتا، ہر لٹریچر کے مجموعہ کی ترتیب مین ابتدا ً
تقریظی حیثیت سے ایک آرٹکل ہو جو زبان کے تاریخی حالات، اس کی خصوصیات
اور مختلف دورمین جو انقلابات ہوئے ہون اُن کے آثار تفصیل کے ساتھ دکھائے
مجموعی حیثیت سے جو کام ہوگا منفرداً ممکن نہین، ایک موقعہ پر کہا گیا تھا کہ پروفیسر آزاد
کا لٹریچر، شبلی کی وسعتِ نظر، اور حالی کی بے مثل نکتہ سنجی اور سخن آفرینی اگر جمع کر دیجائین
تو نتیجہ نہایت مہتم بالشان ہوگا، قوم کی بدنصیبی ہے کہ آزاد ہمارے لئے جیتے جی مرگئے
مگر شبلی و حالی موجود ہین،

پروفیسر شبلی کی غائر اور وسیع تحقیقاتون کے نتائج جس طریق پر ظاہر ہوتے ہیتے
ہین ان کے تبحر علمی اور دنیا کے موجودہ مذاق کے لحاظ سے اس سے بہتر پیرایہ ہو نہین سکتا
لیکن توقعات بڑھتی جاتی ہین، امید ہے دائرۃ التالیف کے سلسلہ مین جہان تک
ہماری قدیم تاریخ کا تعلق ہے یہ اچھی طرح دادِ تحقیق دین گے، خاص کر اس لئے کہ سلسلۂ
آصفیہ نے ان کو ان ہی کامون کے لئے وقف کر دیا ہے،

حالی کو مین ان لوگون کے سامنے پیش کرتا نہین چاہتا جو ان کو ایک اچھا شاعر
سمجھتے ہین، مگر اس استثنار کے ساتھ کہ غزل داغ کا حصہ ہے، بیشک ان کی نیچرل شاعری

مفروضہ نقائص کے ساتھ بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے، خاصکر مسدس کی بنیاد جن امور پر رکھی گئی ہے اور جو میٹیریل استعمال کیا گیا ہے صرف حالی کا حصہ ہے، لیکن اپنا اپنا خیال ہے، میرے ذہن میں حالی کی عظمت "دیوانِ حالی" کے اس حصہ سے ہے جو"مقدمہ شاعری" کی حیثیت سے لکھا گیا، یہ ۲۲۰ صفحے قطعاً غیر فانی ہیں، اور غالباً آج تک کسی نے اس موضوع پر چند سطریں بھی اس طرح نہیں لکھیں، مگر یہ اس وقت کا خیال ہے جب ان کی سب سے پچھلی تالیف شائع نہیں ہوئی تھی، اب حالی کس اونچی سطح پر ہیں، پھر کہیں دکھاؤں گا،

نواب محسن الملک کے دل ودماغ کے نتائج تہذیب الاخلاق کی جلدوں میں محفوظ ہیں اور ہمیشہ یادگار رہیں گے، رفیق جسمانی اٹھ گیا، مگر تہذیب کے صفحوں کو دیکھئے دونوں کے اجزاء غیر فانی پہلو بہ پہلو اب بھی موجود ہیں، ممدوح کی مصروفیت وحالت صحت گو دماغی محنت کے لئے موزون نہ ہو، تاہم اس خیالی لائبریری کا ہم آپ کو ایڈیٹر انچیف دیکھنا چاہتے ہیں۔

سیّد علی نے تمدنِ عرب کے ذریعہ سے ہماری گذشتہ عظمت کا جو مرقع پیش کیا ہے، سچ یہ ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنی صورت کبھی یوں نہیں دیکھی یہ وقیع تاریخ جس کی بنیاد مسئلہ ارتقا پر رکھی گئی ہے، اور جو بلحاظِ نوعیت ایک نہایت زبردست حکیمانہ تالیف ہے، ہمارے لئے بہترین یادگارِ سلف ہے، کم لوگ ہیں جو سید علی کی صحیح وقعت کا اندازہ کر سکتے ہیں، مگر تمام ملک میں یہی ایک شخص ہے جو اپنی وسیع

قابلیت کے ساتھ مغربی اور مشرقی لٹریچر کا جامع ہے، اور جو طرزِ تحریر اور واقفیت عامہ کی حیثیت سے ہم کو یورپ کی خوشہ چینی سے بے نیاز کر سکتا ہے، افسوس ہے کہ ایسا جامعِ حیثیات فاضل ہمارے ہاتھ سے نکل گیا،

آخر مین مجھ کو ڈاکٹر نذیر احمد کی نسبت کچھ کہنا ہے، مین مستقلاً اپنا خیال کہین اور ظاہر کر چکا ہون، یہان صرف اس قدر کہنا ہے کہ با وصف غور ان کا صحیح مصرف اس وقت تک نہ معلوم ہو سکا، یہ شخص جہان تک مادہ کا تعلق ہے اس بلا کا انشا پرداز ہے کہ اس کو کارلائل اور میکالے نہین بلکہ جانسن کے پہلو مین جگہ ملنی چاہئے، لیکن تصنیفات کی حیثیت سے نسبتہً یہ گھاٹے مین ہین، ان مین جہان اور کمالات ہین قوت فیصلہ کی کمی معلوم ہوتی ہے، یعنی ترتیباً ان کے نتائج فکر اس وقت تک جو کچھ اور جس پیرایہ مین ظاہر ہوئے مجھے اس مین کلام ہے کہ ان کی استعداد کا سب سے بہتر اور صحیح مصرف یہی تھا، بالفاظ غیر جس پیمانہ پر یہ آج تک اظہار خیال کرتے رہے وہ فی نفسہ ان کے کمال کو دیکھتے ہوئے کافی نہین ہے، گو ان کی مخلوقاتِ لفظی کا حرف حرف جو ان کے قلم کے زیر تحت ہے، اس لائق ہے کہ ہم آنکھون سے لگائین، کم و بیش اسی قبیل کی شکایتین اورون سے بھی ہو سکتی ہین، پروفیسر شبلی نے سب کچھ کیا، مگر مسلمانون کی عام مختصر تاریخ نہ لکھ ڈالی، نہ اس وقت تک آنحضرت (صلعم) کی لائف پر ایک حرف لکھا، حالی اگر حیاتِ جاوید نہ لکھتے تو سخت گھاٹے مین رہتے بہرحال علامہ نذیر احمد لائبریری کے عربی حصہ کے ساتھ خوب کھپین گے اور یہان مجھ کو ان سے اتنی ہی غرض ہے۔

میرا خیال ہے کہ اورنٹیل لٹریچر کی ترتیب حسب ذیل ہوسکتی ہے،

(۱) عربی قدیم و جدید، ۲ جلد

(۲) فارسی قدیم و جدید، ۲ جلد

(۳) اردوے معلّی، ۲ جلد (جملہ ۶ جلدین)

ہر جلد کے تقریبًا ہزار صفحے ہون گے، نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر مفید عام آگرہ یا نامی پریس کان پور کی چھپائی ہوگی اور جلدین پورے کپڑے یا چمڑے کی کسی ولایتی کارخانہ سے تیار کرائی جائین گی جس مین پشتے پر سنہرے حرفون مین نام ہوگا، اور جلد کی بالائی سطح پر طلائی نقوش مین "ہال مارک آف علی گڈھ" میرے خیال مین زیادہ سے زیادہ پچاس روپیہ تک ایک سٹ کی قیمت ہوگی،

مین نے آخر مین اردوے معلّی کے لئے دو جلدین رکھی ہین، یورپ کی افراط کے مقابلہ مین ہماری تفریط (بلحاظ تصنیفات) غور طلب ہے، اور سمجھ مین نہین آتا کہ مقررہ صفحے کیونکر بھرے جائین گے، کیونکہ علی گڈھ منتھلی اور اس کے ریکرڈ سے قطع نظر کر لیجئے تو شرر کے برائے نام اخلاقی ناولون اور فسانہ آزاد کے سوا کچھ رہ نہین جاتا، تاہم میرا خیال ہے "علی گڈھ کی صداے اصلی اور آوازہاے بازگشت" جس قدر نکلی ہین وہ بجاے خود کافی ہین، اور ہم اس قدر مواد بہم پہنچا سکتے ہین جس سے افادات سرسید کے تحت مین متعدد ضخیم جلدین تیار ہوجائین، مختصر یہ کہ مواد کی کمی نہین ہے، نہ ایسی زبان کو نادار کہہ سکتے ہین جس مین تمدن عرب، الفاروق اور

حیاتِ جاوید سی مبسوط تالیفات موجود ہون،

بعضون کو خیال ہوگا کہ "لائبریری آف اُرنٹیل لٹریچر" کا خیال ایک حد تک بے وقت کی شہنائی ہے" مگر مین اس سے متفق نہین، ہندوستان سے ہماری قدیم زبانین قریب رخصت ہو چکی ہین، خود ہماری نونہال اردو کی جان کے لالے ہین، ایسی حالت مین گو علومِ قدیم فنا ہو جائین جن کی ہم کو ضرورت نہین تاہم لٹریچر کی بقا کا خیال ایک امر طبعی ہے، ہم یادگارِ سلف کچھ چاہتے ہین، کم سے کم اس لئے کہ اس مجموعۂ زرین سے کچھ نہ ہوگا، تاہم ہماری لائبریری کی آرایش مین اضافہ ہوگا، بہرحال یہ خیال اتنا بے تکا نہین ہے جتنے ہم علمی شوق مین آج گئے گذرے ہین، پڑھنے لکھنے کا مذاق اگر کچھ ہے تو بالائی طور پر اور صرف ضرورۃً کچھ نوجوان ایک وقتِ خاص تک کتابی مشغلہ رکھتے ہین جن کی غایت برائے نام بالغ العلوم ہونا ہے اور کچھ نہین، جہان سے دراصل تعلیم کی ابجد شروع ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہین منزل کا خاتمہ نہین ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نئے پودہ مین سے کوئی ایسا نظر نہین آتا جو محض شرافتِ نفس کے لئے پڑھتا لکھتا ہو، یا کسی حیثیت سے راسخ فی العلم کا مصداق ہو، اور ساری پڑھنے کا رصرف اتنی بات کی ہے کہ کتب بینی با وصف ادعائے تہذیب شرطِ زندگی نہین ہے، جوان سے گئے گذرے ہین یعنی ایک جم غفیر ایسا ہے کہ کتابون کا پڑھنا اور خریدنا سرے سے لغو سمجھتا ہے، جو ایجِ انسانی مین یہی ایک ضرورت ہے جو کسی کو محسوس نہ ہوئی، ایک صاحب معقول تنخواہ پاتے ہین اور

اور گورنمنٹ کے معتمد علیہ ہین، پروفیسر شبلی کی ایک تالیف کے مدت سے شائق تھے، مگر عاریۃً ملتی نہین تھی اور خریداری مین روپیہ ڈیڑھ روپیہ کا صرف تھا جوان کے خیال مین مصنف کے مقابلہ مین ان کی ایک طرح کی شکست تھی، جب کریم آف دی سوسائٹی یعنی رووار لوگون کا یہ حال ہے تو اسی پر اورون کو قیاس کر لیجیے، بعض خرید تو لیتے ہین مگر پڑھتے نہین یا استفادہ کا سلیقہ نہین ہے، امرا سے مین نے پہلے ہی قطع نظر کر لی ہے، کیونکہ ان کے ہان جہالت ایک طرح کا استغنا ہے، چونکہ یہ حسنِ اتفاق سے ایسے ہو پڑے کہ دو وقت کی روٹیون یعنی مفت خوریون کی طرف سے اطمینان ہے، اس لئے علم ان کے لئے ایک بے کار سی چیز ہے، روپیہ وہ پردہ پوش ہے جس کے ہوتے تہذیبِ نفس، اکتسابِ کمال کسی چیز کی ضرورت نہین، بہائم صفت اخلاق بجائے خود مشغول رکھنے کے لئے کافی ہین، دماغی مشغلو کے لئے نہ فرصت نہ صحت! رنگین طبع مسلمانون مین عیش پرستی پہلے بھی سوسائٹی کا جزو رہی ہے جو اس کے قابل نہین ہین، انھین عہد عباسی اور اموی کی پرائیوٹ صحبت آرائیون پر ایک نظر ڈالنی چاہئے، مگر یہ علمی رنگ سے خالی نہین ہوتی تھین، مذاق لٹریچر ہر شخص کا خمیر تھا، اور لطف یہ ہے کہ ایک ہاتھ مین تلوار تو دوسرے مین قلم ضرور ہوتا تھا،

ہمارے دیسی رئیسون کو دیکھئے، بہت کھینچ تان کر اگر ان کو علمی رنگ مین لائیے تو فنونِ لطیفہ کی ایک شاخ سے آگے نہین بڑھتے، یعنی ان کے حصہ مین لے دیکے

ایک طرح کی موسیقی رہ گئی ہے، جو ہندوستان کی جاہلانہ ایجاد ہے، مارشل اسپرٹ
ان مین بھی ہے، مگر اس کا مصرف ان کے ہان کچھ بھی تفصیل کے لائق نہین، علما
اور حکما کی جگہ صحبت مین ارباب نشاط ہین، اور گو انھون نے اہل سیف یا اہل قلم
ہونے کی تکلیف نہین گوارا کی، تاہم سنتا ہون ایک صاحب ہارمونیم نہین، پیانو نہین
"بابا ان"[1] اچھا بجاتے ہین، مین نے بڑی مجبوری سے یہ لفظ لکھا ہے، کیونکہ اظہار خیال
کا کوئی طریقہ نہ تھا، بہرحال کچھ تو ہندوستان کی آب وہوا نے ان کے قوی اور
ترکیب اعضائی کے ساتھ فیاضی نہین کی، کچھ یہ اپنے ہاتھون سے بگڑے، نتیجہ یہ ہے
کہ قوم کے لئے جنھین اپنی وسیع استطاعت، دماغی اوصاف اور مستثنیٰ اخلاقی تربیت
کے لحاظ سے فرشتۂ رحمت ہونا چاہئے تھا، آج وہ "شیاطین الانس" سے کچھ ہی گھٹ کر
ہین! اس لئے ہماری توقعات جیسا پہلے کہہ چکا ہون جو کچھ ہوسکتی ہین، وہ اس طبقہ
سے جو اوسط درجہ کا ہے، اگر ان کو ہم آدمی بنا سکے یعنی علمی مذاق ان مین رچ سکے تو
ہماری آیندہ حالت کی نسبت کوئی خوش آیند پیشین گوئی فلسفیانہ قرائن سے ہوگی
لیکن پہلے ہم کو دیسی طبائع کا سکون اور عدم اضطراب جو ان کے لئے فطرت ثانی
ہو رہا ہے، آئے دن کی چھیڑ چھاڑ یعنی علمی تحریک سے دور کرنا ہے جس مین افادات
سرسید کی کثرت سے اشاعت اور میری خیالی لائبریری کا وجود سب کچھ آگیا، انگریزون
نے پچھلی صدی مین یعنی گذشتہ سال انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۲۵ ضخیم جلدون مین شائع
کی جو واقفیت عامہ کی حیثیت سے ایک جامع ومانع تالیف ہے، اس کی اشاعت

[1] جلد ۲ کا ۱۵۰۲ جز اعظم

ین کم وبیش تین لاکھ روپیہ صرف ہوئے، حال ین "لائبریری آف فیمس لٹریچر"
چھپ کر نکلی جس کا اہتمام بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ لاکھون ہی صرف ہوئے
ہون گے، ایک طرف یہ نمونے ہین، دوسری طرف ایک ساکن غیر متحرک اور
مائل بہ تنزل قوم کو بہ تقاضائے وقت زمانہ کی ترقیات سے ہم سطح کرنا ہے جس مین
نہ قومیت ہے، نہ لٹریچر، نہ کوئی قومی آئیڈیل جس کے ذریعہ سے کسی کوشش پر میلان
قومی یا کسی مقصد کے حصول کے لئے اجماعِ عام ممکن ہو، تاہم کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے،
اور چونکہ سوچنے والے ہمیشہ کام کرنے والے نہین ہوتے، مین صرف اس پر قناعت
کرنا چاہتا ہون کہ یورپ کی دیکھا دیکھی ایک نئی اور مہتم بالشان تجویز اپنی طرف سے
پیش کر دی، اس کی تکمیل یعنی جو چیز ابھی بالقوۃ ہے اُسے فعل مین لانا، اس کے
اسباب اور وسائل پر غور کرنا ان اکابرِ قوم کا فرضِ اخلاقی ہے جو مجھ سے بہتر ضروریاتِ
قومی کو سمجھتے بوجھتے ہین، قبل اس کے کہ اس اسکیم مین کامیابی ہو اور اسی قسم کا کوئی
واقعہ علمی وجود مین آئے، کارلائل کا قول سن رکھئے کہ "فرضِ انسانی مین سب سے
زیادہ اہم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی لائبریری بنائے خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو" اس کا
خیال ہے "کتاب دماغ کے لئے ایسی ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا" شکسپیر
اور اونچا گیا ہے اور کہتا ہے "دنیا مین کوئی تاریکی نہین ہے مگر جہالت" ان اقوال
کی بنا پر اور نیز اس سے پہلے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے لحاظ سے مین امید کرون گا
قوم کے اکثر نوجوان جو میرے مخاطبِ صحیح ہین اس خیال کو پیشِ نظر رکھین گے کہ

ان کی ساری عظمت صرف ان کے ذاتی منتخب کتب خانہ مین ہے،

آیئے! مادّی دنیا سے تھوڑی دیر کے لئے مین آپ کو غیر فانیون مین لئے چلتا
ہون، آپ کی لائبریری جہان بیٹھ کر آپ ایک ہی وقت مین تمام اطراف عالم مین
ہو سکتے ہین، دنیا کی سچی بہشت یا باغ عدن ہے جہان کے پھل اس رسوائی کے
باعث نہین ہون گے جو ہمارے سب سے پہلے والدین کی طرف منسوب کی جاتی
ہے، مین ایسے لوگون سے آپ کو مصافحہ کرتے دیکھتا ہون جنھون نے دنیا مین
انقلابات عظیم پیدا کر دیئے اور گو ان کے ہاتھون نے کبھی تلوار سے کام نہین لیا تاہم
ان کی فتوحات جہانتک عقلی اور دماغی سیاست کا تعلق ہے حریفون یعنی اہل سیف
سے پیچھے نہین ہین، بڑے بڑے فلاسفر، بڑے بڑے علماء اور ریفارمر جو اپنے اپنے
دور مین بہت سستے نہین تھے آج وہ صف بستہ آپ کے سامنے ہین، اور آپ کی جنبش
چشم کے تابع، تاریخ بتائے گی کہ یہ کاغذی سرمایہ ان بزرگون کی عمرون کی کمائی ہے،
زمانہ نے گو ان کی ہڈیان خاک کر دین، مگر ان کے جوہر یعنی اجزائے غیر فانی کو مٹا
نہ سکا، اور یہی ان لوگون کی حقیقی زندگی ہے جس کی نسبت بے تکلف دعویٰ کیا جا سکتا
ہے کہ وہ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کائنات مین اضمحلال طبعی واقع نہ ہو،

اچھا! یہ سہل الحصول روحین جنھین اس وقت مین آپ کے زمرۂ مصاحبین مین دیکھتا
ہون آپ سے کیا چاہتی ہین؟ کچھ نہین سوا اس کے کہ ان کی خاموش ہدایتون کو اپنا
رہنما اور مقدمۂ زندگی بنایئے اور یاد رکھئے کہ گو دنیا مین معیار فوقیت ہمیشہ بدلتے رہتے
ہین، مگر موجودہ دنیا جو ترقی کی حیثیت سے عالم شباب مین ہے اور جس کے ثمر پیش رس

آجکل کی عقلی ایجادات اور دماغی انکشافات ہین، صرف ان لوگون کی بقا کی حامی ہے
جو علمی حیثیت سے امتیاز رکھتے ہون، فرشتہ ہونے کا وقت نہین رہا، یہ منصب ان
لوگون کا تھا جن کے زبردست تخیلات عالم غیر مادی سے مناسبت رکھتے تھے،
ہم کو انسان ہونا ہے مگر کامل یا قریب کامل، اور یہ اس وقت تک ممکن
نہین جب تک کہ زندگی کی کشمکش اور ضروری مشاغل کے ساتھ بھی ہم اتنے رہے ہین
کہ کتب بینی ہمارے لئے مشغلہ عیش ہو، جو دنیا مین سب سے بڑی اور اختیاری خوشی ہے

(البشیر ۱۹۰۳ء)
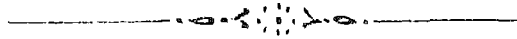
ترکون کی معاشرت

اردو لٹریچر دنیا کی اور مہذب زبانون کے مقابلہ مین اس قدر کم مایہ ہے کہ سالانہ اشاعت کی تعداد اتنی بھی نہین ہوتی جو انگلیون پر گنی جا سکے، ملک کے زبردست اہل قلم باستثنا، علامہ شبلی آج کل قریب قریب سب گویا ریٹایرڈ لسٹ پر ہین، یعنی ان لوگون کو جو کچھ کہنا سننا تھا ایک زمانہ مین کہہ سن چکے، اور اب جدھر دیکھیے خاموشی ہی خاموشی ہے، اس عام ناداری مین کبھی اچھی کتاب کوئی ہاتھ آجائے تو غنیمت معلوم ہوتی ہے، اس وقت مین مترجم ہاجرہ کی ایک جدید تالیف کی تقریب کرنا چاہتا ہون جو اس تحریر کا عنوان ہے، لیکن نفس مطالب سے پہلے اسی سلسلہ مین کچھ اور کہنا ہے،

آجکل ہمارے لئے اس سے زیادہ دلچسپ مشغلہ کوئی نہین ہے کہ ہم اس بات کا پتہ لگائین کہ اور اسلامی ممالک مین جہان مغربی اثر ترقی کر رہا ہے، خصائص مشرقی کے ساتھ تمدن اور معاشرت کی کیا حالت ہے، یعنی یورپ کے دماغی او

اخلاقی تصرفات سے اور جگہ مسلمان کتنے بنے بگڑے ؟ ہم کہاں ہیں؟ یہ معلوم ہو کہ مصر و ٹرکی ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ حالت میں ہیں، اس لئے اُن تغیرات کی اگر ہم ٹوہ لگا سکے جو بتدریج وہاں پیش آرہے ہیں، تو ہم کو سلسلہ کی درمیانی کڑیاں مل جائینگی اور ہم اندازہ کر سکیں گے کہ بلحاظ خصائص مشترک ہم میں کہاں تک صلاحیت ہے کہ دنیا کی شایستہ اور متمدن اقوام سے آیندہ کبھی ہم سطح ہو سکیں، اس طرح ہم رفتہ رفتہ تمدن کے وسیع حدود میں پیش قدمی کے لائق ہو سکیں گے اور وہ خدفاصل کم ہوتی جائے گی جو مشرق و مغرب میں سرِدست حائل ہے،

مصر و ٹرکی کے متعلق ہمارے وسائل واقفیت وہ تصنیفات ہیں جو انگریزی میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں، مختلف موضوع پر لکھنے والوں کے قلم اٹھتے رہتے ہیں، لیکن ٹرکش لائف اور اس کے متعلقات میں کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ عموماً مصنف کی کوشش ہوتی ہے کہ معاشرت کے تمام اجزا تحلیل کر کے علیحدہ علیحدہ دکھا دیئے جائیں، خاصکر ٹرکش حرم ایک طلسم سربستہ ہے جس کی عقدہ کشائی کیلئے کم سے کم یونانیوں کی سی لطافتِ خیال اور مذاقِ حسن کی ضرورت ہے، مغربی طرزِ تحریر اور ادائے خیال کے ساتھ خاص حسنِ ترتیب بجائے خود ایک چیز ہے، اس پہ بڑھا ہیئے جزئیات کی ضروری تفصیل جو معاشرت کی جان ہے، اور جن پر بسبب کثرتِ مساوات خود اہلِ ملک کی نگاہ نہیں پڑتی، تاہم چونکہ ٹرکی کے ساتھ یورپ کے سیاسی تعلقات اچھے نہیں ہیں، میں نہیں جانتا بہیئتِ مجموعی کوئی ایسی تصنیف

موجود ہے جو ٹرکش سوسائٹی اور اس کے نظامات زندگی کے متعلق مخلصانہ اظہار خیال
کے ساتھ ہماری توقعات پوری کر سکتی ہو،

افسوس ہے کہ کسی ترک نے کوئی جامع اور مبسوط کتاب اس موضوع پر نہیں
لکھی، ورنہ غیروں کا دست نگر نہ ہونا پڑتا، ہندوستان کا مشہور اور فاضل مورخ بھی ہم کو
اس حیثیت سے بے نیاز نہ کر سکا، سفرنامہ ٹرکی میں وہ امور نہیں دکھائے گئے جن کو
وہ خود متقدمین کی تالیفات میں ڈھونڈھتا ہے، گویا اس کی مورخانہ عظمت کی تکمیل کیلئے
ہندوستان سے باہر کا لے کوسوں محض سفر قسطنطنیہ کا انتساب کافی تھا، یہ فروگذاشت
ایک لٹریری نقصان ہے جس کی تلافی اب نہیں ہو سکتی، لیکن میں خوش ہوں کہ
حال میں ڈائری آف ٹرک شائع ہوئی ہے جس کو ایک ترک کی سرگذشت کہنا
زیادہ تر موزون ہے خلیل خالد (ٹرکی رسم خط کے مطابق "خ" کا نقطہ اڑا دیجئے)
جو نوجوان ٹرکش پارٹی کا ایک ممبر ہے، یہ کتاب اس کے حوادث زندگی یعنی وقائع
عمری کے چند صفحے ہیں، جن میں معاشری اور سیاسی اہم مسائل بھی آگئے ہیں،
یہ کتاب جس کا قالب تمثیل میں بدلا گیا ہے، خلیل خالد نے ارض
آزاد یعنی لندن میں بیٹھ کر لکھی ہے، اور چونکہ وہ گھر کا بھیدی ہے،
اس نے کوئی کمزور رگ چھوڑی نہیں ہے، ٹرکی کا موجودہ انحطاط اس کے خیال
میں شخصی حکومت کے غیر معتدل اقتدار کی وجہ سے ہے جو آجکل کے شائستہ اصول
حکمرانی کے لحاظ سے ایک سیاسی گناہ ہے، جس ملک میں رعایا کوئی آواز نہ رکھتی
ہو، جہاں جائز آزادی اور بغاوت مرادف سے الفاظ ہوں، جہاں ہر جدید پیش قدمی

جابرانہ سیاست کی آہنی گرفت سے باہر ہو یعنی وہ وطنیت اور قومیت کے دلدادہ نوجوانوں کے اعتراضات کی زد
سے علیحدہ نہیں رہ سکتا، خالدہ نے نہایت دریدہ دہنی سے سلطان پر نہیں بلکہ انکی پالیسی پر مختلف پہلوؤں سے
حملہ کیا ہے، اور یہی حیثیت ہے جو اس مختصر کتاب میں نہایت اچھا گر معلوم ہوتی ہے،

بہرحال خالدہ کم سے کم ایک معتبر نائی ہے جس نے گھر کا کچا چٹھا کہہ سنایا ہے
اور ہم کو لائق مترجم کا ممنون ہونا چاہئے کہ ٹرکش لائف کے متعلق یہ دوسری کتاب ہے
جو ان کے قلم کے سایہ میں موزونیت کے ساتھ شائع ہوئی، جس طرح میں نفس
مضامین کی غیر ضروری تفصیل سے اس مضمون کو بڑھانا نہیں چاہتا، میرا خیال ہے
کہ ترجمہ کے متعلق بھی مجھے کچھ کہنا نہیں ہے، لائق مترجم کا نام خود ایک کافی ضمانت
ہے وہ اپنے فن کے اسپشلسٹ ہیں، اور سچ یہ ہے کہ جس لطافت اور برجستگی کیساتھ
یہ زبان کا قالب بدل دیتے ہیں ان ہی کا حصہ ہے، ترجمہ شستگی اور روانی خیال کیساتھ
اتنا تو ہو کہ مستقل کتاب کا دھوکا ہو اور اصلی تصنیف کا خیال تک نہ آئے ایسی بات
ان کے سوا اور کہاں! ایک وصف اضافی اور بھی ہے کہ یہ اپنی کتابوں کو بگڑنے
نہیں دیتے، یعنی چھپائی وغیرہ ٹکسالی اور قیمت نسبتہً کچھ نہیں، میں سمجھتا ہوں مترجم
کی حوصلہ افزائی کے لئے کم سے کم اس کی دوسری کا عملی اعتراف یہ ہے کہ ایک
جلد اس کی ہر تعلیم یافتہ شخص کے پاس ہونی چاہئے، مصنفین کے ساتھ اس حیثیت
سے بے پروائی یا عدم توجہی ایک طرح کی خیانت ہے جو آج کل کے علمی دور
میں بہت ہی ناموزوں ہے، ایک طریقہ اور ہے یعنی عاریتہً لے کر دیکھنا لیکن
مس کاربلی جو انگلستان کی موجودہ انشا پردازوں کی صف اول میں ہے، اسے

معیوب بتاتی ہے، مستعار کتابون کا پڑھنا اس کے خیال مین ایسا ہی ہے جیسا دوسرون کے چبائے ہوئے نوالون کا منھ مین پھیرنا جو ذرا اکروہ سا ہے، نفاست چاہتی ہے "دوشیزۂ کاغذی" دست غیر کی مس کردہ نہ ہو، یعنی اچھوتی اور نئی نویلی ہو،

اسی سلسلہ مین مجھے لائق مترجم سے کچھ کہنا ہے، ترجمہ مین جابجا تصرفات کئے گئے ہین، بلکہ مین کہنا چاہتا تھا، مختلف مقامات پر بعض حصے چھوڑ دیئے گئے ہین، حالانکہ اصلی کتاب جس اسپرٹ مین لکھی گئی ہے اس کا اقتضا طبعی یہ تھا کہ ترجمہ مین ایک حرف متروک نہ ہوتا، سلطان المعظم کی نسبت ہمارا ذاتی میلان طبع کچھ ہی ہو، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عظمت وعقیدت واقعات کو بدل نہین سکتے، جن مقامات کو مترجم نے نظر انداز کیا ہے بعض جگہ وہی بیان واقعہ کی جان تھے، مثلاً خالد کا ایک واقعہ لیجئے، وہ ایک موقع پر یورپین احباب کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہے، میز پر لا یعنی گوشت (خنزیر) اور شراب دونون موجود ہین، وہ شوخی سے کہتا ہے، مجھ کو ولایتی گوشت سے طبعاً نفرت تھی، جس کا نظارہ ہی میری اشتہا کے زائل کرنے کیلئے کافی تھا، اور گو دونون چیزین ایک سان ممنوع ہین تاہم مین نہین کہہ سکتا پچھلی چیز یعنی شراب سے کہان تک محترز رہ سکا! لائق مترجم اس پچھلے حصہ کو پی گئے، آخر خالد مین اس قدر سنجیدگی پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی جو نفس واقعہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے، بہرحال مین رعایت کے ساتھ بھی اس قسم کے متروکات کو جائز نہین سمجھتا، صرف اس لئے نہین کہ واقعہ نگاری کی حیثیت بدل گئی، بلکہ ساری

کتاب پھیکی پڑگئی اور ذائقہ اصلی کچھ سے کچھ ہو گیا جس کا افسوس ہے،

اب دیباچہ پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہون، جو بجائے خود ایک مستقل چیز ہے، اور جس سے لائق مترجم کچھ آگے بڑھ کر زمرہ مصنفین کی حدود مین داخل ہوتے ہین، لیکن دیباچہ کو نسبتہً اتنا ہی ہونا چاہیئے جیسے کھانے مین نمک، سیکڑون صفحے الٹنے کے بعد بھی اصل کتاب کا پتہ نہین چلتا، جس سے جی اُکتا جاتا ہے، مین اس وقت اس سے تعرض کرنا نہین چاہتا کہ پردہ کی بحث، ڈائری آف اے ٹرک کے ساتھ کہان تک خارج از موضوع یعنی گول خانہ مین چوکھنٹی چیز ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مدت سے بھرے بیٹھے تھے، جدید اشاعت اظہار خیال کا ایک ذریعہ ہو گئی لیکن یہ ممکن تھا کہ یہ حصہ ضمیمہ کے طور پر کتاب کے آخر مین شامل کر دیا جاتا، آئندہ ایڈیشنز مین اس کا موقع باقی رہتا ہے،

رہی پردہ کی بحث، جہان تک لائق لکھنے والے نے داد تحقیق دی ہے وہ اس حیثیت سے لائقِ اعتراف ہے کہ ایک خاص بحث کے متعلق اس قدر مواد ایک جگہ فراہم کر دیا گیا، اصل مسئلہ وہ تنکے کی اوٹ پہاڑ ہے، مین نہین جانتا کوئی دو ٹکڑے بات کہہ سکون گا، مین ان طالب علمانہ کج بحثیون سے واقف ہون جو پردہ کی حمایت یا مخالفت مین ہوتی رہتی ہین، حال مین جواز پردہ کے سلسلہ مین ایک عالمانہ تاریخی مضمون نکلا، جس سے قریب قریب نوجوانون کے دل بیٹھ گئے، جن کا پردۂ مروجہ کی نسبت خیال تھا کہ منجملہ اور بیوقوفیون کے ایک یہ بھی

ہے، اور اس لغویت کا سلسلہ آگے (یعنی تاریخ گذشتہ میں) نہیں چل سکتا ہے، اسی
مضمون میں سید امیر علی پر بھی لے دے ہوئی ہے جو نوجوانوں کا پیشوا ہے علمی ہو
یا نہ ہو، تاہم یورپ میں وہ اسلامی دنیا کا ایک مستند فلسفی مورخ سمجھا جاتا ہے جو
صرف مؤلف یعنی جامع واقعات ہی نہیں ہے بلکہ طبائع عالم کا نباض ہے، اس نے
اپنی قیمتی تالیفات میں ہر جگہ اپنا یہ درجہ قائم رکھا ہے،

نائنٹینتھ سنچری میں اس نے زنان اسلام پر جو جامع اور بے نظیر آرٹیکل لکھا تھا وہ
جب تک انگلش لٹریچر دنیا میں باقی ہے، اس کی غیر فانی یادگار رہیگا، بہرحال سید
امیر علی کی غائبانہ پردہ دری کے ساتھ چونکہ ضمناً نوجوان تعلیم یافتہ بھی مخاطب ہیں اسلئے
نہایت ادب کے ساتھ جواباً صرف یہ عرض کیا جا سکتا ہے،

ترا گاہے گریبانے نہ شد چاک
چہ دانی لذتِ دیوانگی را

جن صاحبوں کو اس پامال مسئلہ میں دردسری پسند ہے ان کو نیک نیتی کیساتھ
یہ صلاح دی جا سکتی ہے کہ وہ مصر کے ایک روشن ضمیر فاضل کی تصنیفات "تحریر المراۃ"
اور "مراۃ الجدید" کو پیش نظر رکھیں جس میں ہر پہلو سے یہ بحث طے کردی گئی ہے،
بہتیرے ایسے بھی ہوں گے جو اس قسم کے مسائل کو صرف مذہبی رخ سے دیکھنا
چاہتے ہیں اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے افعال کے محرکات اس زمانہ میں کچھ اور ہیں
انیسویں صدی کے ایک بہت بڑے عالم کے خیال کے مطابق مذہب کے

دو حصے ہو سکتے ہین، اعتقادی اور عملی۔ عملیات کا زیادہ تر حصہ صرف مختص المقام سوسائٹی
اور اس کی لوکل ضروریات ہوا کرتی ہین، اور یہ "پیران نمی پرند و مریدان می پرانند" کی حیثیت
سے ہے کہ ہم کسی مذہب کے عملی احکام مین اتنی جامعیت اور وسعت تسلیم کرین کہ وہ باوصف
اختلاف حالات، اختلاف طبائع، اختلاف اسباب خارجی، صدیون کے تغیرات کے
بعد بھی تمام ضروریات انسانی کا کفیل ہو، وہ آئین وضوابط جو ایک وحشی یا نیم مہذب سوسائٹی
کی فی الوقت اصلاح کے لئے ہون، ایک متمدن اور شایستہ قوم کے لئے "وضع الشیٔ
فی غیر محلہ" سے بھی زیادہ گئے گذرے ہین، بہرحال یہ ایک فلسفی کی جو طبائع کائنات کا
رازدار ہے ایک آزادانہ رائے ہے مگر ایسی رائے ہے جو سرسری طور سے ٹالنے
کے لائق نہین ہے۔

روشن خیال علماے اسلام کا خیال ہے کہ شرائع ضروریات انسانی کے تابع
ہین جس طرح ضروریات انسانی بدلتی رہتی ہین شرائع مین بھی ربڑ کے سے تمدد یعنی
گھٹنے بڑھنے کی خاصیت موجود ہے، کیونکہ اسلام اصولاً ایک ایسا مذہب ہے جو اول
اُن لوگون کی دماغی قابلیت اور گردوپیش کے حالات کے مطابق ہو لیتا ہے جو اسے
قبول کرتے ہین، اور بعد مین ان کی دماغی اور اخلاقی سطح کو بلند کرتا ہے یعنی اسلام ایک
ترقی پذیر مذہب ہے اور ایک بڑی حد تک مسلمانون کی ناکامیون کا سراغ اگر
مل سکتا ہے تو اسی اصول کے نظرانداز کرنے مین، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دماغی تحریک اور
تمدنی ترقی کا اثر سچے مذہب کے روحانی اور اخلاقی حصہ پر کچھ نہین ہوتا، اور جو مفاسد

مذہب میں بجائے اس کے کہ وہ خود علم میں تحلیل ہو جائے ہر قسم کے علم و تہذیب کے جذب کرنے کی قابلیت ہوتی ہے، کچھ شک نہیں جہانتک اسلام کا تعلق ہے یہ خیال ایک کافی حد تک صحیح ہے۔ لیکن یہ کھینچا تانی صرف ایک طرح کی من سمجھوتی ہے

مسلمانون کے عام تنزل کے اسباب پر بہت بحث ہو چکی ہے، بہت سے لکچر دیئے گئے، رسالے شائع ہوئے، مگر اصلی بات کسی کے منہ سے نہین نکلتی، کوئی صاحب فرماتے بھی ہین تو دبی زبان سے تاکہ ان کی مقبولیت مین فرق نہ آئے،

اس لئے صاف صاف سن لیجئے کہ تمدنی امور مین سرے سے مذہب کو تکلیف دینے کی ضرورت نہین، ہمارے افعال کو صرف حیثیت افادی اور فوائد اخلاقی کا تابع ہونا چاہئے، یہی اصول موضوعہ آج شایستہ اور مہذب دنیا کی ترقیات کا عنوان ہے، ایک کام کو اس لیے کیجئے کہ اس مین بمقابلہ ضرر کے فوائد کے پہلو زیادہ ہین اور یہ کہ فی نفسہ وہ اچھا ہے، اور چونکہ ہر فعل خود اپنی مکافات ہے مین نہین جانتا اخلاقی منظوری کے سوا کسی اور منظوری کی ضرورت ہے، یہی حیثیت افادی ہے جس کا مذاق یورپ مین رچ گیا ہے اور قریب قریب ان کا خمیر ہو رہا ہے جو ان کی ترقی اور آزادی کی روح ہے، اگر آج وہ ہماری طرح مذہبی گرداب مین پھنسے ہوتے تو وہ تغیرات جو ترقی انسانی کے اجزائے عناصر ہین سرے سے وجود مین نہ آتے

یونانیون کا تخیل صرف تکمیل انسانیت تھا یعنی وہ ہستی موجودہ سے آگے نہین جاتے تھے، ان کے خیال مین قوائے فطری کی کامل نشو و نما اور ان کا معتدل استعمال

بس یہی غایتِ زندگی تھی، یہی خیال شاگردانہ حیثیت سے یورپ نے حاصل کیا، یورپ کا موجودہ تمدن اسی خیال کا نتیجہ ہے، برخلاف اس کے ہم آج تک یہ سمجھ رہے ہین کہ ہماری ہستی جو گہوارے سے شروع ہوتی ہے اور ہیئت موجودہ یقینی قبر سے پہلے ختم ہو جائے گی، ایک حرف غلط ہے، ترقی کا افتتاح آغوشِ لحد مین پہنچکر ہوگا، ہین نہین جانتا ان خیالات کے ساتھ کوئی قوم دنیا مین کہان تک متمدن اقوام سے ہم سطح ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے،

خیام کا فلسفۂ زندگی آج کل کی شایستگی سے ملتا جلتا ہے جس نے شوخی سے نقد کو اُدھار پر ترجیح دی ہے، یعنی ہستی موجودہ کی تحقیر نہین کرتا جو تبدیلِ ہیئت یعنی موت سے پہلے اپنی تکمیل چاہتی ہے، یہی تکمیل ہمارے تمدنی مسائل کے فیصلہ کا عنوان ہونا چاہئے، جن مین سے ایک عورتون کا پردہ ہے، یہ ایک نہایت قدیم رسم ہے جو مختلف اقوام و ملل مین وقتاً فوقتاً رہی ہے جس کو اسلام کے ساتھ کوئی تخصیص نہین تمدن کے ابتدائی دور مین عورت کی حالت غلامی کی حالت سے کچھ اچھی نہ تھی، رومیون اور یونانیون کے حالات پڑھیے، جاہلیتِ عرب کی رسمون کا پتہ لگائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایشیا کی بعض قومون مین عورت کا شوہر کی وفات کے بعد زندہ رہنا ہی سرے سے غیر ضروری سمجھا جاتا تھا، یورپ کا اس حیثیت سے ذکر ہی نہ آئے تو اچھا ہے،

بہرحال ہر زمانہ مین عورت ایک اضافی اور ضمنی شئے سمجھی گئی، جو محض حصولِ لذّت

کے لیے مردون کے نفسانی جذبات کا تختۂ مشق بنتی رہی، تاریخ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون
نے اپنی ترقی کے دور مین ایک حد تک عورت کو آزادی اور تمدنی اور قانونی حقوق
عطا کیے، لیکن جب اس کے اچھے دن تھے تب بھی وہ اپنے آقا کا ایک ضمیمہ یعنی
زیادہ سے زیادہ کنیز تھی، کوئی مستقل وجود نہین رکھتی تھی، یہی خیال وراثت طبعی کی حیثیت
سے کسی نہ کسی پیرایہ مین آج تک چلا آتا ہے، اگر ہم اس خیال کی تحلیل کرین تو معلوم
ہوگا کہ پردۂ مروجہ اسی تنگ خیالی کا ایک ثمرہ ہے جو صدیون سے عورت کی
آزادی کے خلاف ہماری فطرت کا ایک جزو ہوگئی ہے، عورت مرد کی جسمانی ساخت
تمام ہی ہے کہ اعضا، حواس، عقل وفکر، جذبات وخیالات اور ان تمام امور کے لحاظ
سے جو انسانیت کے اجزاے ترکیبی ہین، دونون مین کوئی فرق نہین، پھر یہ غیر ضروری
تفریق ہماری وحشیانہ قدامت پسندی کے سوا اور کیا معنی رکھتی ہے،

آج کل زمانہ تزاحم فی الحیات کے سلسلہ مین جکڑا ہوا ہے، یعنی کوئی قوم دنیا
مین باقی نہین رہ سکتی ہے، جب تک وہ بمقابلہ اور اقوام عالم کے ترقی کی دوڑ مین
پیش پیش نہ ہو، اور ترقی کی بنیاد صرف عقل پر ہے، یعنی انسان کی ترقی کے اس کے
سوا کوئی معنی نہین ہین کہ اس کی عقلی قوتون کو وسعت دی جائے، کیونکہ یہی قوتین تمام
انسانی امور پر مسلط ہین، یہ مسلم ہے کہ عقلی توسیع صرف علمی اختراعات وانکشافات پر
منحصر ہے اور آئندہ صدیون مین کسی ایسی ترقی کی امید نہین کی جاسکتی، جو ایجادات عقلی
کے سوا کسی دوسرے عوامل ومؤثرات پر منحصر ہو، غرض ترقی کے اصلی اسباب صرف

عقل یا اس کے متعلقات ہین مل سکتے ہین جس کے لئے ہم کو سب سے پہلے یہ کرنا ہے کہ مردون سے پہلو بہ پہلو عورتون کی طبعی، اخلاقی، اور دماغی قوتون کو کامل نشو و نما اور تحریک دی جائے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہین کہ گرفتاران قفس یعنی عورتین پردہ کی اوٹ سے باہر نہ آئین۔

موجودہ مغربی تمدن ایک سائنس ہے، وہ اپنا قدرتی نصاب اپنے ساتھ رکھتا ہے اور میرے آپ کے خاص طرح کے مجموعہ خیالات کا تابع نہین ہے، ہم کو عارفان طبقات الارض نے بتایا ہے کہ انسانی زندگی کی ابتدائی تاریخ کہان سے شروع ہوئی اور کس طرح اوائل مین وہ بلحاظ سلسلۂ آفرینش صرف جماد، پھر نبات، پھر حیوان تھا، یہان تک کہ طبقۂ اسفل کی مخلوقات بڑھتے بڑھتے اور ترقی کرتے کرتے صدیون کے انقلابات اور متواتر تغیرات ارتقائی کے بعد انسان تک پہنچی، غرض یہ امر پیش نظر رکھنے کے بعد کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے بین نہین جاسکتا اختلاف جنس کے سوا مرد و عورت مین کوئی تفریق ممکن ہے، عورت مرد کی طرح فطرۃً ایک مستقل وجود رکھتی ہے اور وہ اپنے افعال و جوارح مین اتنی ہی آزاد ہے، جس قدر اس کا فرد مقابل، اس لئے انسانی پیداوار کے "نصف بہتر حصہ" کی روپوشی یعنی ناک کان چھید کر، گھر کی چار دیواری مین نظربند رکھنا ایک طرح کا غیر ضروری تعطل اور واضع آئین فطرت کی غایت اصلی کے لحاظ سے بالکل غیر طبعی امر ہے، جن لوگون کا خیال ہے کہ ہماری عورتین اپنے فیصلہ قسمت یعنی

دائم الحبس رہنے پر راضی ہین اُن کو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ یہ رضا اگر ہو ایسی ہی ہوگی جس طرح پر شکستہ طائر قفس اپنی محدود وسعت پر قانع ہوتا ہے جن کو اصرار ہو وہ کم سے کم ایک ہفتہ میری خاطر سے پردہ مین بیٹھ کر دیکھ لین، ناک کان کی حفاظت میرا ذمہ" تجربہ بتائے گا کہ یہ حالت خلقۃً فرد انسانی کے دونون اجزار کے لئے بے جوڑ سی ہی گو صدیون کی مشق و مساوات سے ایک کے لئے عادت مستمرہ ہو رہی ہو مختصر یہ کہ بیسدین صدی کے تمدن کی طرف سے یہ امر بلا خوف تردید پیش کیا جا سکتا ہے کہ صنف نازک کا چہرہ اور ہاتھ "ستر عورت" نہین ہے اور اس لئے قطعاً چھپانے کی چیز نہین

ہر قوم کے لئے ہر زمانہ مین اس کی عقلی حالت کے مناسب خاص خاص اخلاق وعادات ہوتے ہین جو ملکی آب و ہوا، باہمی میل جول، مذہبی عقائد، لٹریری خیالات علمی اختراعات اور سیاسی نظامات کے تحت مین آہستہ آہستہ اور بتدریج بدلتے رہتے ہین، اور جس قدر قوم کی عقل ترقی کی طرف حرکت کرتی ہے اسی قدر اخلاق وعادات پر اس کا اثر پڑتا ہے، موجودہ زمانہ ارتقار عقلی کا دور ہے، صدیون کے زنگ ایک دم سے نہ سہی رفتہ رفتہ چھوٹین گے، اور جن مسائل پر مجتہدانہ آج دو شخص بھی متحد الخیال نہین ہو سکتے، کبھی کسی زمانہ مین ہماری آیندہ ترقی کے موضوعاتِ ابتدائی ہون گے

افسوس ہے کہ ہندوستان کے مسلمانون مین گوری چٹی عذرا، اور زہرا کی جگہ سانولی کریمن اور نصیبن پیدا ہونے لگین، ان کے بھی ناک، کان محفوظ نہین صدیان گذر گئین کرتی اور نیفے کا جوڑ نہ مل سکا! دوسری اصلاحون کی کہانتک

امید ہوسکتی ہے، سچ یہ ہے کہ رواجی پردہ ایک طرح کی عیب پوشی ہے، یہان تو جیتے جی بیویان چار کی جگہ دو کے کندھون پر یعنی ڈولیون مین چڑھی پھرتی ہین، جن ممالک مین گھر سے باہر زمین پر پانون رکھنے کا رواج ہے وہان بھی ایک طرح کی کفنیان یعنی برقعے استعمال ہوتے ہین، لیڈیان تھیلون مین! یہ ہماری موجودہ تہذیب کا خاکہ ہے جس پر ہم کو ناز ہے اور اصرار ہے کہ گویا ہم سے خالص مغربیت کی کوئی ادا چھوٹنے نہ پائے، تاہم عورتین اسی بسیط اور ابتدائی حالت مین رہین جو ایام جاہلیت سے پہلے تھی، ساری تہذیب حرم سرا کے باہر ختم ہو جاتی ہے اور بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ بھی عورتون کے نظامات زندگی کو سرے سے مس کرنا نہین چاہتا

لیکن مین خوش ہون کہ مصر و ٹرکی مین جو تغیرات پیش آرہے ہین وہ بہت ہی امید افزا ہین، خوفناک برقعون کی جگہ "فریچہ" (ایک متناسب الاعضا اوور کوٹ) اور "یشمک" (نقاب) کو ملتی جاتی ہے، ایک وقت آئے گا کہ نازنینان حرم یعنی سرکیشیا کی پریون کے خوبصورت چہرون کے لئے صرف ہلکی سی نقاب کافی ہوگی، یہ تو خیر ایک فقرۂ معترضہ تھا، مگر اسے طے شدہ سمجھئے کہ ہم کو اپنی آیندہ نسل کی ترقی کے لئے یہ کرنا ہے کہ جن گہوارون مین ان کی ابتدائی نشو و نما ہو وہ نمونۂ شائستگی اور دماغی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ہر طرح کے فنون لطیفہ سے آراستہ و پیراستہ ہون اور یہ قطعاً ممکن نہین جب تک موجودہ گھونگھٹ کو خیرباد نہ کہا جائے، عورتون کی آزادی کے خلاف جو شواہد پیش کئے جاسکتے ہین ان مین آزادی کا جو فی نفسہ

اچھی چیز ہے ہمیشہ غلط استعمال ہوا ہوگا اس کی روک تھام کرنی ہوگی، بے شک یہ ایک دن کا کام نہین، نہ یہ منظور ہے کہ کل کا ہوتا آج ہی سب کچھ ہو جائے مگر اصولاً ہم کو ایک بات طے کر لینی چاہیئے،

زمانہ بہت آگے نکل آیا ہے، یہ مسائل ایک طرفہ اب حجرون مین بیٹھ کر طے نہین ہو سکتے، فضائے عالم مین نکلیے، نظام کائنات اور طبائع موجودات کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان کی عام تاریخ کا رخ بدلا ہوا ہے، اور گو ابھی وہ مرکز دریافت نہین ہوا جس کے گرد مسلسل اور باترتیب واقعات حلقہ زن ہوتے ہین، تاہم کوئی غایت اصلی ہے جس طرف حوادث انسانی افتان وخیزان جا رہے ہین، گذشتہ دنیا کی کایا پلٹ ہو گئی ہے، آئے دن کے تغیرات نے نظامات زندگی کو درہم برہم کر رکھا ہے، اس لئے وقت کا فتویٰ بھی کچھ اور ہے،

آج جاپان کی ترقی کی کیا حالت ہوگی، اگر ہندوستان سے رواجی پردہ کا سبق لے کر اپنے ملک مین گھر گھر نافذ کرے یعنی یہان کے ثقہ اور سنجیدہ اہل الرائے کے خیال کے مطابق جاپانی لیڈیان بھی دستانہ کی طرح چبھنے والی محرم مین کس کسا کر دہرائے ہوئے آنچل مین کچھ غائب کرتی اور سر سے پانون تک زیورون سے لدی چھما چھم کرتی ہوئی گھرون مین بیٹھ جائین! بیشک ایک نیا دور شروع ہو جائے گا، لیکن بنی بنائی قوم اور اس کی حاصل کردہ ترقیات کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائین گے

کہا جاتا ہے پس پردہ سب کچھ ممکن ہے، ڈولیون کے ذریعہ سے فلسفۂ عالیہ سکھاؤ،

این خیال ست ومحال ست وجنون !

افسوس ہے کہ ایک ضمنی بحث مجھے کہان سے کہان لے گئی، اس بے تکلفی مین یاد نہین رہا ہین نے لائق مترجم کو کہان چھوڑا تھا، ترکون کی معاشرت ایک نہایت وسیع عنوان ہے، یورپ کی تصنیفات تو غالبًا ایک ایک کرکے صاحب ترجمہ کے پیش نظر ہون گی جن مین سے ایک امرکن لیڈی کی جدید تصنیف ماخذ کی حیثیت سے بہت دلچسپ ہے، لیکن مین بالتخصیص مشہور ٹرکش لیڈی یعنی عدالت کے اس سلسلۂ مضامین کی طرف ان کو متوجہ کرنا چاہتا ہون جو ولایت کے نامور علمی رسالون مین متفرق طور پر نکلے ہین، میرے خیال مین حشو وزوائد سے علٰحدہ ہوکر نفس مضمون مین اتنی گنجایش ہے کہ وہ بہت پھیلایا جاسکتا ہے، اور ہندوستان کی پبلک مولوی محمد حسن خان کی شکر گذار ہوگی اگر وہ ترکون سے کبھی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملا سکے،

(علیگڑھ منتھلی ۱۹۰۵ء)

علامہ شبلی کا ماہوار علمی رسالہ

آج چھ کروڑ مسلمان تو خیر، اسٹریچی ہال کی مقتدر جماعت کے پاس بھی کوئی علمی رسالہ نہیں جو معلوماتِ غائرہ اور انکشافاتِ عصریہ کے لحاظ سے قوم کے دماغی افق کی توسیع کر سکتا ہو، تہذیب الاخلاق سلسلۂ جدید، سرسید کا نفسِ واپسین تھا جو ان کی طرح ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا، اور اس کا زندہ کرنا اصولِ طبعی کے لحاظ سے ناممکن ہے؟

"ہر لالۂ پژمردہ نخواہد شگفت"

لیکن افسوس ہے کہ ہم جوانمرگ معارف کو جو تہذیب الاخلاق کا خلفِ صالح تھا زندہ نہ رکھ سکے، معارف کی چار سالہ جلدوں کو دیکھئے، صرف یہ ہی نہیں کہ وہ یورپ کے اچھے سے اچھے علمی پرچوں سے برا نہیں۔ "اصحاب المعارف" نے جس طرح دادِ تحقیق دی ہے، اور عربی و ٹرکی لٹریچر کے اجزا جس طرح شائستگی اور قابلیت کے ساتھ اردو میں لئے گئے ہیں، لکھنے والوں کا خاص حصہ ہے، میرا خیال ہے موجودہ رفتارِ دماغی کے ساتھ ہم مدتوں اس قابل نہیں ہوں گے کہ

اس قسم کے مضامین کی وقعت کا کوئی صحیح اندازہ کر سکین، لائق لکھنے والون نے علی گڈہ کی نئی پیداوار کی طرح کوئی "زبانِ غیر" نہین لکھی ہے، بلکہ جس وسیع تمدن کا خاکہ کھینچا گیا ہے معلوم ہوتا ہے اس کی اصلی زبان معارف کی زبان تھی لیکن ان مخصوص اوصاف کے ساتھ بھی نتیجہ کیا ہوا، دو سال تک یہ پرچہ ایک رئیس کی سرپرستی مین رئیسانہ حیثیت سے نکلا، نفس مضامین، کاغذ، تقطیع، غرض پرچہ کے تمام اجزاے ترکیبی "کلاسیکل" تھے، دو سال کے بعد اس نے صورت بدلی، اقامت بدلی، آخر آخر اس کی ہیئتِ ظاہری لکھنؤ کے بازاری پرچون سے کچھ ہی اچھی تھی، محلون کا رہنے والا جھونپڑے مین کیا پہنچا، پانی پت کی مٹی تھی ٹھکانے لگی، مولوی وحید الدین سلیم کو اپنے طبع زاد نونہال کا سسک سسک کر جان دینا آج تک یاد ہوگا، بہر حال اس لٹریری حادثہ کا ذمہ دار کون ہے؟ یقینی مسلمان! لیکن چھوٹی امت نہین بلکہ کچھ وہی روادار لوگ جو اپر انڈیا کے طبقۂ اعلیٰ مین ہین، اور زیادہ تر "ینگ علی گڈہ" پارٹی جس کی زندگی مین صحیح مذاقِ علمی کا اس وقت تک پتہ نہین؟

"البشیر" مسلمانانِ ہندوستان کو بحیثیت ایک "فارن" قوم کے دیکھنا چاہتا ہے لیکن یہ خیال قہقہہ کے لائق ہے، قومیت یعنی "نیشنلٹی" کے جتنے لوازم ہین میرا خیال ہے یہان کبھی حاصل نہین ہون گے، اس لئے مجموعی ترقی کے لئے متعدد صدیان بھی کافی نہین، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ چند منتخب افراد کو کسی ایک مرکزِ خیال کا محیط بنایا جائے، اور یہی لوگ میرے مخاطبِ صحیح ہین جنکی

غذاے دماغی کیلیے ضرورت تھی کہ "کانفرنس معارف" کو متبنی کرلیتی "بولایت" "وحید الدین سلیم" اور "رشید احمد
سالم" جنکے قلم کے سایہ مین یہ ہونہار معصوم پھوتا پھلتا، لیکن ہین بھولا، کانفرنس ایک علمی اور کاروباری جماعت
ہی، یا کم سی کم ہونا چاہتی ہی، اور اس لحاظ سی اس کا وجود بدعت سے خالی نہین کہ یہ علم سے پہلے
عمل چاہتی ہے جس کی طرف بہ زعم خود اسی نے مفید پیش قدمیان کی ہین۔ "لٹریری"
حیثیت سے یہ اتنی گری ہوئی ہے کہ امید نہین کوئی علمی تحریک اس کی تعمیلات
کے "فائل" مین داخل ہوسکے، شواہد لیجیے، رپورٹین وقت پر نہین شائع ہوتین، جو
نکلتی ہین وہ بھی "لارڈ کرزن" کے ضوابطِ اختصار کے زیر اثر، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مہینون
کے انتظار کے بعد بھی پڑھنے کو قریب قریب کچھ نہین ملتا،

"اسپیچین" عموماً زبانی ہوتی ہین، اور یہ امر بولنے والے کے رحم پر چھوڑ دیا جاتا ہی،
کہ اظہارِ فصاحت کے بعد وہ پھر کبھی ضبطِ تحریر مین لائی جائین، جو بہت زیادہ نمود کے
ہین، ان کا استغنا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ آزادی خیال سرے سے قیدِ تحریر پسند
نہین کرتی، مختصر یہ کہ رپورٹ اتنی مفصل اور دلچسپ نہین ہوتی، جس کی امید ایک
ایسی "ہیئت الاجتماعیہ" (سوسائٹی) سے ہوسکتی تھی، جو ۶ کرور مسلمانون کی پیشوا
علمی ہو، شائقینِ کانفرنس مین ایسون کی تعداد کم نہین ہے، جن کو شرکت کا موقع نہین
ملتا، اور وہ صرف اس خیال سے صبر ہوتے ہین کہ سال کے سال مکمل رپورٹ ان کے
ہاتھون مین ہو اور وہ تعلیم یافتہ حضرات کے خیالات یعنی اردو لٹریچر کے بہتر سے بہتر
نمونے سے گھر بیٹھے لطف اٹھا سکین، یہ توقع کہان تک پوری ہوتی ہے مین بانیان

کانفرنس کے سلیقۂ احساس پر چھوڑتا ہون،

بولنے والون مین صرف ایک شخص ہے جو اپنے دماغی نتائج کی حفاظت کرتا ہے اور تاجرانہ پالیسی کو بھی نظرانداز نہین ہونے دیتا یعنی "علامہ نذیر احمد" کانفرنس کے سامنے کی پکائی ہنڈیا پیش کرتے ہین، کچی رسوئی کے شائق نہین اور اس حیثیت سے ہم ان کے ممنون ہین لیکن اُن کے پچھلے لکچر اس قدر پھیکے اور بدمزہ ہوئے ہین کہ آج تک بے نمکی بھولی نہین ہے، ایک پچھلے موقع پر انھون نے جو کچھ کہا وہ ان کی اچھی خاصی "اٹوبیاگرفی" تھی جس مین ایک سانس مین وہ تمام ذاتی واقعات دہرائے گئے تھے جن کی تفصیل سے متعدد موقعون پر جستہ جستہ یہ اور لکچرون مین بھی بالکل نہین چوکے، مشرقی شاعر اسے قند مکرر کہے گا، مگر چچوری ہوئی ہڈیان بار بار منھ مین، ناگوار سا ہوتا ہے، ان کی گھبراہٹ سے معلوم ہوتا ہے، جیسے ان کو یا تو یہ سنی ہو کہ ان کے بعد ان کے واقعاتِ زندگی کا سمیٹنے والا کوئی نہین ہوگا، لکچر کا زیادہ تر حصہ وہی فوائد قرآنی کے متعلق ہوتا ہے جو ان کے ترجمہ کے ساتھ مخصوص ہین، اور جن کی الہامی تکمیل ان کی ہستی کی علتِ غائی ہے، مختصر یہ کہ بعض فاضلون کی قوت کا بہترین استعمال نہین ہوتا، یعنی ملک کے اچھے لکھنے والون کو خاص سبجکٹ نہین دیئے جاتے، نہ علمی مضامین کے لئے کسی قسم کے معاوضہ کی ضرورت سمجھی جاتی ہے،

سرسید کے بعد اردو لٹریچر کی جان کے لالے پڑ گئے ہین، اور مین نہین جانتا کانفرنس نے بالذات یا بوسائط کہان تک ان حریفانہ کوششون کی مقاومت

کی ہے جو اس معصوم زبان کو صفحۂ ہستی سے معدوم کرنا چاہتی ہین، ایک یادگار موقع پر نہایت گرم جوشی سے کہا گیا تھا کہ "اردو کا جنازہ ہم دھوم سے اٹھائین گے" لیکن موجودہ سرد مہری اور بے التفاتی تو یہ کہہ رہی ہے کہ اگر سرپرستون اور وارثون کے یہی طور طریقے ہین تو ایک دن طاعونی لاش کی طرح عالمِ کس مپرسی مین یہ بیچاری چپ چپاتے پیوندِ خاک کر دی جائے گی، بہتیرے روپیٹ کر بیٹھ رہین گے، کچھ ایسے ہین جو مصلحت یعنی اپنی کمزوریون کے لحاظ سے آنسو پی جائین گے، بہرحال لٹریچر کی حیثیت سے کانفرنس بہیئتِ مجموعی اس کی مصداق ہو رہی ہے، ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو مین دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

اس لئے ہم کو بانیانِ کانفرنس اور علی گڈھ کی نئی پیداوار سے سردست قطع نظر کر لینی چاہئے کیونکہ یہ جس قدر ترقی کرین گے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ چھوٹتا جائے گا، اور ایک زمانہ آئے گا کہ علی گڈھ کی "لٹریری ڈائری" بالکل سادی اور کوری ہوگی، اظہارِ خیال اور استنباطِ نتائج کے لئے صرف علم الاعداد کافی ہوگا،

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اور اور جگہ کیا ہو رہا ہے، علی گڈھ کے حریف کیمپ یعنی "ندوۃ العلماء" پر مین اس وقت کوئی تفصیلی نظر ڈالنا نہین چاہتا، نہ مجھکو اس سے بحث ہے کہ عربی لٹریچر کی تجدید جہان تک آج کل کی ترقیات کے مؤثرات کا تعلق ہے، مذہب کی طرح اسبابِ ثنویہ مین محسوب ہونے کے لائق ہے یا

یہ نہین مانتا کہ علی گڑہ پارٹی "ندوۃ العلما" کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتی ہے ممکن ہے بعض اسے بے وقعت کی شہنائی سمجھتے ہون لیکن نئے خیال والون کا حصۂ غالب عربی کی تعلیم کو صرف "زبان ثانی" کی حیثیت سے پسند کرتا ہے یعنی مغربی علوم کی تحصیل کے ساتھ ضمناً جس سے غالباً مقصود یہ ہوگا کہ "جامع ازہر" کی طرح قوم کا کوئی حصہ غیر ضروری اور متروک مشاغل کے لئے وقف نہ ہو جائے اور جو کچھ ہو صرف مستشرقانہ حیثیت سے جس مین قدیم لٹریچر کے باقیات الصالحات کی تجدید مقصود بالذات نہین ہوتی بلکہ کوئی اہم غایت ہے جس کے لئے کرم خوردہ اوراق کی الٹ پھیر کی دردسری گوارا کی جاتی ہے مختصر یہ کہ نیا گروہ ایک منٹ کے لئے بھی ان مسلمات سے علٰحدہ ہونا نہین چاہتا جو ہماری موجودہ اور آیندہ زندگی کا طے شدہ عنوان ہین لیکن مین اُس اضافی بحث سے علٰحدہ ہو کر سردست "الندوہ" پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہون جو واجب الادب علما کا ایک ماہوار علمی رسالہ ہے اور جس کے ایڈیٹر یا روح روان جو کچھ کہئے "علامہ شبلی" ہین "الندوہ" سے جو کچھ دلچسپی ہے اسی حیثیت سے کیونکہ شبلی گو آجکل ہم سے ٹوٹ کر وقف اغیار ہو رہے ہین تاہم روابط سابقہ کی بنا پر یہ قطعاً ہماری چیز ہین اور ہم برسون کے گہرے تعلقات کے بعد اُن سے دست بردار نہین ہوسکتے لیکن سچ یہ ہے کہ ان کی جامعیت "نئے پرانے خیال والون کی ملک مشترک ہے اس لئے اس کی ضرورت نہین کہ یہ کسی ایک کے ہو رہین۔

پرچہ سے پہلے فاضل اڈیٹر پر کچھ ریویو کرنا منظور ہے، مگر یہ اس قدر مشکل کام ہے کہ سمجھ
مین نہین آیا کہان سے شروع کرون، اردو لٹریچر کے پیدا کرنے والے تھوڑے ہین
ان مین بھی تھوڑے ہی ایسے ہین جو آجکل کے وسیع معیارِ قابلیت کے لحاظ سے اہلِ
قلم کی صفِ اوّل مین شامل ہونے کے لائق ہون، سر سید سے قطع نظر کرنے کے بعد
جن کو باستحقاق اولیت کا فخر حاصل ہے، میرا خیال ہے شبلی بلحاظ فن صرف ہندوستان
نہین بلکہ تمام اسلامی دنیا مین کسی سے دوسرے درجہ پر نہین ہین، اس کو میری قاصر نظری
یا علمی فرومایگی پر نہ محمول کیجئے، فلسفۂ تاریخ جو آج کل تمام علوم مین سرِ فہرست ہے
ایک مستقل فن ہوگیا ہے اور اس قدر اہم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فاضل مورخانہ
موشگافیون کو بہترین مشغلۂ ہستی سمجھتے ہین، مصری اور ٹرکی لٹریچر مین تاریخی مذاق جس
حد تک موجود ہے مین اس سے بیگانہ نہین ہون، مجھ کو معلوم ہے کہ دونون زبانین
خاصکر اوّل الذکر اس قدر مغربیت سے مانوس ہوگئی ہے کہ وہان کے روشنخیال علمار
مغربی طرزِ تحریر کی خصوصیات کے ساتھ عربی اور ترکی زبانون مین نہایت شائستگی
سے دادِ سخن دے رہے ہین لیکن جن مضامین پر ان کے ہان منقولانہ اور معقولانہ سرگرمی
سے طبع آزمائیان ہو رہی ہین، وہ شبلی کے ہان دست فرسودہ اور مسائلِ ابتدائی ہین
جن کو فاضل مورخ کی سرسری جنبشِ قلم مدت ہوئی ایک سے زیادہ موقعون پر طے
کرچکی ہے،

ملک کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہین ہے کہ مصر کے مشہور رسالہ "الہلال" کا

نامور اڈیٹر علامہ "جرجی زیدان" اپنی تاریخ "تمدنِ اسلام" میں جو متعدد جلدوں میں ختم ہوگی علامہ شبلی کی تحقیقات سے بے نیاز نہ رہ سکا، اور اس نے سنداً اقتباسات کئے،

بہرحال ہم میں صرف شبلی ایسا شخص ہے جو بلحاظ جامعیت اور وسیع النظری مؤرخانہ تدقیق اور مذاقِ فن کی حیثیت سے آج یورپ کے بڑے سے بڑے مؤرخ سے پہلو بہ پہلو ہو سکتا ہے،

یورپ کو شکایت ہے کہ مسلمانوں میں متقدمین بلکہ متاخرین میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جسے صحیح معنوں میں اگر حفظِ روایات سے قطع نظر کی جائے تو مورخ کہنا درست ہو، یعنی استقصاے روایات کے سلسلہ میں کسی نے اپنے ماخذوں کی چھان بین نہیں کی، نہ غیر مرتب مواد سے کسی دور یا کسی زمانہ میں ایسے نتائج حاصل کئے گئے جن میں طبیعتِ انسانی کے اقتضا، زمانہ کی خصوصیتیں، منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائنِ عقلی سے مدد لی گئی ہو،

ابن خلدون کا نام بار بار لیا جاتا ہے جس نے تاریخ پر فلسفہ کا رنگ چڑھانا چاہا، مگر خود اس کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے خیالات قوت سے فعل میں نہ آسکے، یہ بالکل صحیح ہے، لیکن آج ہم بیسویں صدی کے ایک فاضل مورخ کو پیش کرتے ہیں جس کا دائرۂ معلومات اس قدر وسیع ہے کہ وہ اپنے سلسلۂ تحقیقات میں صدیوں کی فروگذاشت کی تلافی کرتا جاتا ہے، اور اگر وقت نے مساعدت کی اور اس کا تخیل پورا ہو سکا تو تاریخ اسلامی کے مہماتِ مسائل ایک ایک کر کے طے کر دیئے جائیں گے،

کہا جاتا ہے کہ دلّی اور لکھنؤ کے گوشون مین اب بھی بہتیرے علما پڑے ہین ممکن ہے ؛ لیکن کسی شخص کا دماغ دوسرون کے علوم وفنون سے بھرا ہو مگر اس مین خود تحقیق یا اختراع کا مادہ نہ ہو تو ایک بیکار سی چیز ہے، اس لئے ایک حکیم کے خیال کے مطابق اصلی قابلیت صرف وہ وسائل یعنی طریقۂ استعمال ہے جس سے مواد گذشتہ کارآمد بنایا جا سکے یہی تصرفات ہین جن کی بنا پر ایک ادیب یا مورخ کو لائق سے لائق شخص پر جو صرف جامع اللغات ہو تو ترجیح حاصل ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نرے الفاظ موخر الذکر کے ہان کچھ زیادہ ہی ہوتے ہین، انسانی احساسات وخیالات اور تحقیقات واختراعات کی مسلسل تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے اور کارلائل کہتا ہے کہ جس شخص کو چھپے ہوے حروف تہجی کا راز معلوم ہے وہ اسے قوت آخذہ سے اپنا کر سکتا ہے، صرف صداے اصلی کی تلاش کا ذوق صحیح ہونا چاہیئے، ہان شبلی، فاضل شبلی نقوش حرفی کا رازدار ہے، اس نے اپنے ماخذون کی چھان بین مین صرف صداے اصلی سے غرض رکھی، اور اپنے وسیع سلسلۂ تحقیقات مین زبردست قوت استقرائی کے ساتھ اسباب ونتائج کی تفریعات فلسفیانہ سے آجکل کے ترقی یافتہ مذاق کے مطابق اس طرح کام لیا جس سے اس کی آواز بازگشت تمام ملک مین گونج اٹھی اور ہندوستان کے علمی قلمرو مین ایک نیا تاریخی دور شروع ہو گیا،

مختصر یہ کہ آجکل کے مصنفین مین علامہ شبلی کو ایک خاص امتیاز فوقیت حاصل ہے جو ان کے اور ہمعصرون کے حصہ مین نہین آیا، ان کے سخت سے سخت مخالفین

مقابل بھی ان کی تحقیقات کی گرد کو نہیں پہنچتے انھوں نے موضوعِ سخن ایسا اختیار
کیا ہے کہ اگر زمانہ کی رفتار یہی رہی تو زیادہ چلتے معلوم نہیں ہوتے، نذیر احمد اپنی
لائقِ رشک عربیت کے ساتھ بھی کچھ یوں ہی سے رہے، یادش بخیر! حالی نے مسدس
کے ساتھ مقدمۂ شاعری اور حیاتِ جاوید لکھکر اپنا ٹھکانا کر لیا لیکن شبلی قطعاً غیر فانی
ہیں، آج ہزاروں صفحے متعدد جلدوں میں ان کے قلم سے نکل چکے ہیں اور جس موضوع
پر جو کچھ لکھا گیا ہے کسی زبان میں اس سے بہتر مجموعۂ خیال موجود نہیں،

میں نہیں جانتا اس سے زیادہ ہماری توقعات کیا ہو سکتی ہیں، اور چونکہ سلسلۂ
تصنیف با وصف موانع باقاعدہ طور پر جاری ہے، امید ہے ان کی تالیفاتِ موعود
استادانہ حیثیت سے آیندہ بھی ملک کو دماغی اور ادبی سبق دیتی رہیں گی،

افسوس ہے کہ سلسلۂ آصفیہ کی جامعیت سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکا، نہ ان کی مخفی
قوتوں کو کافی تحریک دی گئی، دائرۃ التالیف کا پراسپکٹس مجھے ہمیشہ یاد رہے گا،
جس کی تکمیل تاریخِ اسلامی کے ان عناصر پر جو آج تک سربمہر رہے ہیں بہت کچھ
روشنی ڈالتی، اور ہم متقدمین کی سادہ اور بسیط سلسلۂ روایات کے ساتھ یورپ کی
نکتہ سنجیوں سے بھی بے نیاز ہو جاتے، لیکن میں خوش ہوں کہ الندوہ نے جو اس
تحریک کا موضوعِ اصلی ہے گزشتہ نقصان کی تلافی کر دی ہے، میرا ہمیشہ سے خیال ہے
کہ منتشر معلومات کا بہت بڑا حصہ ایسا ہوتا ہے جس کے اجزا کسی مستقل تصنیف کی
تحت میں نہیں آسکتے، اور ان کے لئے موقت الشیوع پرچوں کی ضرورت ہے، جن

صاحبون نے رسائلِ شبلی کو استفادۃً دیکھا ہے وہ بہت خوش ہون گے کہ مضامین
شبلی کا ایک ضخیم مجموعہ لائقِ حصول ہے یعنی الندوہ کو جاری ہوے دوسرا سال ہی،
۸ پرچے شائع ہو چکے ہین جن کے تخمیناً چھ سو صفحے ہوتے ہین، اور قریب قریب
سب علامہ شبلی کے قلم کے سایہ مین ہین جن مین نہایت بلند پایہ از تخیل مضامین
پر طبع آزمائی کی گئی ہے، یعنی علومِ قدیمہ وجدیدہ کا موازنہ، عربی زبان کی نادرالوجود
کتابون پر تقریظ وتنقید اکابرِ سلف کی سوانح عمریان، ان کے اجتہادات سے
بحث وغیرہ وغیرہ، غرض ایک علمی رسالہ کا اونچے سے اونچا تخیل جو ہو سکتا ہے
پیشِ نظر رکھا گیا ہے، آج کل کے رائج الوقت طالب العلمانہ رسالون کی طرح
ناقص لٹریچر مین دویم درجہ کی معلومات سے مقررہ صفحے نہین بھرے گئے ہین بلکہ
جو کچھ ہے تاریخی لٹریچر کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ ہے،

مثالاً مین صرف "فلسفۂ یونان واسلام" لیتا ہون جو نہایت معرکۃ الآرا مضمون
ہے، اور کئی نمبرون مین ختم ہو گا، آج ملک مین شبلی کے سوا کون ہے جو اس وسیع
اور دقیق مضمون پر قلم آزمائی کی جرأت کر سکے، نہ جاننا بھی مزے کی چیز ہے، اس لئے
بعضون کی سمجھ مین یہ بات نہین آئے گی لیکن ہندوستان کیا اور ممالک مین بھی
دو چار سے زیادہ نہین ہین جو مذاقِ موجودہ کے مطابق مسائلِ قدیمہ کے طے کرنے
کی پوری صلاحیت رکھتے ہون، شبلی ہم مین پہلا شخص ہے جس نے مذہب کے ساتھ
تاریخ وفلسفہ مین ربط باہمی پیدا کیا، اور ان جواہرِ عقلی کی تحلیل وترکیبِ کیمیائی اس طرح

اں کہ لٹریچر میں ایک خاص امتزاج پیدا ہوگیا جس کے آثار ان کے مستقل تاریخی سرمایہ
کے علاوہ "الندوہ" میں کثرت سے ملیں گے عموماً عنوان ایسے ہوتے ہیں جن کو اس سے
پہلے اوروں کے قلم نے اس طرح کبھی مس نہیں کیا کس کس کو گناؤں، پوری تفصیل کا
موقع نہیں جس طرح رسائل اخوان الصفا ہمارے گذشتہ ارتقاء عقلی کی لٹریری یادگار
ہیں میرا خیال ہے یہ پرچہ آیندہ نسلوں کے لئے ندوۃ العلماء کے عملی کارناموں کا
ایک جامع گوشوارہ ہوگا،

جن صاحبوں کو میری طرح شبلی کے دل و دماغ کے نتائج سے تعلق رہا ہے وہ
ان مضامین میں ایک خاص بات اور دیکھیں گے یعنی طرزِ ادا (اسٹائل) اس قدر
اچھوتا اور "صاف" ہے کہ بڑے سے بڑا فصیح البیان بھی اس قسم کے دقیق مسائل کو اتنی
برجستگی اور لطافت کے ساتھ ادا نہیں کرسکتا، اور گو فصاحت ان کی تمام تالیفات
کا قدرتی خاصہ ہے جس میں اہتمام کو دخل نہیں تاہم یہ حیثیت یعنی قادر الکلامی کیساتھ
حسنِ بیان مضامینِ متذکرہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے،

غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی "اردوے خاصہ" کی داد دیتی جس نے ایک
ناچیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ
اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے، جو ابھی
پرائی ہوئی محفل نہیں بیٹھ سکتی تھی، اور ان شعراء سے گاڑھا اشتیاد رہا، یہ اقتضاء سن
بری طرح کھل کھیلی، ہاتھ پاؤں نکالے، اور بہتیرے بنائے بگاڑے، کیونکہ ایک زمانہ

شیدائی تھا لیکن یہ باتون ہی مین سب کو ٹالتی رہی، بعض جگہ بے آبروئی کے سامان
ہو ہو کر رہ گئے اور بال بال بچی، آخر آخر مین ملک کے منچلے یعنی ناول تو یہان تک
ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے کہ اس کی پردہ دری مین کچھ اٹھا نہین رکھا تھا، کبھی کبھی دبی
زبان سے اُسے یہ کہتے سنا،

"اری اٹھ جاؤن گی مین صحنک سے"

لیکن دفعتہً اس کی حالت نے پلٹا کھایا، کثرت فواحش باعث سنجیدگی ہوگئی
اچھے دن آتے ہین تو بگڑی بنجاتی ہے، اب وہ مقدس علما کی کنیزون مین داخل
ہے لیکن سنا گیا خوش اوصاف شبلی سے زیادہ مانوس ہے اور قریب قریب
ان ہی کے تصرف مین رہتی ہے، الندوہ اسی تعلق کا ایک ثمر بیش بہا ہے،
پہلے اس کی قیمت للعہ مقرر کی گئی تھی، اب صرف دو روپیہ سالانہ رکھے
گئے ہین، میرے خیال مین کوئی وقیع علمی پرچہ تمام دنیا مین اس سے زیادہ سستا
نہین ہوسکتا، خاصکر جب چھپائی، کاغذ اچھے سے اچھا ہو، لیکن بیٹر ایڈیٹران لوگون
مین ہین جو حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی چاہتے ہین، یہ اصول ممدوح
کی تمام تصنیفات مین ملحوظ رہتا ہے، اور کوئی کتاب کسی کتبخانہ سے پیش کر
دی جاتی، ان اوصاف کے ساتھ یہ پرچہ گویا نعمت ہے لیکن علما کے موجودہ
دور آخری کی یادگار کی تھا اگر منظور ہے تو اس نونہال کو ہاتھون ہاتھ لینا ہوگا، اپنی
کی قیمت کی تلافی اگر ہوسکتی ہے تو کثرت اشاعت سے اور اس کی چلتی ہوئی تد

یہ ہے کہ ہر خریدار کم سے کم ایک ایک نام اور بڑھائے، ورنہ خوف ہے کہ ایک دن
اس کو بھی روتے رہ جائین گے، بیشک یہ دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہین ہوگا، پرچے
آیندہ بھی جاری ہون گے، لیکن شبلی یعنی ہندوستان مین تاریخ کا معلم اول پھر کہان!
دنیا کے نہایت گہرے تعلقات بھی راہ چلتے کی صاحب سلامت ہین، سرسید چلے
گئے، دوچار رفیق کہین کہین رہ گئے ہین، ایک ایک کرکے ہم سے رخصت ہوجائین گے
اچھا! تو بڑے سے بڑا فلسفۂ زندگی یہ ہے کہ وقت موجودہ سے جہان تک ممکن ہے
استفادہ کا کوئی پہلو رہ نہ جائے، اس لئے چلتے چلاتے جو کچھ ان کے دماغون کی تحویل
مین بچا کھچا رہ گیا ہے وہ تو نکلوا لیجئے، ورنہ یاد رہے گورون کی اردو دستی ہے، چلنے
علی گڈہ کالج مین سنوا دون، دور از حال لیں یہ قطع ہوجائے گی، غالب کی اردو فارسی
بندشون کی افراط کے ساتھ جیسی ہوتی تھی یہی حالت آجکل مخلوط اردو کی انگریزی الفاظ
کے ثقل آمیزش سے ہورہی ہے لیکن امید ہے "الندوہ" ملکی لٹریچر کو ان آلائشون سے
صاف ستھرا کرکے رہیگا، کیا اچھا تھا اگر اس کا نام "الجامع" ہوتا، تب بھی ندوہ ہی کا پرچہ
رہتا، موجودہ نام آپ ہی آپ کچھ کھٹکتا ہے، اور غیر ضروری سنجیدگی کے ساتھ ایک ساکن
اور غیر متحرک شے خیال مین آتی ہے، شگفتگی نام کو بھی نہین، لیکن "الندوہ" ایک ایسی
قائم المزاج جماعت کا پرچہ ہے کہ میری طفلانہ تحریک شاید ہی کسی متعینہ تغیر کی طرف
مائل کرسکے، تاہم یہ کہنے سے باز نہین رہ سکتا کہ شبلی کے تعلق سے تو "الجامع" ہی
موزون تھا،

(البشیر ۱۹۰۶ء)

نامی پریس کانپور

کی

لٹریری خدمات

پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۔۔۔ سینہ جویاے زخم کاری ہے

آجکل دو کتابین سرعت کے ساتھ "نامی پریس" مین چھپ رہی ہین ایک تو یادش بخیر اس شخص کی جدید تالیف ہے جو آج ادبی حیثیت سے ہزار ہا بہت تر یافتہ دماغون کا حکمران ہے، یعنی "معلم شبلی" کی تقریظ مثنوی، دوسری اُن کے خلیفۂ وقت، یعنی "مؤلف البرامکہ" کا نقشِ ثانی ہے یعنی تذکرۂ نظام الملک طوسی جو سلسلۂ وزراے اسلام کی دوسری جلد ہے،

ان کتابون پر تفصیلی نظر اس سلسلۂ مضامین کا موضوعِ خاص ہوگا جو آیندہ تالیفاتِ جدیدہ کے عنوان سے البشیر مین ملک کے "شریف تر لٹریچر" سے متعلق مستقلاً قائم کیا جائے گا، یہان بالتحقیق یہ دکھلانا ہے کہ جس زمانہ سے سرسید نے لکھنے پڑھنے کو رواج دیا، یعنی ایک خاص طرح کا لٹریچر عالمِ وجود مین آیا اسکے

ہی مرحوم کا یہ بھی خیال تھا کہ لٹریچر کی ترقی کے لئے ٹائپ کا رواج لازم سا ہے، یعنی وہ ملک کی روز افزون دماغی ضروریات کے لحاظ سے پتھر کی گھس گھس کو پسند نہین کرتے تھے، چنانچہ مطبوعاتِ "سائنٹفک سوسائٹی" وغیرہ کا بیشتر حصہ اور تہذیب الاخلاق کے پرچے ہمیشہ ٹائپ مین چھپے، رفتہ رفتہ "علی گڈہ کی صدائے اصلی اور آوازہائے بازگشت" کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہونے لگا، سال کے سال کانفرنس نے بھی لٹریچر مین مستقل اضافے شروع کئے، ان کے لئے کسی اضافی مگر خوش حیثیت پریس کی ضرورت تھی، اس تقریب سے مفید عام آگرہ منظرِ عام پر آیا اور لٹریری دنیا روشناس ہوئی،

علی گڈہ لٹریچر کا زیادہ تر حصہ مفید عام نے شائع کیا ہے، اور جن صاحبون نے ابتدائی پاکیزہ مطبوعات اور آخر آخر مین تمدنِ عرب کے ٹھاٹھ دیکھے ہین، وہ اسے تسلیم کرین گے کہ اس "صوفیانہ پریس" نے شریف تر لٹریچر کی اشاعت مین جس قدر حصہ لیا ہے اس کے نتائج وسیع تاریخی حیثیت رکھتے ہین، وہ نقوش جو ظاہراً پتھر سے کاغذ پر منتقل ہوتے رہے آج اس لطیف دماغی سطح پر ہین جو ہمیشہ "معلمِ غیر ذی روح" کا تختۂ مشق رہی ہے، جس کے آثار اگر خصائصِ قومی کوئی چیز ہین تو رہتی دنیا تک مٹنے والے نہین،

مختصر یہ کہ سرسید اور ان کے لٹریری دائرہ نے کبھی اسے پسند نہین کیا کہ اُن کی تصنیفات کسی عامیانہ پریس کو دی جائین، اس لئے صرف "مفید عام" سے واسطہ رکھا گیا، جس نے اپنے فرائض خودداری کے ساتھ ادا کئے، ورنہ ملک

ہین دویم درجے کے مطابع، آڑے ترچھے حاشیون کے ساتھ "نسخۂ لاجواب مفید ہر شیخ و شاب" کے شائع کرنے والے کم نہین ہین، جہان نری "مولویانہ تصنیفات" آئے دن "سیاہ و سفید" قالب اختیار کرتی رہتی ہین،

ایک حکیم کے خیال ہین شائستگی کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی کے جتنے صیغے ہین عملاً اس ہین متناسب موزونیت ہو، یعنی شائستگی کا کوئی رکن کسی حیثیت سے چھوٹنے نہ پائے، یہ نہین ہوسکتا کہ جہان کوئی صاحب مغربی تہذیب اور لباس سے آراستہ پیراستہ ہین، کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہوتے ساتے صرف "لنگوٹی" پر قناعت کی گئی ہو (میری غرض اس لفظ سے صرف اصطلاحی مفہوم سے ہے) شاید یہ ایک طرح کا بے ساختہ پن ہوتا ہم اس کے مکروہ ہونے ہین تو شک نہین، لیکن ہم ہین بڑے سے بڑا سفید پوش بھی اکثر ان اوصاف سے معرّا دیکھا جاتا ہے اور بے تمیزی ایک طرح کی سادگی سمجھی جاتی ہے، بہرحال جس خاص موزونیت کی طرف ہین آپ کو لیجانا چاہتا ہون اس کا اقتضائے طبعی یہ ہے کہ زندگی کی ہر شاخ ہین متوازی اور مساوی ترقی کے آثار پائے جائین یعنی کہین سے بے تکاپن نہ ہو، اگر مین غلطی نہین کرتا تو سر سید کے تمام افعال ارادی اور اضطراری ہین اس اصول کی رعایت ملحوظ ہوتی تھی، جس طرح وسیع نظامات پر انھون نے اپنے عظیم الشان تخیل کی بنیاد قائم کی تھی جس کے مادی شواہد آج ہم اپنی آنکھون سے دیکھ رہے ہین، یہی اہتمام وہ چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے کرتے تھے جو کالج یا اُس کے متعلقات کا ایک

جز و ہو سکتی تھی ،

یہ ظاہر ہے کہ مرحوم کے بعد علی گڈہ لٹریچر مین بلحاظ وصف یا مقدار چندان اضافہ نہین ہوا ، یہ اور بات ہے کہ کبھی ضرورت ہوئی تو پڑھے ہوئے سبق دہرا لیئے گئے تاہم اس نہین نہین پر بھی کچھ نہ کچھ مواد جمع ہوتا رہتا ہے ، مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ عموماً غیر وقیع مطابع کو دیا جاتا ہے جو آجکل ہر گلی کوچے مین حشرات الارض کی طرح نکل پڑے ہین ،

پچھلے چند سالون کی کانفرنس کی رپورٹون کو دیکھئے کتنی بری چھپی ہین جنھین دیکھکر نفرت ہوتی ہے ، خود سرسید کی ایک لائق قدر تصنیف ایک بازاری پریس سے ہوکر نکلی ، یہ لنگوٹی "نہین تو اور کیا ہے ؟ یہ امور کتنے ہی رکیک ہون تاہم ایسے خاصان قوم کے اصلی مذاق کی ایک حد تک غمازی تو ہوتی ہے ، مجھے اصرار ہے کہ "علی گڈہ لٹریچر" کو بلا استثنا ، اول درجہ کے پریس مین چھپنا چاہیئے ، موجودہ پالیسی لائق اصلاح ہے اور شاید اسی کا اثر ہے کہ "مفید عام" کی لطافت اور صفائی مین بھی ایک طرح کا انحطاط شروع ہوگیا ہے ، یعنی وہ پہلی سی بات نہین ، قاعدہ ہے بازار مین زیادہ تر وہی چیز آتی ہے جس کی عموماً مانگ ہوتی ہے ،

لیکن مین نہایت خوش ہون کہ آجکل ایک "شریف پریس" ملک کے "شریف تر لٹریچر" کے لئے وقفِ خاص ہو رہا ہے اور اپنے طرز عمل سے ثابت کرتا جاتا ہے کہ بیسوین صدی کے اختراعات کے ساتھ بھی "لیتھوگراف" کے صنعتی تصرفات ایسے

نہین ہین جن سے ایک منٹ کے لئے بھی دست بردار ہونا ممکن ہو، مضطرب یورپ
کی عاجلانہ ضرورتین صرف ٹائپ کی سرعت رفتار سے پوری ہو سکتی ہین لیکن وہان
بھی تزئین و آرایش کے موقعون پر لیتھوگراف کی ضرورت ہوتی ہے، گو طریقۂ کاروائی
کسی قدر مختلف ہو، ہم کو نامی پریس کا ممنون ہونا چاہئے کہ وہ ایسے زمانہ مین جب کسی
چیز کی اچھائی کا اندازہ اُس کے اوصاف سے نہین بلکہ سستے دامون سے کیا جاتا
ہے، قیمتی لٹریچر کے اجزا سے زرّین غیر معمولی نفاست و پاکیزگی سے پیش کرتا رہتا ہے
اور غالبًا وہ اس حیثیت سے تمام مشرق مین منفرد ہے، ملک مین آج پانون کے
ولایتی جوڑون پر معمولًا ایک اشرفی صرف کرنے والے تو بہتیرے ہین لیکن اس
وضعدار جماعت مین کتنے ایسے ہین جو بالالتزام نامی پریس کی شائع کردہ "جلدہائے خاصے"
کی خریداری کو حفظِ مرتبت کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہون، بہرحال سچی وقعت کی
کمی سے لٹریچر کی کتنی ہی کساد بازاری ہو تاہم نامی پریس اصولاً جرمن نہین بلکہ انگلش
ہے یعنی اس کی پیداوار آخور کی بھرتی نہین ہوتی بلکہ جو چیز ہے ٹکسالی اور آپ اپنی نظیر ہے،
اس وقت تک اس پریس سے جتنی لائق ذکر تصنیفات نکل چکی ہین انکی تفصیل غالبًا یہ ہے:

۱- الفاروق (۲) البرامکہ (۳) حیاتِ جاوید (۴) رباعیاتِ حالی

۵- الغزالی (۶) الکلام (۷) دیوانِ شبلی

بعض جزئیات کی تصریح خاص لٹریری مقاصد کے لحاظ سے ناگزیر سی ہے
اس لئے مین بتانا چاہتا ہون کہ "الغزالی" کی جلد خاصہ کے لئے جو کاغذ استعمال کیا گیا ہے

غالبًا اس سے پہلے ملک کی کسی تصنیف کو اتنا قیمتی کاغذ نصیب نہین ہوا، کم وبیش
یہی حال اور کتابون کا بھی ہے، خطاطی اور چھپائی ایک سے ایک بڑھکر، بس یہ
معلوم ہوتا ہے سنگِ مرمر پر سنگِ اسود کی پچی کاری کی گئی ہے، یورپ مین "بیسکرول"
بہترین ساخت کا کاغذ سمجھا جاتا ہے جس کی کتابی تقطیع کے ایک کوائر یعنی ۱۲۰ تختوں
کی قیمت گیارہ روپیہ ہوتی ہے لیکن نامی پریس نے حال مین ایک کاغذ منگوایا
ہے جو "بیسکرول" کی طرح برف سا سفید اور نہایت چکنا اور لطافت مین اس سے
بڑھا ہوا ہے یعنی ہلکا ہے اور لاگت مین تو نسبتہً کچھ نہین "الکلام" اور "دیوانِ شبلی" قسم
اوّل مین یہی کاغذ لگایا گیا ہے، اور اسی پر تالیفاتِ موعود کی جن کا ذکر شروع مین آچکا
ہے، جلد خاصہ چھپ رہی ہے، ناظرین قبل از وقت درخواستین بھیجکر ایک ایک جلد
اپنے لئے محفوظ کرا سکتے ہین۔

تالیفاتِ متذکرہ کے علاوہ دو کتابین اور ہین جو منشی رحمت اللہ رعد نے خاص
اہتمام سے اپنی ایڈیٹری مین شائع کی ہین،

یعنی "دیوانِ حافظ" اور "آثار الصنادید" اور یہ ایک ایسی مفید جدت ہے جسکی
طرف ملک کے اور لائق اصحاب کو بھی متوجہ ہونا چاہیئے، آج جو لوگ مستقل تصنیفات
کے مالک ہین ان مین وسیع تراجم کا بالکل رواج نہین ہے اور اس کا تو خیال بھی
کسی کو نہین آتا کہ کوئی قدیم تصنیف محققانہ نوٹ وحواشی کے ساتھ شائع کی جائے
اور گو یورپ کی مستشرقیت کا اعتراف نہایت فیاضانہ الفاظ مین کیا جاتا ہے لیکن

وہان کے نمونون کی پیروی کا خیال، تفکر بالقوۃ سے آگے نہین بڑھتا، یہ بھی لٹریچر
کی حق تلفی کا ایک پیرایہ ہے جو نا قدردانانِ سخن کے ہاتھون ہوتی رہتی ہے بہر حال
ہم آرعد کے ممنون ہین کہ انھون نے ایک جدید بیش قدمی کی،

ابھی مجھے یہ دکھانا باقی ہے کہ عموماً کتابون کی لوح یعنی "سرِورق" کے آرایشی
تکلفات آرعد کی نازک خیالی اور ایجاد پسند طبیعت کا بہترین مرقع ہوتے ہین،

"آرٹ" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے تصرفات کے سلسلہ مین نیچر سے قریب
و متماثل ہوتا جائے، آرعد اس نکتہ کو خوب سمجھتے ہین، اور سچ یہ ہے کہ فنونِ لطیفہ کی
جس شاخ کو انھون نے اپنی جدتِ اختراع اور صنعت آرائیون سے چمکایا ہے وہ
ان کو من حیث الفن، اختصاصی (اسپشلسٹ) ثابت کرتی ہے اور یہ خود ایک کمال ہی

بعضون کا خیال ہے کہ مسلمانون مین کسی حد تک ارتقار عقلی شروع ہوگیا ہی
اگر یہ صحیح ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم دل خوش کرنے کو مانے لیتے ہین کہ موجودہ
دور (جس مین "تقریظ مثنوی" اور "نظام الملک طوسی" کی لائف عنقریب عالمِ محسوسات
مین قدم رکھنے والی ہین) دماغی حیثیت سے اس وقت کے گئے گذرے مسلمانون
کا "نشأۃ الثانیہ" ہے، اس خیال کے ساتھ ہی وہ "ادب العالیہ" یعنی "کلاسیکل" مجموعہ
زرین پیشِ نظر ہوگیا، جسے "نامی پریس" نے وقتاً فوقتاً شائع کیا ہے، ان مکلف اور
خوبصورت جلدون کو ایک جگہ رکھکر دیکھئے، کیا یہ کسی مٹی ہوئی قوم کے عقلی آثار
ہین؟ ہرگز نہین، یہ صحائفِ زرنگار تو کچھ اور کہہ رہے ہین، ان کی ایک ایک جلد

مطبع سے براہ راست برٹش میوزیم، انڈیا آفس، پیرس کے کتب خانۂ عامہ اور اردو لٹریچر کے پرفیسر گارسن ڈی ٹاسی" کے پاس ہدیۃً بھیجی تھین یعنی دنیا کے اور فائق تر لٹریچر کے دائرہ مین ان کو دخل کرنا تھا، ملکی فضل و کمال کے ساتھ صنعت کے عمدہ ترین نمونے تھے، جو یورپ مین علمی نمایش کی حیثیت سے پیش کئے جا سکتے تھے،

ہان ایک بات اور یاد آئی، آرٹسٹ آ بعد کے دست صنعت کی موشگافیان اس وقت تک طلائی اور نقرئی مینا کاری اور مختلف قسم کی نازک رنگ آمیزیون سے آگے نہین بڑھین، اس مین بھی کسی حاشیہ کی بیل کے لئے وہ نمونہ کام مین نہین لایا گیا، جسے اصطلاح مین "کلید یونانی" کہتے ہین، اور جو قدامت کے لحاظ سے ایک کلاسیکل چیز ہے،

میری خواہش تھی کسی موقع پر صرف سادگی سے آرایش کا کام لیا جائے، ایک جدید طریقہ یہ ہے کہ حاشیہ کی درمیانی سطح یعنی پلیٹ کو دبا کر حروف ابھارے جاتے ہین، جس کے لئے کسی رنگ کی ضرورت نہین، سطح کا نشیب و فراز اور کوئی خاص خیال جو نقوش مین ظاہر کیا گیا ہو بجائے خود ایک لطیف صنعت ہے اس کے لئے وہ طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو ریلیف اور ہاف ٹاؤن پروسس مین برتا جاتا ہے، یہ خیال کافی طور پر الفاظ مین ادا نہین ہو سکتا، مغربی نمونے رہبری کرینگے،

دیوانِ شبلی کی لوح نے ترکون کی معاشرت کی جدت کو دبا یا، لیکن بعد اس بڑھاپے مین ابھار کہان سے لاتے، نتیجہ یہ ہوا کہ حروف سپاٹ رہے،

آخر مین حضرت رَعد سے یہ کہنا چاہتا ہون کہ موجودہ بے چین زندگی کے حوائج کو دیکھتے "دیر آید درست آید" ایک بے معنی سا فقرہ ہے، اکسپریس مین اڑنے والے (چھکڑے تو مدت ہوئی متروک ہو چکے ہین) مسافر گاڑیون مین سفر کرنا بھی بلاے جان سمجھتے ہین، آپ کی "کل" خیام کی "فردا سے دیروز" (یعنی آج) سے بدل جاتی تو اچھا تھا، آخر انتظار کی کوئی حد بھی ہے، مولانا روم اور نظام الملک طوسی سے جلد ملائیے تو احسان ہوگا،

یہ بسیط اظہار خیال ایک مستقل عنوان کے تحت مین غالباً بعض صاحبون کی راے مین ایک بے جوڑ سی بات ہوگی، لیکن دنیا مین آج ذرّے بھی سالمات ہو رہے ہین، اور کوئی ایسی چیز موجود فی الخارج نہین ہے جس سے نظامِ کائنات کو کچھ نہ کچھ مدد نہ ملتی ہو، نامی پریس چونکہ بواسطہ ملک کی دماغی ترقی کا کفیل ہے، ضرورت تھی کہ لٹریری گروہ کی طرف سے قومی اخبار مین اس کے مساعیِ جمیلہ کا کافی اعتراف نہ سہی ایک مرتبہ ذکر تو آجائے،

(البشیر سنہ ۱۹۰۶ء)

آدھ گھنٹہ علّامہ شبلی کے ساتھ

فاضل عصر پروفیسر کی تالیف جدید یعنی مولانا رُوم کی لائف جس کے لیے
مدت سے آنکھیں فرشِ راہ تھیں، گھونگھٹ سے باہر آئی اور اس طرح کہ

"عروسِ جمیل و لباسِ حریر"

یورپ میں جہاں مذاقِ حسن پرستی، یعنی ایک طرح کے تناسبِ اجزا کی رعایت
قریب قریب ہر شخص کا خمیر ہو رہی ہے، جہاں شائقین کی نگاہیں کہربائی روشنی
میں جیتی جاگتی "زہرہ ہائے شب" کے مقیاس الشباب اور اس کے برہنہ حصّۂ
افقی کے جائزہ کے لئے وقف رہتی ہیں، ایک سنجیدہ طبقہ ایسا بھی ہے جو کتابوں
کو علمی حرم کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور ان کا دلدادہ ہے، اس کے خیال میں کسی
کتب خانہ کا ایک گوشہ جہاں اس کی منظورِ نظر نازنینوں کا جھرمٹ ہو، اور جو ہمیشہ
اس کی فرصت اور مرضی کی منتظر رہتی ہوں، اس شاہی محل سے کہیں بڑھکر ہے
جس کے لوازم عیش صرف دور سے دیکھنے کی چیز ہیں،

بہرحال ایک ایسا گروہ موجود ہے جو علمی دنیا میں درجۂ استغراق رکھتا ہے

اور زمانہ کے سرد و گرم سے قطعاً بے پروا ہے، اس کا دائرہ مخصوص خود ایک دنیا ہے
جہان ایسے سامانون کی کمی نہین جن سے قوت احساس ہر طرح کی لذت و
انبساط حاصل کرتی رہتی ہے، اسی طبقہ مین کچھ لوگ ایسے بھی ہین جن کی نفاست
اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ معمولی مطبوعات کو پسند نہین کرتے، اور چیدہ
چیدہ کتابون کے خاص خاص ایڈیشن چھپوائے جاتے ہین، حال مین "رباعیات
عمر خیام" کا ایک اڈیشن اسی اصول پر ایک جماعت محدود یعنی صرف دو سو
صاحبون کے لئے چھاپا گیا ہے، جس کی اشاعت صرف ممبرون تک محدود
رہی اور جس کا ایک قیمتی نسخہ خوش نصیبی سے آجکل میرے مطالعہ مین ہے،

ہندوستان مین اس قسم کے معزز شواہد کی اولیت کا فخر "صرف" نامی پریس
کانپور کو حاصل ہے جس کا ذکر ایک دفعہ آچکا ہے، اسی طرح طبقۂ اعلیٰ کے مصنفین
مین علامہ شبلی کی تصنیفات کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کا بہتر سے بہتر ایڈیشن
جو کسی نفیس پسند کے خیال مین آسکتا ہے اکثر لائق حصول ہوتا ہے، موجودہ کتاب
کی جلد خاصہ میرے دعویٰ کے ثبوت مین ہے، اور میرا خیال ہے ملک مین
آج تک اس سے بہتر اڈیشن کسی کتاب کا شائع نہین ہوا، قاعدہ ہے لفافہ اچھا
ہوتا ہے تو ملفوف کو اس سے کہین زیادہ اچھا ہونا چاہیئے، اور گو مین اس وقت
جو کچھ کہنا چاہتا ہون وہ صرف تازہ وارد یعنی "تقریظ مثنوی" کے نیز مقدم کی
حیثیت سے ایک فوری جوش کا اظہار ہوگا "تنقید یعنی مولانا روم کے ساتھ علامہ

شبلی پر قلم اٹھانا فرصت و لیاقت کا کام ہے جسے ملک کے فاضل تر اصحاب کے لئے
چھوڑتا ہوں، اس میں میرا پردہ رہا جاتا ہے، اور ساتھ ہی سرسری طور پر کچھ نہ کچھ کہہ جاؤنگا
جس میں ذمہ داری ہاتھ دھو کر پیچھے نہیں پڑے گی،

"سوانح روم" علامہ شبلی کی تالیفات میں (بشمول دیوان فارسی) سلسلہ کی دسویں
جلد ہے، موضوع سخن اور اس لحاظ سے کہ انھوں نے اپنے ملکۂ راسخہ یعنی فطری
قوت تصنیف سے آج تک وہی کام لیا جو ان کے دل و دماغ کا اچھے سے
اچھا مصرف ہوسکتا تھا، ملک کے مصنفین میں یہ سرفہرست تو نہیں ہی میں دیکھتا
ہوں اب بہت آگے نکلے جاتے ہیں، انھوں نے فلسفۂ تاریخ کو اس لحاظ سے
کہ وقت کی چیز ہے اپنا خاص فن قرار دیا اور ترتیباً جس پیمانہ پر یہ اظہار خیال کرتے
رہے وہ ایک منحرف بھی تسلیم کرے گا کہ اُن کی قوتوں کا صحیح سے صحیح استعمال
تھا کہ جو خیال میں آسکتا ہے، ملک کے اچھے لکھنے والوں میں بعض ایک طرح
کے دھوبی ہیں، یعنی وہ فرمائش سے کچھ نہیں کرتے، اچھی سے اچھی تجویز پیش کیجئے
لیکن اس لئے لائق التفات نہیں ہوگی کہ وہ ان کے صاف و شفاف دماغ کی
گونج نہیں ہے، تاہم وقت آگے چل کر بتائے گا کہ جن دماغوں میں اقتضا سے
وقت کی رعایت اور صحیح قوت فیصلہ نہیں ہے، ان کے نتائج فکر ایک طرح کی
وقتی اور خود رو پیداوار ہیں جن کی شادابی صرف ایک موسمی چیز ہے،

لیکن علامہ شبلی سے ہم کو اس قسم کی شکایت نہیں، یہ خود [illegible] فرمائش

جو کچھ کرتے رہتے ہین وہ ہماری توقعات اور استحقاق سے کہین زیادہ ہے، انکی
مستقل تصنیفات جن کی تعداد اوپر بتائی گئی ۱۳ - ۲۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہین
حالتون کا موازنہ آجکل کے عوائد الرسمیہ (ایٹی کیٹ) کے مطابق خلاف شائستگی
سمجھا جاتا ہے، تاہم یہ تنقید کا ایک ضروری عنصر ہے، لیکن مین اس وقت ان کو انکے
دائرہ کے دوسرے خلاقین ادب سے ٹکرانا نہین چاہتا، صرف یہ دکھانا چاہتا ہون
کہ جس طرح یہ اپنے حلقہ مین غالبًا سب سے کم عمر مصنف ہین، ادبی حیثیت سے یہ
نسبتہً اتنے ہی بڑھے ہوے ہین، اس دماغی فوقیت کا راز صرف یہ ہے کہ خوش نصیب
شبلی نے اپنی ذہنی اور اکتسابی قوتون کی رعایت سے جو وسیع موضوع بحث اختیار
کیا وہ بلا استثنا، اورون کے دسترس سے باہر تھا، اس سے زیادہ موزونیت لائق
رشک ہے جو قوامًا ان کے ہر حصہ تصنیف کا ایک خاصہ ہوتی ہے، اسلامی تاریخ
فلسفہ اور عقائد کے متعلق جس قدر مواد یہ یکجا کر سکے قدیم تاریخ کا گویا نچوڑ ہے جس سے
ایک حد تک تاریخ عربی لٹریچر کی ترتیب ممکن ہے، اسلامی تاریخ کے متعلق ایک
زمانہ مین یورپ نے جس قدر متعصبانہ راے قائم کی تھی، اب رفتہ رفتہ وہ ان سے
دست بردار ہوتا جاتا ہے، موجودہ دور مین جو ہر قسم کی دماغی ترقیات کا دور ہے،
واقعات کا ایک خاص معیار صداقت قائم ہو گیا ہے، ہر واقعہ کی جانچ اجتماعی،
اخلاقی، سیاسی حیثیت سے کی جاتی ہے، چنانچہ یورپ مین علماے مستشرقین کی توجہ
سے جدید سلسلۂ اکتشافات مین اسلام کے متعلق ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا ہے، جن مین

ہمدردانہ التفات کے ساتھ ایک طرح کی سنجیدگی اور بلند نظری پائی جاتی ہے،
تاہم ان علماء کے خیالات کا بیشتر حصہ نظر ثانی چاہتا ہے مین مثلاً محققین یورپ
کے سرخیل یعنی" وان کریمر" کا ذکر کرونگا جس نے ایک رسالہ مختصر الموضوع مین
یہ دکھایا ہے کہ اسلام اپنی ترکیب و ساخت کے لئے کن کن مذاہب کا ممنون ہے
ناظرین عنقریب مفصل اقتباسات دیکھین گے جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ فاضل
مؤرخ نے عمداً استخراج نتائج مین کہان تک بے پروائی سے کام لیا ہے، پھر حال
باوصف اس حسن ظن کے جو آجکل کی جماعت مستشرقین کی طرف سے پیدا ہوتا جاتا
ہے، اس قسم کی مثالین کم نہین ہین جن مین مغربی علماء کی اجتہادی لغزشین اب
بھی محسوس ہوتی ہین،

لیکن پروفیسر شبلی نے جیسا کہ پہلے کسی موقع پر دکھایا گیا ہے ہم کو غیرون سے
قریب قریب بے نیاز کر دیا ہے، یہ جس طرح قدیم تاریخ و لٹریچر کے جامع ہین،
آجکل کے فلسفیانہ انتقادات اور نکتہ سنجیون سے آشنا ہی نہین، بلکہ یہ مذاق ان
مین اس قدر رچا ہوا ہے کہ ان کے طے کردہ مسائل جو دنیا کے سامنے پیش کئے
گئے ہین اس حد تک کامل ہین کہ میرا خیال ہے زمانہ آیندہ بلکہ بعید آیندہ مین بھی
غالباً ان پر کوئی معتد بہ اضافہ نہ ہوسکے گا، اسی طرح ان کے اجتہادات کا (جن کو
تاریخی الہامات کہنا زیادہ تر موزون ہوگا) کوئی حصہ صدیون بعد بھی متروک ہونے
کے لائق نہین ہوگا، اس سے زیادہ شبلی کے غیر فانی ہونے کا ثبوت کیا ہوگا؟ یہ لکھ

رہا ہون اور میری نظر اُن کی بہترین تالیف یعنی الکلام کے دونون حصون پر ہے اور میں بلاخوفِ تردید یہ کہنا چاہتا ہون کہ اگر موجودہ نسل کے لئے دماغی اور عقلی ترقی کے ساتھ اخلاقی تکمیل کی بھی ضرورت ہے تو ہم کو "الکلام" کے ہوتے کسی کتاب کی ضرورت نہین، جو حضرات جدید علم کلام کی ضرورت کا احساس رکھتے ہین وہ دیکھین گے کہ فاضل پروفیسر نے ایک طرف تو بڑے میان یعنی مذہب کی پگڑی نہین اتاری اور ساتھ ہی یورپ کے نوخیز چلبلے پرزون یعنی فلسفہ اور سائنس کے سامنے تیرہ سو برس کے بوڑھے سے ہاتھ نہین جڑوائے، بلکہ دونون مین مصافحہ کرا دیا، یہ معتدل روش جو اس علمی نزاع مین اختیار کی گئی ہے وہ شبلی ہی کا حصہ تھا جو نئے پرانے خیال والون کے متفق علیہ پیشواے علمی ہین، ان کی ثقاہت نے جہان مذہب کی حق تلفی نہین ہونے دی، سائنس و فلسفہ کی مغائرت بھی دور کردی، اور ان کو مذہب کا دست و بازو بنا دیا، آیندہ زمانہ مین جب ہماری عقلی ترقیات کا شباب ہوگا شبلی کو اپنے مساعی جمیلہ کی پوری داد ملے گی، تاہم آجکل کا تعلیم یافتہ طبقہ جو عموماً مذہب سے بے پروا ہو رہا ہے، مذہب فطری یعنی حکیمانہ اسلام سے دست بردار نہ ہوسکیگا، معقول و منقول کی تطبیق کی غایت اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے جو شبلی کی درد سری کا بجائے خود ایک قیمتی صلہ ہے،

خدا جانے مین رَو مین کہان سے کہان نکل گیا، لیکن یہ تصورِ انشا پردازی نہین ہے، بلکہ پروفیسر شبلی اس کے ذمہ دار ہین، ناممکن ہے کہ ان کی ذات کے ساتھ

ان کی صفاتِ غالب یعنی جزئیات متعلق سامنے نہ آجائین، اس لئے ان بے ربط خیالات کا اعادہ کچھ ناگزیر سا تھا، مختصر یہ کہ جہان ان کی مورخانہ عظمت قطعی الثبوت ہے، ایک خاص امر جس کی طرف ناظرین کو اس وقت متوجہ کرنا منظور ہے یہ ہی کہ "عربی کا یہ فاضل پروفیسر نہایت سخت عجمی ہے"! تو یہ! کیا کہہ گیا؟ ہان تو یہ وصف اضافی ان کی عربیت مین اس قدر دب و باگیا ہے کہ بہتیرون کو یہ بات معلوم نہین ہوگی کہ دنیا کی سب سے شیرین زبان یعنی فارسی شبلی کی خاص زبان ہے ان کو جس حد تک صحیح مذاقِ سخن ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہین جو خود اہلِ زبان ہین یا کم سے کم ذوقِ سلیم رکھتے ہین، ہندیون کی متعارف فارسی" یا "بو انگلش" کی طرح ایک بالکل جداگانہ چیز ہے جو قریب قریب یہان سے رخصت ہو چکی ہے اور جس سے ہین یہان کوئی غرض رکھنی نہین چاہتا، میری غرض پروفیسر براؤن کی فارسی سے ہے جو اس قوم کی زندہ یادگار ہے جو بلحاظ گذشتہ عظمت و ترقیات دنیا کی قدیم متمدن اقوام مین خاص تاریخی وقعت رکھتی ہے، انگلستان مستشرقانہ مشاغل کے لحاظ سے یورپ کے اور ممالک سے بہت پیچھے ہے، تاہم وہان ایک جماعت موجود ہے جو السنۂ مشرقی مین اہلِ زبان کی سی مہارت رکھتی ہے، حال مین پروفیسر براؤن نے ادبی حیثیت سے "تاریخ العجم" لکھی ہے، جس کی دو مبسوط اور ضخیم جلدین اس وقت تک شائع ہو چکی ہین، "دور اخمانیان" یعنی فارسی قدیم کے ساتھ اس نے "ساسانیون" کے عہد کے

لٹریچر یعنی زبان پہلوی کا پورا مرقع کھینچا ہے، جو تمام وکمال گویا "زرتشتی" لٹریچر ہے،
اس نے نہایت قدیم کتبون اور تاریخی اسناد سے اس عہد کی علمی معلومات بہم
پہنچائی ہین جس کی یادگار پارسیون کا صحیفۂ علمی یعنی "اوستا ہی" جس کی تفسیر پہلوی
اور شرح الشرح "ژند یا ژند" ہین، عجمیون کی ایام جاہلیت کی تاریخ کے بعد جو نہایت
عسیر الحصول ماخذون سے مرتب کی گئی ہے، تیسرے دور مین فاتحین اسلام کے
تصرفات یعنی عربی کی آمیزش نے زبان پر جو اثر ڈالا ہے، ان جزئیات کی تفصیل
کے ساتھ ارتقائی حیثیت سے یہ دکھایا ہے کہ فارسی جدید کس طرح عالم وجود مین
آئی، اسی طرح مسلمانون کی مفصل دماغی تاریخ لکھی ہے اور اس کو متعدد دورون مین تقسیم
کیا ہی، جدت یہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ عجمی عنصر کو الگ کر کے دکھاتا گیا ہے، پہلی
مقدمہ کی حیثیت سے ہے، دوسری مین جو ابھی شائع ہوئی ہے فردوسی سے لیکر
سعدی کے وقت کی لٹریری سرگذشت ہے، جس مین مختلف عہد کے لٹریچر کے
ساتھ لگے لپٹے واقعات پر بھی نظر ڈالی گئی ہے جو کسی حیثیت سے تاریخی وقعت
رکھتے ہین، پھیلاؤ غضب کا ہے، لکھنے والا سب کچھ سمیٹتا گیا ہے، لٹریچر کی تاریخ
تو اس سے پہلے بھی لکھی گئی ہے لیکن مسلمانون کی دماغی تاریخ پر قلم اٹھانا ان اصلی
ماخذون کی چھان بین کے بعد جو یورپ کی عظیم الشان لائبریریون مین لائق حصول
ہین، پروفیسر براؤن کا حصہ تھا، یہ نمونہ جس کی نظیر انگریزی کے سوا مغربی لٹریچر مین
بھی موجود نہین ہے اپنی ندرت اور دلچسپی کے لحاظ سے ہر طرح پیروی کے لائق

ہے۔ لیکن شبلی کے سوا آج ملک میں اسلامی لٹریچر کے متعلق کون اس قسم کے وسیع لٹریری تحقیقات کا ساتھ دے سکتا ہے؟

موجودہ دور میں پروفیسر آزاد کا نام نامی ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ شبلی کے دائرہ میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی تحقیقات کی تکمیل ایران میں جا کر کی، ان کا ایک بے نظیر رسالہ سخندان پارس شائع ہو چکا ہے لیکن نہایت افسوس ہے کہ دنیا آزاد کے سرمایۂ زندگی یعنی جامع اللغات فارسی سے محروم رہ گئی جس کی ترتیب ان کی عمر کا اصلی کارنامہ تھی، آزاد کی نکتہ آفرینیاں جن پر خود اہلِ ایران کو تعجب و رشک ہوتا تھا تمام علمی دنیا کو حیرت میں ڈال دیتیں لیکن ملک کی بدنصیبی سے ایک زبردست ماہرِ السنہ جیتے جی ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا، معلوم نہیں اس کے خزائنِ علمی کا ضروری حصہ اب کہاں تک لائق حصول ہے، اسی طرح "تذکرۂ شعرائے فارسی" میں خدا جانے فرمانروائے سخن نے کیا کچھ لکھا ہوگا لیکن ان دونوں تالیفات کے متعلق کہیں سے کوئی آواز نہیں آتی دارالاشاعت پنجاب نے ایک حد تک حقِ رفاقت ادا کیا لیکن اب مدت سے بالکل سناٹا ہے،

جس طرح فارسی کے صحیح ادبی مذاق کا بہت بڑا حصہ آزاد کو ملا تھا شبلی پر مع زائد اس کا خاتمہ ہو جائے گا، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں میں دیوانِ شبلی کو استشہاداً پیش کرنا چاہتا ہوں شستہ، رفتہ کلام کی برجستگی اپنا مرتبہ آپ بتائے گی، صاف معلوم ہوتا ہے سچے جذبات میں ڈوبا ہوا شاعر خالص اہلِ زبان

ہے، جس کو ہند کی ہوا تک نہین لگی، اساتذہ کے ہزارون اشعار کا نوکِ زبان اور روزمرہ اور محاورات کا ناخنون مین ہونا اضافی امور ہین، جن کو شبلی کی بلند پایگی کے ثبوت مین پیش کرنا ایک مبتدیانہ فعل ہوگا، ان کا اصلی فن کچھ اور ہے "شعر العجم" جو آج کل یہ لکھ رہے ہین، ان کے مذاقِ سخن کی اصلی جولانگاہ ہوگی جس مین فارسی شاعری کی محققانہ تاریخ اور فلسفۂ شاعری کے دقیق رموز پر مفصل بحث ہوگی جس سے معلوم ہوگا کہ فارسی شاعری کی ابتدا اور کیا حالت تھی، پھر اس نے کیا صورت اختیار کی، کیا کیا تغیرات اور اضافے ہوئے، اور اب کس لباس مین جلوہ گر ہے،

شاعری جیسا کہ عربون کا خیال تھا صرف کلام موزون نہین ہے نہ شعرائے عجم کے خیال کے مطابق صرف تخیل یعنی ایک طرح کے مقدماتِ موہومہ کی ترتیب کا نام ہے، بلکہ جیسا کہ علامہ شبلی نے خود ایک موقع پر تصریح فرمائی ہے جو چیز مدرکات انسانی مین ہمارے جذبات و احساسات کو برانگیختہ کر سکتی ہے اور ایک خاص طرح کی موزونیت کے ساتھ مصوری اور موسیقی کی جامع ہے، آج اسی پر شاعری کا اطلاق ہو سکتا ہے، یہ بحث نہایت دلچسپ ہو جسے شبلی جو فطری شاعر ہین، من حیث الفن اچھی طرح سمجھائین گے، ہم کو معلوم ہے کہ یورپ کے دو زبردست مستشرق آجکل تاریخ فارسی لٹریچر لکھ رہے ہین، جن مین سے پروفیسر براؤن کی بے نظیر کتاب کے دو حصے جن کا ذکر آچکا ہے شائع ہو چکے ہین، دوسرے صاحب ڈاکٹر ڈینی سن راس ہین، ان کی فارسیت کا بھی لوہا مانا جاتا ہے مستشرقینِ یورپ کی ایک خاص

طرح کی وسیع النظری مین کلام نہین یعنی اصولِ ارتقا نے تحقیقات کے راستے اس قدر صاف کر دیئے ہین کہ ہر شے کے مدارج اور طبقاتِ ترتیبی کی کڑیان ملتی جاتی ہین، لٹریچر بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین، تاہم مذاقِ سخن مین جو ایک ذوقی چیز ہے ان فلسفیانہ اکتشافات سے کوئی مدد نہین مل سکتی، شبلی جو کچھ لکھین گے آشنائے فن ہو کر لکھین گے، اس لئے ان کی تصنیفِ موعود (شعر العجم) میرا خیال ہے، معاصرانہ تالیفات سے جو حسنِ اتفاق سے ساتھ ساتھ لکھی جا رہی ہین بالموازنہ فائق ہوگی، بہرحال فارسی شاعری سے پروفیسر شبلی کو جو طبعی مناسبت ہے اور آیندہ جس حد تک یہ کھل کر دادِ سخن دے سکین گے اس کی نسبت ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے،

مین سر دست سوانح مولانا رُوم کو پیش کرتا ہون جس مین مثنوی پر مفصل تقریظ کی گئی ہے اور جو شبلی کی طرف سے فارسی لٹریچر کے سلسلہ کی گویا پہلی قسط ہے مثنوی فارسی کی ان چار کتابون مین ہے جو دنیا مین سب سے زیادہ مقبول ہوئین، لیکن وہ عموماً ایک تصوف کی کتاب سمجھی جاتی ہے، جس کی نسبت عام خیال ہے کہ تمثیلی زبان مین وہ اسرارِ نہان بیان کئے گئے ہین جو صوفیون مین سینہ بہ سینہ چلے آتے ہین، شبلی نے بالکل ایک جدید حیثیت سے اس مثنوی پر نظر ڈالی ہے یعنی ان کا دعویٰ ہے کہ تصوف یعنی فلسفۂ باطنی کے سوا کلام و عقائد کی یہ بہترین تصنیف ہے جو اسلامی لٹریچر کی طرف سے پیش

کی جا سکتی ہے اور کچھ شک نہین کہ تقریظ مین اس قدر شواہد بہم پہنچائے گئے ہین
کہ دعوی آپ اپنی دلیل ہو رہا ہی، عقائد و کلام کے جس قدر اہم مسائل ہین ایک
ایک کر کے متفرق عنوانون کے تحت مین لائے گئے ہین، اور ان پر حکیمانہ
استدلال کے ساتھ فاضل مؤلف نے دکھایا ہے کہ یہ تمام مسائل مثنوی سے
ماخوذ ہین، ایک ایسی کتاب مین جو سیکڑون برس پہلے لکھی گئی اس قسم کے
نکات و معارف کا موجود ہونا جن کا اکتشاف جدید سائنس صدیون کے
مسلسل مطالعۂ فطرت اور ارتقاے عقلی کے کر سکا، کہان تک اس کی معجز
بیانی ثابت کرتا ہے،

شبلی نے ایک طرف کوئی ایسی بات نہین پیدا کی جس کی طرف خود مولینا
رُوم کا ذہن منتقل نہ ہوا ہو، اور ساتھ ہی ان مسائل کو جو مذہبی فلسفہ کی حیثیت سے
مثنوی کے اعضاے رئیسہ مین تحلیل کر کے اس طرح دکھا دیا کہ ان کی صحت
کا اذعان غالب ہو جاتا ہے اور یہی مسائل فلسفہ کی واقفیت کی اخیر سرحد ہے،
ان کے مقابلہ مین علامہ نذیر احمد کہان تک ہم کو اپنے ساتھ رکھ سکین گے، جب
وہ بیسوین صدی کی ایک جدید تالیف مین دعاے صحت خانہ کی تلقین فرماتے
ہین، حالانکہ زائچہ کے ساتھ صحت خانہ کا اصلی مصداق بھی باقی نہین رہا، اب انکی
جگہ صاف ستھرے غسل خانون نے لے رکھی ہے،

یہ امر بھی توجہ کے لائق ہے کہ فاضل پروفیسر نے تقریظ مثنوی مین جو نئے

عنوان قائم کئے ہین اور جن کی طرف بہتون کا ذہن اس سے پہلے منتقل نہ ہوا ہوگا وہ زیادہ تر ایسے ہین جن پر اس سے پہلے شبلی کی قوت صرف ہو چکی ہے، یعنی الکلام و الغزالی مین تفصیل سے ان کا ذکر آچکا ہے کسی ایسے موضوع پر جس پر ایک دفعہ زور طبیعت صرف ہو چکا ہو دوبارہ اس طرح بچ بچکر قلم اٹھانا کہ کہین سے تکرار و اعادہ نہ معلوم ہو بلکہ اصلیت کے زور کے ساتھ ہر عنوان اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل اچھوتا ہو، کمالِ انشا پردازی کی دلیل ہے، فاضل شبلی نے مثنوی کی خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے اور مختلف پہلو سے اس پر نظر ڈالی ہے، جس مین تخصیص کے ساتھ لائقِ ذکر مثنوی کا طرز استدلال اور طریقۂ افہام ہے، یعنی مولانا نے فطرت کے سلسلہ سے استدلال کیا ہے جو بالکل جدید سائنس کے مطابق ہے، مثنوی مین فرضی روایات و حکایات کے ضمن مین جن مین صرف نتائج سے غرض رکھی گئی ہے، اخلاقی مسائل کی تلقین کا جو طریقہ مدت سے چلا آتا تھا پروفیسر شبلی نے دکھایا ہے کہ مولانا نے اس کو کمال کے مرتبہ تک پہنچا دیا، اور چونکہ استدلال مین تمامتر قیاسِ تمثیلی سے کام لیا گیا ہے اس لئے مسئلۂ زیر بحث کی واقفیت دل مین بیٹھ جاتی ہے، یعنی عموماً تشبیہات و تمثیلات کے پیرایہ مین اس قسم کے قرائن پیش کئے جاتے ہین جن سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی جو صورت بیان کیگئی ہے زیادہ تر قرینِ عقل ہے جس سے ایک خاص طرح کی وجدانی کیفیت

دل مین پیدا ہو جاتی ہے جو استقرا منطقی سے نہین ہو سکتی اور جس کو تصوف کی اصطلاح
مین ہم اطمینانِ ذوقی کہہ سکتے ہین، مختصر یہ کہ مثنوی معنوی مین عارفِ روم نے جس
طرح دادِ سخن دی ہے اس پر تنقیداً کچھ رائے زنی کرنا میرا منصب نہین ہے مین تو صرف
تقریظ پر تقریظ کرنی چاہتا ہون، یعنی مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ شبلی نے انتقادی
حیثیت سے کہان تک اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کی، اس کے لئے جو کچھ
عرض کیا گیا اس کے ساتھ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب"
کتاب کو ایک نظر دیکھ لیجئے وہ اپنا درجہ آپ بتائے گی، لیکن آخر مین اتنا کہنے
سے باز نہین رہ سکتا کہ الٰہیات کے ضمن مین توحید، نبوت، معجزہ، جبر و قدر،
روح، معاد وغیرہ وغیرہ پر جن سلجھے ہوئے اور پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے
اور موجوداتِ عالم یعنی مادیات اور مجردات کی نازک تفریق اور اس پر منطقی
اور فلسفیانہ تفریعات جس لطافت سے کی گئی ہین انتقاد کی جان ہین، ہمارے
ہان روایات تو بہت ہین لیکن اس طرح علومِ قدیمہ و جدیدہ کو ترکیب دیکر
کسی نے ست یعنی جوہر نہین نکالا ہے، صرف فاضل پروفیسر کا حصہ تھا،

تصوف جیسا کہ اکثرون کا خیال ہے ایک طرح کا "خبطِ متعارف" نہین ہے
بلکہ جیسا کہ علامہ شبلی نے تصریح فرمائی ہے دراصل تصحیحِ خیال کا نام ہے جو اخلاق
کی طرح فلسفہ کی ایک مستقل شاخ ہے، لیکن جس طرح توکل کا مصداق ایک طرح
کی گداگری ہو رہا ہے، تصوف کی صورت بھی اتنی بگڑ گئی ہے کہ وہ زیادہ سے

زیادہ پیٹ کا ایک مشغلہ رہ گیا ہے، لیکن شبلی نے تصوف پر علمی حیثیت سے نگاہ ڈالی ہے، جس سے ہم یہ سمجھ سکے کہ ذوقی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ اس مین ادبی پہلو بھی موجود ہے، یہ بات ذرا دل لگتی یعنی اس گروہ کے مذاق سے ملتی جلتی چیز ہے جو اس کوچہ سے نابلد ہے،

تصوف کی مفصل تاریخ اور اس کے لفظی اشتقاق و اطلاق کی بحث جس کے متعلق علماے یورپ اب بھی غلطی کر رہے ہین، "الغزالی" مین مستقل عنوان سے آچکی ہے، ناظرین اسے اٹھا کر پھر ایک نظر دیکھ لین، تقریظ مثنوی مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اختصار کے ساتھ ہے لیکن "شریعت" کے ساتھ "طریقت" و "حقیقت" سے جو پردہ اٹھایا گیا ہے اور حدود اقلیدس کی طرح ان اصطلاحات کی جس قدر جامع و مانع تعریف کی گئی ہے وہ بجاے خود ایک چیز ہے اور ضرورت ہے کہ ان کے اطلاقات منّا ہماری روزانہ زندگی کا ایک جزو ہو جائین،

میرا خیال ہے اب مجھے کچھ اور کہنا نہین ہے، ہان ایک بات رہ گئی کتاب کے ختم کر لینے کے بعد خیال ہوتا ہے کہ مولانا روم کے کلام کا جس قدر استقصا کیا گیا ہے کچھ اس سے زیادہ ہونا تھا، لیکن میری رائے اس لئے لائق وثوق نہین ہے کہ مین چونکہ شبلی کے عالمانہ لٹریچر کا دلدادہ ہون، پہلی بار پڑھتے وقت نظم کا حصہ چھوڑتا گیا تھا، یہ اضطراری حرکت اورون نے بھی کی ہوگی، یورپ کے مذاق کے مطابق پوری مثنوی یا اس کے حصۂ غالب کو ضمیمہ کی حیثیت سے کتاب کا

جزو ہوتا تھا، لیکن ملک کا ادبی مذاق اس قدر گرا ہوا ہے کہ یہ خیال مشکل سے توجہ
کے لائق ہے، اس کے سوا تنقیدی حیثیت سے کلام کے جن اجزاء پر ریویو کی
ضرورت تھی ہر قسم کے نمونے لیلئے گئے ہین اور پیراگراف کا صرف اتنا ہی فرض تھا۔

آخر مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ چونکہ لٹریچر کا لطف اور اس کی دلچسپیان انسان
کی اخلاقی اور ادبی ترقی کی ممد ہوتی ہین، ہم علامہ شبلی کے ممنون ہین کہ ہم کو جلد
جلد ان کے دماغی اکتشافات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے، اور
ہماری دلی خواہش ہے کہ موجودہ کتاب ان کی تصنیفات موعودہ کا صرف پیشرو ہو

آجکل کی کاروباری زندگی مین جب ہم کو مشرقی لٹریچر کی طرف توجہ کرنے کی بالکل فرصت
نہین ہے، صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ عربی فارسی لٹریچر کے بہترین اجزاء عالمانہ تنقید و تقریظ
کیساتھ نئی نسل کے سامنے پیش کئے جائین، اس طرح لٹریچر کا وہ حصہ جو جاننے کے لائق ہے
ہمیشہ کیلئے محفوظ رہجائے گا، ملک مین ناقص لٹریچر کی مقدار اس قدر بڑھ رہی ہے کہ ضرورت ہے
جواہر انکو پتھر سے علحدہ کر لیئے جائین، حکماء نے انتخاب کے کچھ قاعدے بتائے ہین، جنہین لارڈ بیکن کا
خیال بہت ہی چبھتا ہوا ہے، وہ کہتا ہے "بعض کتابین صرف چکھنے کے لائق ہین، کچھ نگلنے کے اور
تھوڑی ایسی ہین جو چبانے اور ہضم کرنے کی ہین" تیرتھ کے ناول پہلی شق مین ہین، دن رات مین چند
منٹ محض ذائقۂ علمی کے لئے نگلنے کے لائق وہ تصنیفات ہین جو کم سے کم ایک دفعہ پڑھی جائین،
(نام نہین لونگا، ادب مانع ہے) مگر چبانے اور ہضم کرنے کے لائق مجموعۂ غیر فانی یعنی "تالیفات شبلی"
ہین جنہین مولانا روم کی لاالف ترتیباً آخر ہی لیکن بہ لحاظ اوصاف کسی سے پیچھے نہین ہے۔

(البشیر سنہ ۱۹۰۶ء)

افاداتِ وان کریمر

متعلّق

تمدّنِ اسلام

(۱)

مسٹر صلاح الدین (خدابخش) ایم اے بیرسٹرایٹ لا نے تاریخ الاسلام کے متعلق انگریزی میں ایک مجموعۂ رسائل شائع کیا ہے، جس میں جرمنی کے نامور مورّخ وان کریمر کی ایک بے مثل اور جامع تالیف کا ترجمہ خصوصیّت کے ساتھ لائقِ ذکر ہے، وان کریمر کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عربی دان تھا یا نہیں؟ تاہم چونکہ مسلمانوں کی تمام قدیم اور نایاب تاریخی تصنیفات قریب قریب ترجمہ کے ذریعہ سے یورپین زبانوں میں منتقل ہو گئی ہیں، یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ وان کریمر نے جو کچھ لکھا ہے اوّل درجہ کے ماخذوں سے لکھا ہے، اس نے متعدد کتابیں متعلقاتِ اسلام پر جرمن زبانوں میں لکھی ہیں، اور آج یورپ میں اس حد تک اس کی تحقیقات کا لوہا مانا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فاضل اور پروفیسر بھی اسکی

تحقیقات کے نتائج سے بے نیاز نہین رہ سکتے، اور ادبی (لٹریری) گروہ مین یہ ایک رواج سا ہو گیا ہے کہ استشہاداً جہان جہان کھپت ممکن ہوتی ہے اس کے خیالات سے جدید تالیفات کی وقعت بڑھائی جاتی ہے،

بہرحال جس تالیف کے اقتباسات اس وقت پیش کرتے ہین، اس کا موضوعِ خاص یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب سے کہان تک فائدہ اٹھایا؟ قرآن کریم نے اسلام پر ایک ارتقائی نظر ڈالی ہے اور دکھایا ہے کہ اس کی ترکیب اور ساخت مین دوسرے مذاہب کا کتنا حصہ ہے؟ یعنی یہودی، عیسائی، پارسی اور مانوی مذاہب نے کس حد تک "دنیا کے سب سے نوعمر مذہب" پر اثر ڈالا ہے؟ یہ بحث نہایت دلچسپ ہے اور آج کل کے محققین کا خیال ہے کہ یہ رسالہ مختص الموضوع اپنی جامعیت اور محققانہ تلاش کے لحاظ سے اس کی اور تالیف مین ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے، جس مین امورِ زیرِ بحث کا ایک طرفہ فیصلہ نہین کیا گیا ہے، بلکہ جو کچھ ہے خالص عالمانہ نکتہ سنجی کا نتیجہ ہے، قرآن کریم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ صرف تاریخی راز کی پردہ دری کرنے والا ہے، کسی خاص فرقہ کا نقیب نہین ہے، اور یہی وجہ ہے کہ حق کی تلاش کے سوا اس کی خامہ فرسائی کی کوئی غایت نہین ہے، اس نے صرف مذہبی مباحث تک اپنی توجہ محدود نہین رکھی، بلکہ نہایت بیدار مغزی سے مسلمانون کی معاشرت پر بھی ساتھ ساتھ نظر ڈالی ہے، یعنی جہان اس نے مختلف اسلامی فرقون کی ابتدا اور ان کی نشو و نما

کی جزئیات دکھائی ہین، اگلے پچھلے مسلمانون کی معاشرت کا خاکہ بھی کھینچا گیا ہے،
اس سے اُن کے تدریجی تغیرات کا سراغ ملتا ہے جن سے ایک قدامت پسند
صحرائی گروہ کی کایا پلٹ ہوگئی اور عرب کے سیدھے سادھے نظاماتِ زندگی
کی جگہ رفتہ رفتہ رومیون اور عجمیون کی شائستگی گھر گھر پھیل گئی،

پچاس برس ہوئے مجموعۂ تصنیفات عالم وجود مین آیا لیکن باوصف اس غیر منقطع تحریک کے جو
مشرقی تحقیقات کے متعلق یورپ مین جاری ہے، یہ کتاب ایک بروست مستشرق کی بہترین یادگار ہے
جو بلحاظ نوعیت اب بھی بےنظیر سمجھی جاتی ہے، لائق مترجم کے مفصل دیباچہ اور انکے تاریخی انتقادات
پر آیندہ نظر ڈالی جائے گی، سردست یہ چند سطرین غالباً تالیفِ زیر بحث کی
تقریب کے لئے کافی ہین، اصل اقتباسات شروع کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری
ہے کہ اس امر کا فیصلہ علامہ شبلی نعمانی فرمائین گے کہ اسلام کے مؤثرات مین
مذاہبِ غیر اور خاصکر عیسائیت کو جس حدتک وان کریمر نے پیش رکھا ہے
یہ جذبۂ تحقیق کہان تک اعتدال سے بڑھا ہوا ہے اور فاضل مورخ کو اپنے
فلسفیانہ اجتہادات اور نتائجِ استقرائی مین کس حدتک کامیابی ہوئی ہے،

تمدّنِ اسلام

میرا ارادہ تھا کہ اپنی ایک جدید تصنیف کے اخیر مین اسلام کی تاریخ و تمدن
کے چند منتخب اور ضروری مضامین ضمیمہ کی حیثیت سے بڑھا دون مین بالتخصیص

ان مضامین کو یکجا کرنا چاہتا تھا جس سے عرب کے مذہب و اخلاق پر بیرونی اثر کا
اندازہ ممکن ہو، لیکن اس انتخاب کے سلسلہ میں میں نے معلوم نہیں کہاں کہاں سے
ریزہ چینی کی، جس سے بڑھتے بڑھتے ایک پاکیزہ مرقع تیار ہو گیا اور میری شیفتگی
یہاں تک بڑھی کہ اُسے ایک مستقل وجود کی حیثیت سے پیش کرنے کا خیال
راسخ ہو گیا، میرا مخاطب صحیح، گو دراصل میرا ہم مشرب اور ایک محدود حلقہ مستشرقین
ہے تاہم یہ پیرایۂ بیان، معلومات مشرقی کے صرف ایک خشک مجموعہ کے مقابلہ
میں ہر طرح لایق ترجیح ہوگا، موجودہ تالیف میری گذشتہ تصنیفات سے نسبت
قریبہ رکھتی ہے، کیونکہ یہ اُن کے مضامین کی متمم اور شارح ہے، مجھے اپنے سلسلۂ
اکتشافات میں اگر یہ معلوم ہوتا کہ میری قائم کردہ راے غیر صحیح ہے تو میں اپنی غلطی
کے علانیہ اعتراف اور اس سے دست بردار ہونے سے بالکل نہ شرماتا، لیکن یہ
صورت پیش نہ آئی، بلکہ مقدمات ذہنی اور دل میں جمتے گئے تاہم ابھی بہت
کچھ ٹوہ لگانی ہے، اسلام کے ساتھ اس کے سیاسی نظامات کو اچھی طرح سمجھنے
بوجھنے کے لئے (جو اسلام کی بنا پر قائم ہوے اور جو ہزاروں برس تک اسلامی
ہیئت الاجتماعیہ یعنی سوسائٹی کا سنگ بنیاد ہے) ہم کو سائنس کی اور شاخوں
کی طرح سے بھی منطقی حیثیت سے جانچنا اور جزئیات سے کلیات کا استقرا کرنا ہے،
اسلام کی عمارت گذشتہ تمدنوں کے کھنڈر پر اٹھائی گئی ہے، اس نے پرانے
عناصر کو اپنے ساتھ مخلوط کر لیا، کچھ ان کی صورت بدلی، کچھ اپنی طرف سے جدید

اضافے کئے۔ ان اجزاے ترکیبی کی تحلیل و ترتیب اور ان کے باطنی تعلقات و روابط
کی تنقیح اس آزاد اور غیر طرفدار علم کا کام ہے، جو صرف سچائی کا حامی ہے، لیکن مشرقی
مذاہب اور تمدنون کے مطالعہ کے سلسلہ مین بعض اوقات ان مختلف الجنس
اجزا مین تمیز کرنا (جو پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہین اور جو باہم ایک دوسرے کو مسخ
اور کبھی بالکل بدل دیتے ہین) اور ان کی اصلیت کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا بہت
مشکل ہوتا ہے، گو بادی النظر مین ایسا معلوم نہین ہوتا،

مغربی ایشیا مین مذہبی ایجادات کی بھرمار رہی ہے، اس مین چار عظیم الشان
مذاہب نے جنم لیا اور اسی زمین سے بے شمار مذہبی فرقے فلسفیانہ نظامات اور مذہبی
قانون قاعدے پیدا ہوئے یہین سے مذہبی خیالات کے زبردست تموج سے
وہ چشمہ ہاے روان نکلے جن سے "دنیاے تاریخی" سیراب ہوگئی، یعنی یہودی،
پارسی، عیسائی اور اسلام جن مین سے ہر مذہب نے انسانی خیالات اور احساسات
مین ایک قومی تحریک پیدا کردی، یہ ایک عجیب بات ہے جس سے ظاہرا
ایک خوش ترتیب نظم اور باقاعدگی کا وجود پایا جاتا ہے کہ یہ مذاہب یکے بعد
دیگرے مقررہ فصل کے ساتھ وجود پذیر ہوتے گئے یعنی حضرت موسیٰ حضرت
عیسیٰ سے ۱۵ سو برس پہلے، زرتشت ۶ سو برس قبل المسیح، اور آنحضرت (صلعم)
مسیح سے ۶ سو برس بعد دنیا مین آئے۔ ان درمیانی وقفون مین جانے کتنے مذہبی
گھروندے بنتے بگڑتے رہے، بعضون کے فنا کرنے والے اجرام (جراثیم) ساتھ

پیدا ہوئے تھے بعض ایسے تھے جو پھولے پھلے اور آیندہ نسلون کے لئے ان سے قلمین لی گئین،

مشرقی تمدن طبقاتِ مختلفہ کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے متعدد تہین تلے اوپر جمائی ہوئی ہون جس مین ایک طرح کی ہیئتِ مجموعی پائی جاتی ہے، یہ اتصال آسانی سے اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ تمام بڑے ایشیائی مذاہب اس حد تک ہیئتِ متماثلہ اور خاندانی مشابہت رکھتے ہین، جس سے قریب قریب یہ خیال مستحکم سا ہو گیا ہے کہ بانیانِ مذاہب کا وجود صرف مغربی ایشیا کے معتدل خطہ کے لئے گویا مخصوص تھا، ہم قریب قریب اس کلیہ کے تسلیم کر لینے کی طرف مائل ہین کہ شمالی عرب، فلسطین، عراق، عرب اور فارس کی وادیِ مرتفع کے طبعی خواص جو لازماً متحد ہین، ان کی ایک جھلک ان ملکون کے رہنے والون کی دماغی استعداد اور خاصکر مذہبی حیات مین بھی پائی جاتی ہے، یعنی جس طرح ان ممالک کے رنگ روپ مقامی اور ایک سان ہین، دماغی مخلوقات مین بھی اسی امتیاز کا پتہ چلتا ہے، پارسیون کی مقدس کتابون مین بہتیری باتین ہین جو انجیل کو یاد دلاتی ہین، اسی طرح عیسائیون اور مسلمانون کے آسمانی صحیفون مین بھی ایک طرح کی مماثلتِ قریبہ ہے،

صحرائے عرب پر ایک نگاہ دوڑائیے تو جس چیز سے آپ دفعتہً پہلے پہل متأثر ہون گے وہ مخلوقات کے رنگ کی حیرت انگیز ہم طرحی ہوگی، ارضِ صحرائی

کے ساتھ نباتی، حیوانی، بلکہ انسانی مخلوقات بھی غیر مستقل ریت کے مائل بہ زردی باریک ذرات کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس سے آفتاب کی چلچلاتی ہوئی شعاع میں آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، غزالہ عربی جو صحرائی بگولوں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہی اس کی گہری زعفرانی جلد زمین کے رنگ سے کتنی ملتی جلتی ہے کہ ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے، یہی حال 'جہاز صحرا' یعنی اونٹ اور اس کے کلغی دار 'ابرادر نصف اشتر مرغ' کا ہے، چند چھوٹے اور سوکھے ساکھے خاردار درخت جو کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں وہ بھی خاک آلود ہوتے ہیں، ذرا خالص الاصل بدوی کی جلد اور اس کے لباس کو دیکھئے کس قدر آس پاس کے آثار و کیفیات سے ملتا جلتا ہے کہ غیر عادی نگاہ تھوڑے سے فاصلے سے بھی وہاں کی خاک اور ان چیزوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرسکتی، لیکن جس طرح یہاں کے باشندوں کے طبعی حالات اور خصائص میں باہم ایک چھپتی ہوئی مطابقت ہے یہی مناسبت مادی اشیاء سے گذر کر ان چیزوں میں پائی جاتی ہے جو دماغی اور اخلاقی ہیں، یہ موزونیت متحد الاصل طبعی اسباب کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہزارہا سال کے ربط و تبادلہ خیالات کا نتیجہ ہے، جو مغربی ایشیا کی سامی اور آریا قوموں میں ہوتا رہا، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ فرداً فرداً ہر مذہب کے نظامات کی جانچ اور ان اجزاء کی تحلیل جنہیں مختصات مذہب کے ساتھ کچھ خارجی عناصر بھی ہیں، کس قدر مشکل ہے،

اس زمانہ تحقیق سے اس قسم کے موضوعات غیر ثابتہ سے کام نہیں چلنے کا کہ

تمام مذاہب کسی ایک ہی درخت کے پھول پتے اور دنیا کے قدیم سے قدیم صحیفے یعنی وید سے ماخوذ ہین، جس طرح ہم یہ نہین مان سکتے کہ توحید ہمیشہ سے صرف سامیون کے حصہ مین تھی، کیونکہ یہ مسلمات ایک طرفہ، سائنس کے مصرف کے نہین ہین،

قبل اس کے کہ تجزیۂ عناصر سے اس قسم کے کلیات کا استخراج ممکن ہو، ہم کو پہلے خاص خاص امور کے متعلق وسیع اور دقیق تحقیقات کرنی ہو گی، اور سائنٹفک تحقیقات بتدریج ہم کو اس شاہراہ پر ڈال دے گی جہان سے منزلِ مقصود چندان دور نہین، جس مین سب سے مقدم اصولِ استقرائی کا استعمال ہے، اسلام یعنی پیغمبر مکہ کا مذہب نسبتہً کم تر مشکلات پیدا کرتا ہے، یہ تمام مذاہب مین کم عمر ہے اور اس کی اصلیت کے متعلق بہتیری دستاویزات مصدقہ لائقِ حصول ہین جن سے ہم اُسکے آغاز و نشو و نما کی تدریجی رفتار کا پتہ لگا سکتے ہین، اسلام نے بہت کچھ مذاہب یہود و نصاریٰ اور زرتشت سے اخذ کیا ہے اور غالباً مذہبِ مانوی سے بھی مستغنی نہین ہے، اس نے پارسیون سے بالذات اور بواسطہ دونون طرح فائدہ اٹھایا ہے، بہتیرے زرتشتی عقائد اسلام مین کتبِ یہود خاصکر تلمود کی طرف سے داخل ہوئے، عقیدۂ حشر و نشر بہشت و دوزخ کے متعلق اکثر روایات اور شیاطین وغیرہ کے متعلق جس قدر جزئیات قرآن مین موجود ہین تمام و کمال مذہب یہود کا عطیہ ہین، اسی طرح عذابِ قبر[1] اور تصریحات متعلقہ معہ منکر نکیر یہودیون سے لی گئی ہین، پل صراط کا خیال جو بال سے

---

[1] عذاب منکر نکیر کے متعلق ایک حرف بھی قرآن مجید مین مذکور نہین ۱۲

زیادہ باریک ہے اور قعر جہنم سے ہوتا ہوا بہشت کو گیا ہے، قطعی پارسیون سے ماخوذ ہے، جو مدرش کے ذریعہ سے قرآن[1] تک پہنچا ہے، لیکن اسلام نے براہ راست بھی زرتشت سے اخذ کرنے مین کچھ تامل نہین کیا ہے، یہ ایک قطعی امر ہے کہ "دین" کا لفظ جو متواتر قرآن مین آیا ہے، پارسی کتابون سے لیا گیا ہے[2]، ہوز ورش مین یہ لفظ بعینہ اسی ہیئت سے پایا جاتا ہے،

شعائر مذہبی کی نسبت اس قدر صاف اور طے شدہ ہے کہ طواف اور حج کعبہ کے تمام ارکان اسلام مین قریب قریب بغیر کسی تصرف کے وہی چلے آتے ہین جو ایام جاہلیت سے پہلے تھے یعنی کعبہ کی تمام رسومات وہی ہین جو ۱۵ سو برس پیشتر تھین، تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک مکی نے جو بیروت سے مصر تک جہاز مین میرا ہمسفر تھا مجھ سے کہا کہ "نحن اولاد الشمس وخدامین الحرام" اور یہ صحیح ہے کہ ایام جاہلیت کے خیال کے مطابق آج بھی اہل مکہ اپنے کو خادم حرم سمجھتے ہین حج کعبہ کی ابتدا کا سراغ جیسا کہ خوب معلوم ہے قدامت بعیدہ مین ملے گا، جو لوگ طواف کعبہ کرتے تھے ان کو جاہلیت کی رسم کے مطابق برہنہ ہونا پڑتا تھا عورتین بھی بلا استثنا، لباس عریانی مین ہوتی تھین، غرض زائرین کو سات مرتبہ کعبہ کے گرد چکر لگانا ہوتا تھا، قریش تنہا لباس کے رکھنے اور اجنبی زائرین کو مستعار دینے

---

[1] قرآن مجید مین پل صراط کا نام ونشان بھی نہین، [2] توافق السنہ کی دوسری بات ہے ورنہ دین کا لفظ عربی زبان مین اسلام سے بہت پہلے موجود تھا، اور دین کے موجودہ معنی اس کے سکنڈری معنی ہین،

کے مجاز تھے جس سے اچھی خاصی تجارت پیدا ہو گئی،

آنحضرت (صلعم) نے جو کچھ تغیر کی حیثیت سے اضافہ کیا وہ زائرین کے لئے
لباسِ مخصوص یعنی دو چادریں تھیں جن میں سے ایک زیر کمر لپیٹی جاتی تھی اور دوسری
شانہ اور سینہ پر پڑی رہتی تھی لیکن سر کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا کیونکہ قدیم الایام میں بالوں
کو ایک لسدار شے کی مدد سے "وگ" کی قطع کا بنا رکھتے تھے آج بھی حاجیوں
کا لباس مجوزہ یہی ہے، زیارت کعبہ کے بعد جاہلیت میں یہ بھی رسم تھی کہ کوہِ صفا
و مروہ کو جایا کرتے تھے جہاں ذوبت بھی رکھے ہوئے تھے، آنحضرت (صلعم)
نے رسمِ جاہلیت کی یہاں تک رعایت کی کہ صفا و مروہ کا جانا بدستور قائم رکھا،[1]
صرف یہ کیا کہ بت ہٹا دیئے، ارکانِ نماز سجدے، وضو اور روزے کی تاریخ کا
جہاں تک تعلق ہے ہماری معلومات ایک حد تک غیر مستقیں، مذبذب، اور
بالائی ہیں، روزۂ عاشورہ آنحضرت (صلعم) سے پہلے بھی موجود تھا لیکن رمضان
کے روزے کرسچین لینٹ سے ماخوذ ہیں، وضو و سجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
بالاشتراک یہود و نصاریٰ یا فرقۂ مانویہ سے لئے گئے جس طرح بانی مذہب بابی
نے مختلف ماخذوں سے فائدہ اٹھایا، اسلام نے آنحضرت (صلعم) کی وفات کے
بعد اس زمانہ میں بھی جب تکمیل کی حیثیت سے مذہب میں ایک طرح کا انجماد

---

[1] صفا و مروہ کی رسوم حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ہیں، بت ان کے بعد قائم کئے گئے، اس لئے آنحضرت (صلعم) نے صفا و مروہ کی رسوم قائم کرنے میں حضرت ابراہیمؑ کی تقلید کی ہے نہ جاہلیت کی،

پیدا ہو گیا تھا اصولِ آخذہ کو بدستور جاری رکھا، مثلاً واقعۂ معراج کو لیجیے جس کا کچھ یونہی[1]
سا اشارہ قرآن مین پایا جاتا ہے، سنہ ہجری کی پہلی ہی صدی مین اس پر شاعرانہ
رنگ چڑھ چکا تھا اور رفتہ رفتہ یہ اسلامی عقائد کا ایک جزو غیر منفک ہو گیا، اس
واقعہ کی بنیاد عیسائیون کی ایک معتبر روایت یعنی پیغمبر اشعیا کے سفرِ آسمانی پر رکھی
گئی ہے، یہ اس وقت گھڑی گئی تھی جب شہنشاہ نیرو کے ظلم و تعدی سے عیسائی
بالعموم نالان ہو رہے تھے، پارسیون سے غالباً بتوسط یہود یہ روایت پہنچی کہ حشر کے
روز موت ایک مینڈھے کی صورت مین ذبح کی جائے گی، اور اس کے بعد انسان
دائمی زندگی سے لطف اٹھائے گا، یہ خیال باحتمالِ غالب پارسیون کے اس قصہ
سے ماخوذ ہے جو تلمود مین "ہداپوس کے بیل" کے متعلق موجود ہے،

بیرونی اثرات کا احساس مذہبی دائرہ کے سوا معاشرت اور مسلمانون کے
سیاسی نظامات مین بھی ہوتا ہے جن پر بالتخصیص مستقل اور گہرا نقش پڑا ہے، گو عربی
دماغ اپنے دعویٰ خودسری اور قوت خلاقیہ کے اظہار سے قاصر نہین رہا، مثلاً عمر
کا سیاسی نظام جو مساوات و اخوت عامہ پر مبنی ہے تاریخ کا ایک عظیم الشان اور
عجیب و غریب منظر ہے اور عہدِ سلف اس کی کوئی نظیر پیش نہین کر سکتا ہے، تمام
مسلمان کامل مساوی حقوق رکھتے تھے اور کل مداخل سلطنت معہ اراضیات مفتوحہ

---

[1] یونہی تو نہین صاف تصریح ہے لیکن وہ درحقیقت ایک خواب تھا جیسا کہ احادیث سے صاف صاف
ثابت ہوتا ہے[2] ہم احادیث کے ذمہ دار نہیں ہیں، لیکن قرآن مجید میں اس قصہ کا کہیں ذکر نہین ہے،

اسلامی جماعت کی ملک عام تھین، یہانتک کہ "اخوت اسلامیہ" کے ہر فرد کو خزانۂ عامرہ سے سالانہ ایک وظیفہ مقررہ ملتا تھا، عربون کو حصول جائداد ارضی اور زراعت کرنے کی اجازت نہین تھی، وہ صرف ایک فوجی جماعت تھی اور یہ مفتوحہ اقوام کا فرض تھا کہ وہ کھیتون کو جوتین بوئین اور سامان رسد پہنچاتے رہین،

لیکن باوصف اس کے کہ حضرت عمرؓ مین سیاسی حیثیت سے ایک طرح کی اجتہادی قوت اور آزادی تھی، انھون نے اپنے دور حکومت مین ہر محکمہ کے لیئے بہتیرے عجمی اور رومی آئین سلطنت کو پسند کرکے رواج دیا، مثلاً نقود یعنی سکون کا رواج، صوبہ جات کی عاملانہ تقسیم، ٹیکس کے سلسلہ مین جزیہ اور خراج کی تعیین، یہ سب گویا ان کے تقلیدی اجتہادات تھے ٹیکس جائداد (جو ٹیکس غربا کے نام سے بھی مشہور ہے کیونکہ شروع شروع اس صیغہ کے محاصل غریب مسلمانون مین صدقات، زکوٰۃ، عشر کے نام سے تقسیم ہوتے تھے) ایک ایسا نظام ہے جو قدیم سے قدیم زمانہ مین کنعانیون اور اہل فینشیہ اور کارتھیج والون کے ہان پیشوایان مذہبی کی امداد کے لیئے "محصول دیرہ" کے نام سے وصول کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ الفاظ "صدقہ" اور "زکوٰۃ" یہودیون کے روزمرہ سے لیئے گئے ہین، یہانتک کہ دفتر خراج کے لیئے جو لفظ تھا اور جس کا اطلاق بعد مین حکومت کے تمام دفترون پر ہونے لگا یعنی "دیوان" یہ بھی آرامی یعنی فلسطین کے شمال مشرقی خطہ کی زبان کا لفظ ہے، کیونکہ خلیفۂ ثانی نے مفتوحہ ممالک مین اس محکمہ کو جس طرح پایا تھا بغیر کسی قسم کے تغیر کے بجال خود رہنے دیا، اور اسے

اپنی ضروریات کے لئے نافع بنا لیا،

فوجی امور مین عربون نے بہت کچھ عجمیون سے لیا لیکن اس قدر یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد ابتداءً ان کا طریق جنگ بالکل بدوی فرقون سے ملتا جلتا تھا' لیکن بہت جلد وہ ایک عمدہ تر فوجی تنظیم کے فوائد سے آگاہ ہو گئے، خلفاے امیہ نے اس صیغہ پر خاص توجہ کی، رومیون کے تمام ضروری آئین جنگ اختیار کر لئے جن سے شہنشاہان مشرق کی لڑائی مین انھون نے واقفیت حاصل کی تھی، فوجی مستقل چھاونیون کا دستور اوائل ہی مین جاری ہوگیا تھا، رومیون کی طرح عرب کے جنرل بھی روزانہ کوچ کے بعد جہان اپنے خیمے نصب کرتے تھے، خندقون اور حصارون سے اُن کی مورچہ بندی کر لیتے تھے، پہلے عربون کا قاعدہ تھا کہ نماز کی سی سیدھی صفون مین ہوکر لڑتے تھے، پھر تعبیہ کی حیثیت سے انھون نے صف آرائی شروع کی یعنی ایک فوج مربع کی شکل اختیار کی جسے یونانی زبان مین کرادیس کہتے ہین، فوج کی صف آرائی بیشتر قبیلہ وار ہوتی تھی، پھر بلا امتیاز قبائل فوجی حیثیت سے اس کے علیحدہ علیحدہ دستے کر دیئے گئے، ہر دس آدمی پر ایک افسر ہوتا تھا، جسے عریف کہتے تھے، پچاس پر ایک خلیفہ اور سو سپاہیون پر ایک قائد ہوتا تھا سب سے قدیم طریقہ صف آرائی یہ تھا کہ فوج کی ترتیب میمنہ، میسرہ اور قلب ثلثہ اپس کے لحاظ سے ہوتی تھی، بعد مین مقدمہ اور ساقہ کا اضافہ ہوا، رومیون کے اثر کا اس سے بھی زیادہ تر اندازہ ان آلات حرب سے ہوتا ہے جن کو عرب محاصرہ کے وقت استعمال

کرتے تھے یعنی منجنیق یا عرادہ، یہ ایک آلہ حاذقت تھا، جو قلعہ شکنی کے کام مین لایا جاتا تھا کشش سے حصار کو منہدم کرتے تھے، اور دبابہ کی پناہ مین محاصرین شہر پناہ تک پہنچ جاتے تھے،

چونکہ میرا قصد ہے کہ دوسرے موقع پر تفصیل کے ساتھ خلافت کے فوجی نظام سے بحث کرون، اس لئے مین اس کتاب مین جزئیات متعلق کی تصریح زائد سے دست کش ہوتا ہون، مین نے اس بحث کو اس لئے چھیڑا ہے کہ ان واقعات کی طرف اورون کی توجہ مائل کرسکون اور یہ دکھا سکون کہ محققانہ تفتیش و تلاش کے لئے کس قدر وسیع اور نتیجہ خیز جولانگاہ موجود ہے، ہم کو آیندہ پورے طور پر ٹھنڈے دل سے ان واقعات پر نظر ڈالنی ہوگی جن سے اسلامی تمدن کی تاریخ کی عقدہ کشائی ہوتی ہے، اور صرف اسی طریقہ سے ہم ان دلچسپ اور اہم مسائل کی نسبت تیقن کی حالت پیدا کرسکین گے، آج ایک محقق حیالوجی جس طرح مختلف طبقات ارضی کی ترتیب سے اشیاء مدفون کے زمانہ کی تعیین کرسکتا ہے، یا جس طرح ایک ماہر السنہ قطعیت کے ساتھ یہ بتا سکتا ہے کہ کسی زبان کے اجزا مین قدرتی حصہ کے ساتھ باہری میل کتنا ہے، ہم کو بھی کوشش کرکے اپنے تاریخی فن کو اسی سطح ارتفاعی پر لانا ہے اسلام کی مذہبی اور تمدنی تاریخ، اگر ہم اس کے وطنی اور بیرونی عناصر کا تجزیہ کرسکے تو وہ جس قسم کا امید افزا اور صحیح منظر ہمارے سامنے پیش کرے گی وہ اس سے بالکل مخالف ہوگا، جو آج تک ہمارے خیال مین رہا ہے، اس لئے مین نے

تاریخِ اسلامی کی اُن ہی خصوصیات کو ابھار کر دکھایا ہی جنمین بیرونی اثرات زیادہ تر محسوس
ہوتے ہین، اور جنمین قدیم تر تمدنون کے باقیات الصالحات نے گرد روزگار مین ملنے کے بعد
بھی مٹتے مٹتے نقش پا چھوڑے ہین، اس طرح سطح کاغذ پر گویا ایک قسم کی پچی کاری ہو گئی ہے
گو سچ یہ ہی کہ جو مرقع مین نے اس رسالہ کی مختصر وسعت مین کھینچا چاہا ہی بہتیری حیثیتون سے
وہ مستقل کامل کہا جا سکتا ہی مین نے صرف دورِ خلافت تک اپنی تحقیقات محدود رکھی ہی
اور ارتقار مذہبی کے ساتھ اُن معاشرتی تغیرات کے دکھانے کی بھی کوشش کی ہے جو
بیرونی اثرات سے وقوع مین آئے،

نزولِ قرآن کی تاریخ کے متعلق ڈاکٹر اسپرنگر نے مفصل بحث کی ہی اس لئے مین اس موضوع
پر اپنے خیالات پیش کرنا نہین چاہتا لیکن مختصراً مین نے جو کچھ کہا ہی وہ اس امر کے اظہار کیلئے کافی ہی
کہ جس حد تک چاہئے یہ بحث پورے طور پر طے نہین کیگئی کتب یہود اور زرتشت کا مطالعہ
اگر بالموازنہ نہ کیا جائے اور عیسائیون کے ابتدائی لٹریچر کیساتھ فرقہ ہائے عیسوی اور یہود کی تاریخون
پر ایک گہری نظر ڈالی جائے تو میرا خیال ہی بڑے بڑے نتائج حاصل ہو سکتے ہین میرا موضوع بحث
آیندہ زمانہ مین ایک مدت تک خلافت کا عروج و زوال ہوگا اور مین یہ امید کرنا چاہتا ہون کہ
اس قسم کے رسالہ مختص الموضوع کے ذریعہ سی جو ایک محدود حلقہ علما کے مذاق کی چیز ہوگا مشرقی
زندگی کے دائرہ مین نئی سرے ایک طرح کی دلچسپی پیدا ہو جائیگی اور اس تاریخ کی صحیح واقفیت کے شوق کو ترقی ہوگی

یہ کہنا غالباً تحصیل حاصل ہی کہ اسلام کی پوری سیاسی تاریخ لازماً اس وقت تک عسیر الفہم اور
بیس پردہ رہیگی، جبتک تمدنی تاریخ اس سے علحدہ رکھی جائے گی،

(رسالہ مخزن دسمبر ۱۹۰۷ء)

افاداتِ قرآن کریم

متعلق

تمدّنِ اسلام

(۲)

اشاعتِ اسلام کی ابتدائی رَو نے عربی قبائل کے بہتیرے جنھون کو صحراے عرب سے نکالا جن کے حدود عرب کے شمالی اور مشرقی حصّہ سے لے کر شام اور سواحلِ فرات تک پھیلے ہوئے تھے، مالِ غنیمت اور فتوحات کے شوق نے

لہ مجھ کو افسوس ہو کہ اقتباس کا یہ حصّہ علّامہ شبلی کی نظر سے نہ گذر سکا، ابھی معلوم ہوا ہے کہ اتفاقیہ بندوق کے چل جانے سے ممدوح کا پاے مبارک زخمی ہوا جس کے کاٹنے کی نوبت آئی، آج لٹریری دنیا مین جو کچھ دم ہے تو آپ کی ذات سے ہے، نہایت افسردگی کی حالت مین اپنے کھینچ رہا ہون پچھلے نمبر مین جو نوٹ دیئے گئے تھے ممدوح کے ایما سے لکھے گئے تھے،

عربی اصطلاحات کے لئے مین مولانا سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا کا ممنون ہون جنھون نے نہایت مہربانی سے مجھے قیمتی امداد دی، ورنہ لٹریچر اس قدر سخت تھا کہ ترجمہ ظاہرًا اردو کی استطاعت سے باہر معلوم ہوتا تھا، (ایم - ایچ)

ان وحشی قبائل کو اپنے افعال مین متحد الغایت بنا دیا اور زیادہ دن گذرنے نہین پائے تھے کہ شام و بابل کی سلطنتین خلیفۂ وقت کے قبضۂ اقتدار مین آگئین، ان ونون ممالک مین اس وقت ایسی قومین آباد تھین جن کے پاس قدیم ترین زمانہ سے ایک حد تک اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن موجود تھا، اس لئے عربون کو ان دماغی عناصر سے سابقہ پڑا جو ان کے لئے بالکل ہی نئے تھے اور جن کی پوری قوت کا اندازہ بھی بحیثیت موجودہ مشکل سے کر سکتے تھے، ملک شام مین اسلام کو ایک ایسا مذہبی نظام ملا جس مین نموے اختراعی موجود تھا اور جس کی بنیاد منطقی اصول پر ایک عرصۂ دراز کے منقولانہ مباحث واختلافات کے بعد پڑی تھی، بابل مین بہتیرے مذاہب پہلو بہ پہلو ایسے موجود تھے جن کی باہمی رواداری قدیم جاہلیت کے نظاماتِ مذہبی کے لئے مایۂ ناز تھی، اسلام نے ان قدیم معتقدات سے ایک سخت ٹکر کھائی جس سے وافر مرکبات اور نتائج متنوعہ حاصل ہوئے اور اس دماغی کشمکش اور خیالات کی کایا پلٹ نے جو طبعاً پیدا ہوتی گئی مشرق کی مذہبی تاریخِ مابعد پر نہایت ہی گہرا . . . اثر ڈالا،

ہم راویانِ عرب کی غیر منقطع کوششون کے ممنون ہین کہ ان کی بدولت آج ہم کو اس زمانہ کی سیاسی اور فوجی تاریخ کا علم حاصل ہے جو اتنا ہی صحیح ہے جس کی توقع بارہ صدیون کے طولانی زمانہ کے بعد کی جا سکتی ہے لیکن اس نادر الوجود عہد کی اندرونی تاریخ اور یہ کہ ایک جدید اور غیر شایستہ مذہب نے کیونکر اُن قدیم

اور اعلیٰ درجہ کے ترقی یافتہ نظامات مذہب کا مقابلہ کیا، ایک راز ہے جس کے متعلق معمولی جزئیات بھی معلوم نہین ہین،

اس لئے یہان مین اُن واقعات سے بحث کرنے کی کوشش کرون گا جو آزادانہ تحقیقات پر مبنی ہونے کے سوا پہلے پہل صفحۂ تاریخ پر لائے جائین گے، ان واقعات سے اسلام اور عربی تمدن پر بیرونی اثرات کا اندازہ ہوگا، اور ایک کامل مرقع آپ کے پیش نظر ہو جائے گا،

مذہب عیسوی پہلا نظام تھا جس سے اسلام سے مڈھ بھیڑ ہوئی، دمشق کسی زمانہ مین خلفاے بنی امیہ کا مسکن تھا، اور واقعی وہان مذہبی درسگاہین اس پایہ کی موجود تھین جن سے مشرقی چرچ کے بڑے بڑے فاضل پیدا ہوئے، دارالخلافت مین دماغی مشاغل زورون پر تھے، مسلمان اور عیسائی فاضلین مین طرح طرح کے روابط وتعلقات رہتے ہون گے، یہ یقین ہے کہ اُن مین مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے، گو ان کی تقریرین محفوظ نہین رکھی گئین، یہانتک کہ جان دمشقی اور تھیوڈور، ابوقرہ کی تحریرات بھی ان سے خالی نہین، ان ہی مباحث سے احتمال غالب یہ ہے کہ اسلام کے وہ ابتدائی مذہبی فرقے پیدا ہوئے جو آگے چل کر مرجیہ اور قادریہ کہلائے،

خلفاے بنی امیہ جو صرف عیش کے بندے تھے ان مین سے اکثر عیسائیون اور غیر مسلمون کے ساتھ غیر متعصبانہ پیش آتے تھے، عیسائی محض دربار شاہی تک آزادانہ گھس پیٹھ نہین رکھتے تھے بلکہ ان کو سلطنت کے نہایت معتمد اور ضروری

عہدے بھی ملتے رہتے تھے، سرجیس جان دمشقی کا باپ خلیفہ عبدالملک کے دربار میں مشیر اول کا درجہ رکھتا تھا، اس کے بعد اس کے بیٹے نے یہ جگہ پائی، ایک عیسائی خلفاے بنی امیہ کا درباری شاعر بھی تھا، زمانہ عیسائیون کے اس قدر موافق تھا کہ یہ بغیر کسی اندیشے کے مسجدون مین بھی بار پاتے تھے اور عام طور پر طلائی صلیب زیب تن کئے پھرتے تھے، اس بے تعصبی نے جو خلفا کی طرف سے برتی جاتی تھی لازماً مسلمانون کے ساتھ عیسائیون کی راہ و رسم بڑھائی ہوگی، یونانی ربیون کی صحبت مین جو فن مناظرہ مین لطیف دستگاہ رکھتے تھے، عربون نے فلسفیانہ مباحثے سیکھے، جس کی بعد ہی انھون نے اتنی قدر کی، ان سے پھر مسلمانون نے پہلا سبق "رطائف منقولی" مین حاصل کیا، یہ ایک ایسا فن تھا جس مین علماے مشرق ڈوبے ہوے تھے، اسی طریقہ پر اس غیر معمولی مماثلت کی توجیہ ہو سکتی ہے جو ہم کو مشرقی عیسائیت اور اسلامی منقولات کی خاص خاص صورتون مین محسوس ہوتی ہے،

اولاً خدا کی ذات و صفات کے متعلق تحقیقات کی گئی، جس نے یونانی اور نہایت قدیم عربی علما کی تصنیفات مین سب سے پہلے جگہ پائی ہے، قدیم ترین علماے اسلام اور کلیساے یونانی کے ربی جبر و قدر کے مسئلہ مین بہت منہمک معلوم ہوتے ہین، مغربی چرچ کے خلاف کلیساے یونانی کے علما "خلود فی النار" کے مسئلہ سے متفق نہین تھے اور یہی خیال اسلام کے اس قدیم فرقہ کا تھا جس کو

مرجیہ کہتے ہین،

اس کا بہت افسوس ہے کہ اس فرقہ کے متعلق ہم بہت ہی کم صحیح معلومات رکھتے ہین کیونکہ اس نے بھی اس زمانہ کی تقدیر مین حصہ لیا، عہد بنی امیہ کی تاریخین بالکل ہی فنا ہو چکی ہین اور سب سے پرانی تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے، عہد عباسیہ کی ہے، مرجیہ کے متعلق جو کچھ اطلاع ہم کو ملی ہے وہ ان منتشر روایات کی بنا پر ہے جو کچھ متاخرین کی تصنیفات مین ملتی ہین، قدیم سے قدیم تحریر جس مین اس کا بیان ہے ایک نظم ہے جس پر آج تک توجہ نہین کی گئی، یہ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ مین لکھی گئی تھی، اس نظم کا مضمون جو بہت پرانا ہے اور جو آج تک غیر معلوم حالت مین تھا، مرجیہ کے خیالات کے متعلق جو کچھ متاخرین سے معلوم ہوا ہے اس سے پوری مطابقت رکھتا ہے، مرجیہ بمقابلہ قدیم فرقہ شدید العقائد اور متعصب خارجیون کے، زندگی موجودہ اور آیندہ پر امید و توق کی نظر ڈالتے تھے، خاصکر ان کو خلود فی النّار سے قطعاً انکار تھا، اس مسئلہ مین وہ یونانی ربیون سے بالکل ہی مختلف ہو گئے تھے کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے کلیسا ے مشرقی مین، اوائل ہی سے نہایت سختی کے ساتھ مغربی علما کی راے کے خلاف یہ قائم ہو گیا تھا کہ "خلود فی النّار" کا عقیدہ صحیح نہین ہے،

اُرِیجن مضبوطی سے سزاے خاتم کا قائل تھا، اور اس مسئلہ مین تمام اہل اسکندریہ اس سے متفق ہین، یہان تک کہ اساتذۂ کلیسا سے ریفنٹی اوک (انطاکیہ) ڈایدورس

آف تارسس (طرسوس) اور تھیوڈور آف ماپسواسٹیا گو اور امور مین اریجن کے ہم خیال نہین ہین لیکن اس مسئلہ مین اعتقاداً اس کے شریک ہین، وہ "خلود فی النار" کے مسئلہ پر بھی بحث کرتے تھے، ایک دوسرا امر جو کلیسائے یونانی اور اسلام مین متفق علیہ ہے یہ ہے کہ یونانی چرچ کی طرح اسلام بھی کفارہ سے کوئی واقفیت نہین رکھتا،

مرجیہ کی نرمی عقائد مین (بمقابلہ اس ہیبت وخوف کے جو قرنِ اوّل کے راسخ الاعتقاد مسلمانون پر چھایا ہوا تھا) ایک طرح کا سکون اور زندہ دلی پائی جاتی تھی جو جان دمشقی کی تعلیمات سے بالکل ہی ملتی جلتی ہے جو اس فرقہ کی ابتدائی نشو ونما کے وقت مذہبی غور و خوض مین مصروف رہتا تھا اور جس نے بنی امیہ کے دار الخلافت مین اچھی خاصی شہرت حاصل کی تھی، وہ کہتا ہے کہ "اس امر کا جاننا ضروری ہے کہ خدا، اپنے اصلی اور پیش بین ارادہ کے مطابق ہم سب سے چاہتا ہے کہ اس کی بادشاہت مین حصہ لین، اس نے ہم کو سزا کے لئے نہین پیدا کیا، وہ مہربان ہے، اس لئے ہم کو اس کی فیاضی سے مستفیض ہونا چاہئے، گنہگارون کو وہ سزا دیتا ہے کیونکہ وہ منصف ہے"

مرجیہ کے بہت سے خیالات آگے چل کر اسلام مین داخل ہوئے ہیں مذہب حنفی جس نے بہت زیادہ رواج پایا جس کا پیرو تر کی مسلمانون کا حصہ غالب ہے مرجیہ کی بنیاد پر قائم ہوا ہے، اس کے بانی نے مرجیہ کے نہایت ضروری مسائل

کو تسلیم کیا اور جہان تک قدیم تاریخی اسناد کا تعلق ہے، خود مرجیہ کہلایا، ماسوا اسکے عربی لٹریچر مین سب سے قدیم مورخ مذہب یعنی ابن حزم، مرجیہ کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا فرقہ تھا جو پابندی شرع سے ذرا ادھر اودھر نہین ہوتا تھا، مذاہب اربعہ مین حنفی ہمیشہ نہایت متحمل اور غیر متعصب رہے ہین، خدا کی تنزیہہ و تقدیس کا تخم ایک ہزار سال ہوے کہ بویا گیا تھا، اور تقدیر انسانی صدیون کی سختیان اور صعوبات جھیل کر ہمارے عہد تک پہنچی ہے،

بہرحال یہ ایک ایسا منظر ہے جس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے، یعنی دو عظیم فرقہ ہاے اسلام حنفی و شافعی مین پہلا جہان نہایت متحملانہ ہے، دوسرے مین تعصب اور تشدد فی المذہب پایا جاتا ہے، پہلے نے عالمگیر وسعت پائی اور دوسرے نے برابر انحطاط آتا گیا، جب مین ان واقعات متذکرہ پر نظر ڈالتا ہون تو اپنی اس راے کے اظہار سے باز نہین رہ سکتا کہ مرجیہ اپنی اصلیت اور ہیئت کذائی کے لئے کلیساے یونانی کے مذہبی فلسفہ کے ممنون ہین، اس کے متعلق کامل تصریحات پیش نہین کی جاسکتی ہین، کیونکہ باستثنا ، دو ایک قطعات کے مرجیہ کی تحریرات قریبًا بالکل فنا ہوچکی ہین، اور ان کے ساتھ وہ مواد بھی جاتا رہا جس سے ان کی تعلیمات کا پورا پورا موازنہ بربیان یونانی کے ساتھ ہوسکتا،

اور لیجئے، اسلام کا ایک دوسرا ابتدائی فرقہ عیسائیت کے ساتھ اور بھی مشابہت اور اتحاد قریبہ رکھتا ہے، میری غرض قادریہ سے ہے جو جبر سے اسلام

ہیں آزاد خیال ہیں اور جنھوں نے آگے چل کر معتزلہ کے نام سے ایک ممتاز درجہ
حاصل کیا، اس خیال کے بہتیرے سبب ہیں کہ قادریہ کے مذہبی عقائد عیسائیت
سے ماخوذ ہیں اور اس سے کچھ کم متاثر نہیں ہیں، یہ امر لائق لحاظ ہے کہ اُن کے
تصورات بالتخصیص خدا کی ذات وصفات کی طرف مائل رہتے تھے،

یہی رجحان بربیان یونانی میں بھی پایا جاتا ہے، ان کے ہاں بھی خدا کی
ذات وصفات کا مسئلہ پیش پیش تھا، مسئلۂ اختیار کو عربوں کے ملک شام فتح
کرنے کے تھوڑے سے دن بعد علمائے عیسوی نے پیش کیا تھا، جو دمشق کے
رہنے والے تھے اور عربوں سے ملتے جلتے رہتے تھے، میری مراد جان دمشقی
اور تھیوڈور ابو قرہ سے ہے، اوّل الذکر نہایت استحکام کے ساتھ اس رائے
پر قائم تھا کہ خدا صرف اچھائی چاہتا ہے اور وہ اچھائی کا مخرج ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔
وہ کہتا ہے جس طرح روشنی آفتاب سے نکلتی ہے، اچھائی خدا سے ظہور میں آتی
ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جان دمشقی کی تحریرات میں معتزلہ کا ایک مسئلہ بہت پہلے
بیان کر دیا گیا ہے، یعنی خدا کی طرف سے جزا و سزا اعمالِ انسانی کے لحاظ سے
ہوتی ہے، اس نے انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ ان کو تلف کر دے
یا تلون مزاجی کے ساتھ ان کو بیرحمی کا شکار بنائے، یہ مسئلہ معتزلہ کے ہاں خدا
کے ادراک کا اصل الاصول ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرجیہ نے بھی اسے تسلیم
کر لیا ہے، اسی طرح بہتیرے مباحث ہیں جن پر مسلمان علما نے تفصیل کیسا تھ

طبع آزمائی کی ہے لیکن جن کا ہیولیٰ ربیانِ یونانی کی تحریر مین پایا جاتا ہے، مین صرف ایک لفظ یعنی "تعطیل" کا ذکر کرون گا جو علماے عرب نے کنوسس ( ) کے لئے وضع کیا، جو عیسائیون کے مذہبی لٹریچر مین خدا کے ادراک کو تمام صفاتِ انسانی سے منزہ کرنے کے معنی مین آیا ہے، قدیم ترین نسخہ عربی یعنی فقہ الاکبر مین جو ایک مختصر سی کتاب ہے، ظاہرا بہتیری باتین ایسی ملتی ہین جو ربیانِ یونانی کو یاد دلاتی ہین،

فرقۂ معتزلہ کا بھی عیسائیت سے متاثر ہونا پایا جاتا ہے اور ہم اس خیال کیلئے کافی وجوہ رکھتے ہین جو نیا ہو تو ہو، تاہم بے بنیاد نہین ہے کہ ابتدائی اسلام کے مذہبی فرقون کا نمو اور کلیاتِ منقولی جو ارتقاءً ان سے ظہور مین آئے وہ خاصکر عیسوی خیالات کے زیر اثر واقع ہوئے تھے، اس طرح مسائلِ مرجیہ اور قادریۃ کا تعلق براہِ راست کلیساے یونانی کے اجتہادات سے پایا جاتا ہے جو علماے دمشق کی تحریرات مین ملتے ہین، معتزلی مسائل جن کا سلسلہ غالباً دمشق یعنی خلفاے بنی امیہ کے مسکن تک پہنچتا ہے، بہت بڑی ترقی، بالامتیاز، بصرہ، کوفہ اور بغداد مین حاصل کی اور یہ ان سیاسی تشنجات کی پناہ مین حاصل ہوئی جنھون نے اسلامی سلطنت کے مرکزِ ثقل کو دفعۃً دمشق سے بابل کی طرف منتقل کر دیا، اس فرقہ کی تقدیر مابعد جو عربون کی تمام و کمال دماغی حرکت پر عمیق اثر رکھتی تھی ہمارے موجودہ دائرۂ تحقیقات سے باہر ہے،

بجاے اس کے ہم اُن اقطاعِ ارضی کی طرف متوجہ ہون گے جو سواحلِ فرات پر واقع ہین، جہان اسلام نے بیرونی عناصر سے جن سے سابقہ پڑا بالکل ہی جداگانہ نوعیت کے اثرات حاصل کئے، وہ خوبصورت خطاے ارضی جن پر فطرت کی خاص عنایت تھی اور جو لبِ دجلہ و فرات واقع تھے، ان مین عربی فتوحات کے وقت پہلو بہ پہلو ایسی قومین آباد تھین جو مذاہب مختلف کی پیرو تھین، حکمران عجمی مذہب زرتشت رکھتے تھے، عیسائیت نے خاصی ترقی کی تھی اور بعض شہرون مین اسے غلبہ حاصل تھا، تمام بدوی قبائل جنھون نے عراقِ عرب کو اپنی چراگاہ بنا رکھا تھا، ایک دم سے آغوشِ کلیسا مین پہنچ گئے تھے، اسی کے ساتھ مذہب مانوی کے پیرو بھی موجود تھے جو عقائدِ زرتشت کے ساتھ عیسوی اور ہندی خیالات کے اختلاط سے پیدا ہوا تھا، آخر آخر مین بھی مذاہبِ جاہلیت کے ماننے والے کچھ کم نہین تھے، جن مین سب سے آخری جماعت صابئینِ حران کی تھی جو عہدِ اوسط تک زندہ بچ گئی،

جاہلیت کی بہت سی رسمین یعنی "سنت الاولین" عرصہ تک جاری رہین مثلاً دعوتِ عنقود (اِیڈونس)، بعض خاندانون کی معبودانہ پرستش جس کی ایک نظیر ہم کو ساتوین صدی ہجری مین بھی ملتی ہے،

فاتح مسلمان جو مفتوحہ اقوام سے خدا کا سا برتاؤ کرتے تھے اور ان پر نہایت سخت قسم کے کامون کا بار ڈالتے تھے، ان کی فوجی نخوت اور نیز خلیفہ ثانی کے

اصول کی سختی اور یک رنگی نے (جنھون نے قطعاً عربون کو زمینداری اور کاشتکاری سے روک دیا تھا تاکہ وہ غیر مشترک طور پر صرف فوج کے ہو کر رہین) یہ نتائج پیدا کئے کہ ہر طرف لوگ مسلمان ہونے لگے، ارضِ مفتوحہ کے بہت سے پرانے باشندے غلام کی حیثیت سے بیچے گئے اور اس وقت آزاد کئے گئے جب وہ مسلمان ہوے اور اپنے آقاؤن کے ساتھ انھون نے بحیثیت موالی تعلقات پیدا کئے،

جب ہم خیال کرتے ہین کہ عربی اصولِ قانون کے مطابق ایک مولیٰ کی اولاد آقا کی اولاد کے مقابلہ مین وہی درجہ رکھتی ہے جو اصلی مولا کو اصلی آقا کے لحاظ سے حاصل ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر مخلوط النسل اشخاص کی تعداد اس قدر تیزی سے بڑھتی گئی جو ممالکِ مفتوحہ سے لئے گئے تھے اور جو فاتحینِ عرب سے "موالی" کا تعلق رکھتے تھے، یون نومسلمون کا روزافزون دائرہ بڑھتا گیا، ان کا کچھ حصہ تو باطناً اپنے قدیم معتقداتِ مذہبی کو صحیح سمجھتا تھا، لیکن بہت سے واقعی ایسے تھے جن مین اسلام کی تعلیمات نے ملہمانہ سرگرمی پیدا کر دی تھی، جن کی حیرت انگیز کامیابی نے ان کی صداقت اور خلوص کا اعلان کر دیا، یہ ایک مذہب کی بندشِ عامہ تھی جس نے مختلف اور متفرق عناصر کو یکجا کر دیا لیکن یہ رشتۂ اتفاق چونکہ ضعیف و کمزور تھا پہلے ہی صدمہ کی تاب نہ لا سکا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا،

یہ صورت اس وقت پیش آئی جب علیؓ اور معاویہؓ مین ملکی جنگ چھڑی ہوئی تھی، ایک شایق جمہوریت پارٹی قایم ہوگئی تھی جس مین خاصکر اصلی عربی عناصر شریک تھے جو دونون مدعیانِ تخت کے خلاف تھے، علیؓ کے گرد ایک شدید العقائد گروہِ کثیر جمع ہوگیا، جو اُن کو پیغمبر کا وارثِ جائز سمجھتا تھا، اور جو قدیم عجمی خیال کے مطابق سلطنتِ ربانی کو ان کی طرف منسوب کرنا چاہتا تھا، یہان تک کہ اس نے علیؓ اور ان کی اولاد کی پیغمبری کی طرح پرستش کی، اس سے شیعیانِ علیؓ کا ایک بہت بڑا فرقہ مذہبی عالم وجود مین آیا، جو مشرق کی تاریخ مابعد مین اس قدر ضروری نکلا جس کی انتہائی بلند پروازی یہ تھی کہ وہ علیؓ کو خدا سمجھتے تھے، جو ذرا معتدل خیال کے تھے وہ علیؓ کے جانشینون کو دنیاوی اور روحانی امور مین جائز پیشوایانِ اسلام خیال کرتے تھے،

شیعیون کے وجود کے سبب اولی کو صرف قدیم مشرقی، یا شاید عجمی خیالات کی طرف منسوب کرنا ایک ناانصافی ہوگی، کیونکہ ہم متقدمین پیروانِ علیؓ مین عربی نسل کے ممتاز آدمیون کو دیکھتے ہین، یہ شیعی اس لئے ہوے کہ اس بڑی کشمکش مین جو تخت کے لئے علیؓ اور معاویہؓ مین پیش آئی تھی انھون نے علیؓ کا ساتھ دیا، جن کی رفاقت مین بہت سے عجمی اور خارجی اشخاص تھے جن کے مذہبی خیالات نے شیعیون مین بتدریج قبولیت حاصل کی تھی،

قدیم عربی شیعیون مین ہم کو ایک ایسا عقیدہ ملتا ہے جو غیر عربی عنصر یعنی

سنت الاولین کا صاف اور غیر مشتبہ نقش معلوم ہوتا ہے اور جو کسی طرح وطنی پیداوار نہین سمجھا جا سکتا، یہ وہ مسئلہ ہے جس کا ذکر عربی تحریرات مین الرجعۃ یعنی مسئلۂ "واپسی" کے نام سے آتا ہے، عقیدۃ الرجعۃ اس زمانہ کی زبان مین یہ خیال ظاہر کرتا تھا کہ شیعیان علیؓ مرنے کے بعد پھر زندہ ہون گے، اور تمام آدمی ایک مدت کے بعد جو چالیس دن سے کم نہ ہوگی جی اٹھین گے، اس مسئلہ نے معتقدین مین ایک خاص طرح کی باطنی گمراہی پیدا کر دی کیونکہ اس نے ان لوگون مین موت کی غیر معمولی تحقیر کو ترقی دی تھی، ایک عربی شیعی جس کا نام خندق تھا اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنے دوستون کو یقین دلایا تھا، کہ اگر اس کے خاندان کی کوئی کفالت کرے تو وہ اغراضِ عام کیلیے اپنی جان دینے کو بالکل تیار تھا، ایک دوست نے اسے اطمینان مطلوبہ دلایا، اور وہ مکہ چلا گیا، جہان اس نے باوازِ بلند اہلِ مکہ پر گالیون کی بوچھار کی اور یہ الزام لگایا کہ انھون نے خاندانِ رسالت کو جو اسلام کے جائز پیشواے مذہبی تھے چھوڑ رکھا تھا، شیعیون مین واقعی بہتیرے سخت خیال ایسے موجود تھے جن کا عقیدہ تھا کہ خلافت صرف اولادِ علیؓ کا حق تھا، ان کو پختہ یقین تھا کہ جلد جی اٹھین گے اس لئے بے تکلف موت سے ہم آغوش ہوتے تھے، اور آج بھی شیعیانِ عجم مین عقیدۂ رجعۃ موجود ہے جس کے شواہد بابیون کے ہنگامہ کی تاریخ مین بکثرت ملتے ہین، نصیریون مین بھی یہی مذہبی خیال آج تک چلا آیا ہے، کیونکہ وہ اپنے عقیدہ مین مسئلۂ رجعت کو یون چھپایا کرتے ہین کہ ظہورِ الوہیت بار بار انسانی صورت مین

ہوتا رہتا ہی اس کے سوا ایک عربی شیعی یعنی شاعر کثیّر کی نسبت (جو فرقہ قیسانیہ یا خشبیہ سے تھا) کہا جاتا ہی کہ وہ تناسخ اور مختلف صورتوں مین خدا کے تجسم کے مسئلہ کی تلقین کرتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسائل مذہبِ مانوی سے ماخوذ ہین مسئلۃ الرجعۃ اور حشر و نشر یہود و نصاریٰ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زندہ ہونے کی روایت سے پایا جاتا ہے، یہ صاف ظاہر ہے کہ عقیدۂ رجعۃ اس وقت و بلکہ اس سے پہلے مشہور ہو چکا تھا، عام عقیدے کے مطابق پیغمبرانِ یونسؑ و الیاسؑ مرے نہین تھے، بلکہ ان کے زندہ اجسام حرّان کی قبرون مین وقفِ استراحت تھے، ۴۰ دن کی مدت عیسوی روایات مین اسی طرح پائی جاتی ہے، جس طرح ان ابتدائی فرقہ ہاے اسلام مین، اس خیال کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی دنیوی زندگی کی مدت دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاریخِ حوارئین مین چالیس دن کی قرار دی گئی ہے، "اعمالِ حوارئین" کے ایک فقرہ مین مسئلۂ رجعۃ کا ذکر ہے جہان تمام چیزو کے دوبارہ پیدا کرنے کا بیان آیا ہے، اسی سے عہد عیسوی کی پہلی صدی مین اس "ہزار سالہ مدت" کا خیال پیدا ہوا جس مین مسیح پھر آکر سلطنت کرین گے،

یہ تنقیدات تمثیلاً ان اہم تغیرات کے دکھانے کے لئے کافی ہین جو بیرونی تمدن کے اثر سے اسلام پر طاری ہوئے، لیکن یہ مؤثرات صرف مذہبی امور ہی مین پوری قوت کے ساتھ اپنا کام نہین کر رہے تھے بلکہ اجتماعی (سوشل) دائرہ ان سے کہین زیادہ متاثر ہو رہا تھا،

(باقی دارد)

(مخزن جون ۱۹۰۷ء)

البیان

(ایک ماہوار ادبی رسالہ)

ملک مین "الندوہ" کے سوا یہی ایک رسالہ ہے جس کا موضوعِ سخن عالمانہ اُردو کے ساتھ عربی لٹریچر کے مذاق کی تجدید ہے، یہ وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ادبی رسالون مین یہ علانیہ ممتاز ہے، لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ رسالہ بھی کچھ عرصہ سے سسک سسک کر نکل رہا ہے، اور وہ وقت ظاہراً کچھ دور نہین معلوم ہوتا کہ "معارف" کی طرح یہ بھی ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے، مرض وہی ہے جو ملک کے وقیع پرچون کو آئے دن لاحق رہتا ہے یعنی خریدار نہین ملتے، جو ملتے ہین، وہ قیمت نہین دیتے، فرمائیے یہ تو مادیت کا دور دورہ ہے، نرے توکل سے تو کام چلنے سے رہا۔

سرسید کے زمانہ کو ابھی کے دن ہوئے، کل کی بات ہے کہ نئے پرانے ہر خیال کے آدمیون مین دفعۃً پڑھنے لکھنے کی ایک قومی تحریک پیدا ہو گئی تھی، جس کو دیکھ دیکھکر اہلِ نظر سمجھنے لگے تھے کہ مسلمانون مین ارتقاءِ دماغی شروع ہوا چاہتا ہے یعنی ملک

مین ادبی (لٹریری) مذاق کا رنگ اگر عام طور پر رچ گیا تو وہ حالت ہم پر طاری ہو کر رہے گی، جو جاپان مین علمی ترقیات سے پہلے دیکھی گئی لیکن یہ کایا پلٹ کچھ سمجھ مین نہین آتی، کہ آجکل سرے سے کوئی پڑھنا ہی نہین چاہتا،

اہل صرف کی طرح زمانہ کے تین حصے کیجئے، ماضی، حال، استقبال فلسفیون کا خیال ہے کہ مستقبل ہمیشہ ہماری حالت گذشتہ اور موجودہ کا ایک نتیجہ ہوتا ہے لیکن مین آیندہ قطع نظر کر کے پہلے یہ دیکھتا ہون کہ حال اگر ماضی کا بیٹا یعنی اس کا پیدا کردہ ہے تو آخر اس قدر ناخلف کیون ہے؟ وراثت طبعی کے لحاظ سے کچھ تو پچھلے اور موجودہ وقت مین خصائص مشترک ہونے تھے، یہ کیا کہ باوا اچھے خاصے پڑھے لکھے، اور بیٹے اس قدر کورے کہ الف کے نام بے نہین جانتے، آخر دور موجودہ ادبی حیثیت سے اتنا گیا گذرا کیون ہے؟ یہی لیل ونہار ہین تو پوتے یعنی مستقبل کی قطعاً خیر نہین، دنیا مین ہر چیز نظامات مقررہ کے سلسلہ مین جکڑی ہوئی ہے، گذشتہ دماغی تحریک کے ساتھ موجودہ بے حسی کو ربط دیجئے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ ایک طرح کی ناگزیر ادبی موت جس کے خیال سے دم گھٹتا ہے، موت کیا ہے؟ صرف قوائے حس کا جاتا رہنا یہ تو قطعی ہے کہ نئے تعلیم یافتہ کچھ نہین پڑھتے یعنی ان مین خالص علمی مذاق بہیئت اجتماعی نہ پیدا ہوا ہے، نہ آیندہ پیدا ہونے کے منطقی آثار ہین، بڑی مصیبت یہ ہے کہ انھون نے اپنی زبان بگاڑ لی ہے، ایک صاحب جو خاصے گریجویٹ ہین اور جن کو کہنا منظور یہ تھا کہ "بیوی کا انتقال ہو گیا" مزاج پرسی پر نہایت سنجیدگی سے فرمانے لگے کہ

"میری وائف کا ڈتھ ہوگیا ہے"

مین ان کا منھ دیکھنے لگا، اور مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ حادثہ سے اظہار خیال کے طریقے پر افسوس ہے! یہ نمونہ ہے اس ٹکسالی زبان کا جو آجکل ہماری تربیت گاہون مین زورون کے ساتھ رائج ہے، اچھے اچھون کو دیکھا پورا فقرہ اپنی مادری زبان کا بغیر اختلاط انگریزی نہین بول سکتے، ایک خاص طرح کا روزمرّہ ایجاد ہوا ہے، جس مین آدھے سے زیادہ بے ضرورت انگریزی کی بھرتی ہوتی ہے، گورون کی بگڑی اردو بیگانگی زبان کی وجہ سے پھر بھی لائقِ درگذر ہے لیکن یہ نئی بات ہے کہ اہلِ زبان اور گونگے! یعنی ادائے خیال پر اس وقت تک قادر نہین جبتک زبانِ غیر کی پیوندکاری نہ ہو جس پر ہر شخص گویا مٹا ہوا ہے، "دائی پر غش اور مان سے بیگانگی" یہ وہ پیمانۂ شائستگی ہے جو مادری زبان کے لئے جدت سے خالی نہین! اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی کو اصلاح کا احساس تک نہین، ورنہ آج "البیان" ہاتھون ہاتھ ہوتا،

ہم مولانا عبداللہ عمادی کے ممنون ہین کہ وہ اس کس مپرسی مین بھی دادِ سخن دیتے رہتے ہین، علم الصنائع اور کیمیاے اسلام پر جو کچھ لکھا گیا، فاضل عمادی کے سوا کس کا قلم یون اٹھ سکتا تھا، یہ مضامین اور جو آجکل ان کے قلم سے نکل رہے ہین، اس پایہ کے ہین جن سے اردو لٹریچر کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے، اور سچ یہ ہے کہ معلم شبلی کے بعد مستشرقانہ حیثیت سے کچھ لکھنا پڑھنا وہ بھی یورپ سے دور

یہان کی غیر متحرک آب وہوا مین جامع کمال عمادی کا حصہ ہے، جن کو تعلیم یافتہ طبقہ بھی اچھی طرح نہین جانتا، ان کے ذاتی اجتہادات کے سوا ایک نظر مصری مصری لٹریچر پر بھی ہے، جو اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ کسی طرح جی نہین مانتا، ہم اس سے بیگانہ ہو کر رہین، ہماری بدمذاقی خود سفارشی ہے کہ "البیان" اپنی وضعداری کو ہاتھ سے نہ دے، اور وہ مرقعے پیش کرتا رہے جن مین گران پایہ ادبی مضامین کے سوا پر زور معقولات کا بھی ایک کافی حصہ ہو، معقولات پر توجہ کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ جن مسائل کو ہمارے لٹریچر اور روزمرہ کا ایک جزو ہونا تھا، اب بھی وہ اتنے اہم ہین کہ مستقل عنوانون سے ان پر اظہار خیال کی ضرورت ہوتی ہے، پچھلے دنون ایک صاحب جن کی رواجی عربیت خاصی معلوم ہوتی تھی، علامہ شبلی کے منھ اس لیے آئے تھے کہ ممدوح نے مسئلۂ ارتقا پر علمی حیثیت سے نظر ڈالی تھی لیکن ان کو مولانا کے انتقاد سے اس قدر بحث نہین تھی جس قدر نفسِ مسئلہ یعنی اصولِ ارتقا کی تردید پر اصرار تھا، نہ جاننا بھی مزے کی بات ہے غریب کو یہ بھی معلوم نہین کہ وہ کس حد تک جہلِ مرکب کا حامی ہے؛ بہرحال "البیان" مین چوٹی کے فلسفیانہ مضامین کو عنصر غالب ہونا چاہیے، یہان یہ بات بھی جتا دینے کی ہے کہ ہمارا مذہبی لٹریچر مصریون سے گرا ہوا نہین ہے، اس لیے منقولات اور ان مین بھی ایسے اقتباسات جن سے کسی بحث کا خاتمہ نہ ہوتا ہو گو دلچسپ ہون، تاہم وقت کی چیز نہین،

آخر مین مولانا عمادی کو جس امر کی طرف بالتخصیص متوجہ کرنا چاہتا ہون اور جو در اصل ان چند سطرون کا موضوعِ اصلی ہے وہ یہ ہے کہ "البیان" کے دو ایک کالم اصطلاحات جدیدہ کے لئے وقف کر دیئے جائین، یہ ایک ضرورت ہے جس کو تعلیم یافتہ طبقہ عرصہ سے محسوس کر رہا ہے اور جس پر اردو لٹریچر کی آیندہ ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے، وہ اس قدر گئی گذری نہین جتنی ہماری "علمی ناداری" اسے ذلیل کر رہی ہے، سچ یہ ہے کوئی مغربی خیال اردو مین شایستگی سے ادا نہین ہو سکتا جب تک اس کیلئے اصطلاحات پہلے سے موجود نہ ہون، اور چونکہ انگریزی اصطلاحات صرف عربی قالب مین ڈھل سکتی ہین جس کی ترکیب ایسی واقع ہوئی ہے کہ علمی حیثیت سے وہ ہماری زبان کی کفیل ہو سکتی ہے اس کے لئے جدید عربی مین معمولی سے زیادہ دستگاہ پیدا کرنی ہوگی، اور یہ ہر شخص کے بس کی چیز نہین، اس لئے "البیان" میرا خیال ہے بہت احسان کرے گا، اگر مصر سے وہ ہمارے لئے ذخیرۂ اصطلاحات بہم پہنچاتا رہے، یہ اس قدر ضروری مسئلہ ہے کہ "البیان" کے مقاصد مین اسے سر فہرست ہونا تھا، لیکن مولانا عمادی جو اس فن کے اخصائی (اسپشلسٹ) ہین، دبی زبان سے فرما رہے ہین کہ:- "جو آگ برف کے ٹکڑون پہ سلگائی جائے وہ جل چکی! زمانہ مین کہین علمی مذاق نہین، لٹریچر سے لگاؤ کا نام نہین، پھر یہ کاوش و دردسری آخر کس کے لئے؟ یہ بارِ گران (پرچہ کا خرچ) چلیگا کیونکر؟" یہ حالت جس قدر مایوس کن ہے اس سے زیادہ لائق افسوس ہے، مگر ایک

مشہور انشا پرداز کا خیال سُن رکھیے کہ جس طرح ہر مشغلۂ محبت مصیبت کا گھر ہے
مشغلۂ سخن سب سے بڑھ کر ہے، حسنِ کلام کے مارے ہوئے پنپتے نہ دیکھے، سارے
اہلِ قلم بری طرح جئے اور عمر بھر روٹیوں ہی کے محتاج رہے، اور بہت کم ہیں جو
اپنے قلم سے زندگی بسر کر سکے،

"مصائبِ اہلِ تصنیف" دیکھیے جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے
تو معلوم ہوگا خلاقینِ سخن پر کیا کیا سختیاں گذریں اور گو یکتائے روزگار ہوئے
مگر مصیبتیں وہ وہ اٹھائیں کہ ان کا دل ہی جانتا ہوگا"

لیکن دنیا میں جب کسی قوم نے ترقی کی تو اس کے ادب و انشا یعنی لٹریچر کو
ضرور ترقی ہوئی، اور اس کی ذلت اس قوم کی نحوست کا سبب رہی ہے عرب
کے اس وقت کے لٹریچر کو دیکھیے جب یہ تمام دنیا کے فتح کرنے کا حوصلہ رکھتے
تھے، اندلس جو تمدّن کے لحاظ سے تمام دنیا کا مرکزِ شائستگی تھا، ادبی حیثیت
سے مجمع الفصحار (اکیڈمی) ہو رہا تھا، یورپ کو آج جو عظمت و کمال حاصل ہے
کم کسی زمانہ میں نصیب ہوا ہوگا اس لئے ان کے لٹریچر کو بھی دیکھیے کس مرتبہ
کو پہنچا ہوا ہے،

اخباروں اور کتابوں کا ایک ایک کارخانہ بجائے خود گویا عظیم الشان
ریاست ہے، جہاں معاوضۂ تصنیف کی تعداد لاکھوں روپیے پہنچ جاتی ہے
ہر شخص کو لٹریچر کی طرف ایسی توجہ ہے کہ مشہور اہلِ کمال شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں

ایشیا کے اہلِ قلم میں مجھ کو حضرت شبلی کے ساتھ ایک خاص حسنِ عقیدت ہے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ بمبئی سے دور کالے کوسون یورپ مین یہ پیدا ہوئے ہوتے تو ان کے کمالات کی قدر ہوتی، داد سی داد ہے کہ کوئی کا فرادا کمرے مین بے تکلف چلی آتی ہے اور کہتی ہے "مین تمھاری کتاب پڑھتے پڑھتے آئی ہون، مین تمھاری اور یہ دولت تمھاری، ساتھ ہی ساتھ آٹھ دس لاکھ کے نوٹ سنبھال دیئے اور ہاتھ گلے مین ڈال دیئے" ؎

نیند اسکی ہے دماغ اس کا ہے راتین اس کی ہین
جس کے بازو پر تری زلفین پریشان ہوگئین

جس سے ایک ندوہ کیا، لکھنؤ مین مشرقی یونیورسٹی قائم ہوسکتی ہے، لیکن لوگون کا دل و دماغ خوش کرنے کے لئے کتنی ہی محنت کیجئے، یہ نصیب ہمارے ابھی کہان؟ یہان ہر چیز کی قدر ہے، اسی کی نہین، اس لئے عمادی کو بھی سردست اپنی ادبی خدمات کے محض فلسفیانہ صلہ پر قناعت کرنی ہوگی، تسکین کے لئے یہ کافی ہے کہ ہر فعل خود اپنی مکافات ہے،

مین یہ کہہ چکا ہون کہ عموماً طبائع مین اس قدر سکون و انجماد ہے کہ پڑھنے لکھنے کا مشغلہ ضروریاتِ زندگی مین داخل نہین ہے، لیکن خوش نصیبی سے لائقِ التفات لٹریچر کی مقدار کا اوسط بھی بہت ہی کم ہے، یعنی سال مین ایک کتاب بھی مشکل سے شائع ہوتی ہے جس کی خریداری سے گرانباریِ جیب کا احتمال ہو مثلاً

نظام الملک طوسی کی لائف کو لیجئے،

مؤلف "البرامکہ" کی طرف سے کم و بیش پانچ برس ہوئے اس کی اشاعت کا اشتہار دیا گیا،

مدت ہوئی ایک معتد بہ حصہ چھپ چکا ہے، کچھ اجزا، باقی ہین جن کیلئے برسون سے کاتب نہین ملتا، پریس شاکی ہے کہ مسودہ نہین ملتا، لائق مؤلف اب دور ہین کہ وہان سے کوئی آواز نہین آتی، نتیجہ یہ ہے کہ ایک غیر محدود زمانہ تک اس کی اشاعت کا بالکل خوف نہین! حال مین ایک نہایت قابل قدر تالیف ایک اچھے پریس کو اس لئے نہ دیجا سکی کہ کم سے کم دو سال امیدواری کرنی پڑتی اس تیز رفتاری کے ساتھ ہماری عقلی ترقیات کا کیا ٹھکانا ہے، صدیان بھی کافی نہین! جن صاحبون کو ہمارے اسباب نحوست کے دور کرنے کی فکر ہے وہ دیکھین گے کہ جو قوم اپنے لٹریچر کی طرف سے غافل رہی وہ کبھی نہین پنپتی، اس لئے ہم کم سے کم یہ تو کر سکتے ہین کہ دو ایک موقت الشیوع پرچے بالالتزام دیکھتے رہین، خاصکر "البیان" جس کی طرف خواص کو متوجہ کرنا منظور ہے، اگر تین روپیے پیشگی ایک وقت مین گرہ سے نہین نکل سکتے تو کچھ الزام نہین، کیونکہ ہمارے ہان اونچے لوگون مین بھی "بدل الاشتراک" (یعنی قیمت اخبار) ایک امر غیر عادی ہے، مگر یہ تو ممکن ہے کہ چار آنے کے ٹکٹ ہر مہینے مین دفتر کو بھیجدیئے جائین، اور رسالہ ملتا رہے،

یورپ مین جہان علمی مشاغل بہت زیادہ ہین اور جہان مضطرب طبائع نچلی نہین بیٹھ سکتی ہین، اور چھوٹی آمدنی والے یہی کرتے ہین کہ روز کے روز اور مہینے کے مہینے خاص خاص پرچون اور رسالون کے نمبر لے لئے، اس طرح چند آفسون مین متعدد پرچے نظر سے گذر جاتے ہین، اور دائرۂ معلومات بڑھتا رہتا ہے، "البشیر" خاص پسند ہے، مین ناظرین کو اس سستی اور چلتی ہوئی ترکیب کی آزمایش کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہون، اگر لاکھون پڑھے لکھے مسلمانون مین ایک ہزار بھی ایسے نکل آئین، جو چند آنے ماہوار دل کڑا کر کے صرف کر گذرین تو دو ایک پرچون کا زندہ رکھنا کچھ بڑی بات نہین، ہم مین اتنا افلاس نہین جس قدر کاہلی اور پست ہمتی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس زردا کے ساتھ مین نہین جانتا بیسوین صدی مین ہم کو دنیا مین رہنے کا کیا حق حاصل ہے؟

(مشرق ۱۹۰۶ء)

ایک خط

پیارے جناب!

یاد فرمائی کا شکریہ! مین نے بہت خوشی کے ساتھ "مشرق" کا ایک نمبر دیکھا، لیکن آپ معاف فرمائین گے آپ کو دیر مین میرا خیال آیا اور یہ ایک حد تک میری لٹریری حق تلفی تھی،

صفحۂ دویم سے "مشرق" جہان تک مین دیکھ سکا ملک کے رائج الوقت پرچون کی ایک "ارتقائی" صورت ہے اور امید ہے، آپ کے قلم کے سایہ مین وہ جرائدِ عصریہ مین ایک نصابی پرچہ ہو کر رہے گا،

آجکل مہذب ممالک مین جتنے نمود کے پرچے ہین ان مین لٹریچر یعنی ادب کے ساتھ سیاسیات کا پہلو قوی تر ہوتا ہے اور میرے خیال مین کسی پرچے کی تکمیل کے لئے جن اجزائے ترکیبی پر بالتخصیص توجہ کی ضرورت ہے وہ یہی دونون عناصر ہین یعنی ادب و سیاسیات جنھین اخبار کی روح رواں یا دل و دماغ جو چاہیے کہئے، آپ کا مذاقِ سلیم خود ان سے طبعی مناسبت رکھتا ہے، اس لئے میرا کچھ کہنا

سننا "حکمت بہ لقمان آموختن" سے بھی زیادہ گیا گذرا ہوگا، پالیٹکس تو وقت کی چیز ہے، آپ مسائلِ مؤثرہ پر سنجیدگی سے لکھتے رہتے ہین، ہان مصری لٹریچر پر ایک نگاہ رہے، آپ کی عربیت خاصی ہے، اقتباسات مین امتیازی جھلک ہونی چاہئے، جو رفتہ رفتہ آپ کے پرچہ کا ایک خاصہ ہو جائے،

آپنے اپنے عنایت نامہ مین "چندے" کا کچھ ذکر نہین کیا، ہمارے ہان اونچے طبقون مین بھی "بدل الاشتراک" ایک امر غیر عادی ہے، یعنی ادائے قیمت کا دستور نہین!

اخبار صرف توکل پر چلتے ہین، لیکن میری نیت مین فتور نہین ہے، گو اس وقت باتین بنانے پر اکتفا کر سکا، اور جب تک چندہ ادا نہ ہو جائے مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ میری بہترین خواہشات آپ کے ساتھ ہین،

(مشرق ۱۹۰۹ء)

مشرق

اور

انشاپردازی کا دورِ جدید

پیارے برہم! مین دیکھتا ہون "مشرق" موضوعِ اخباری کے لحاظ سے نسبتہً اور پرچون کے مقابلہ مین اس قدر سطحِ فائقہ پر ہے کہ مین نہین جانتا غور کرنے پر بھی کوئی نئی بات کہہ سکون گا، جس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ آپ اس کے قوام مین بہتر سے بہتر اجزا سے مدد لیتے ہین جو لائقِ حصول ہو سکتے ہین،

لیکن اس وقت مجھے اس کی ایک حیثیتِ اضافی یعنی انشا پردازی پر مختصرًا کچھ عرض کرنا ہے، کچھ دنون سے آپ نے لٹریچر کے بعض نازک مسائل چھیڑ دیئے ہین، آپ کے دلچسپ عالمانہ تنقیدات کے سوا "شہری" کا پچھلا مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا تھا، اس لئے ضرورت ہے کہ "مشرق" مین ایک مستقل عنوان یعنی "دائرۂ ادبیہ" قائم کیا جائے جس کے تحت مین شائقینِ قلم کی نکتہ سنجیان جگہ پاتی رہین، آپ کے ساتھ اگر اور صاحبون نے بھی توجہ کی تو اس سلسلہ کا جاری رکھنا

بڑی بات نہین،

مین اس لحاظ سے کہ آپ میری تحریک کو محض زبانی جمع خرچ نہ سمجھین اپنے خیالات کی پہلی قسط بھیجتا ہون جس کا موضوعِ سخن "ناصر علی کا اردو لٹریچر" ہے جن کی پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی کی نسبت مجھے اصرار ہے کہ ملک کی انشا پردازی مین امتیازِ خاص رکھتی ہے، اور ظلم ہے اگر اردو کے آشنائے ازلی کے کمالات کی داد نہ دی جائے، جس کا فیاضانہ اعتراف خود لٹریچر کے فرائض مین سے ہے،

آپ نے میری ایک سرسری تحریر کو پچھلی دفعہ اس قدر چمکایا کہ مین دیکھتا ہون مجھے بہ تکلف بننا پڑا! جس کے آثار آپ کو ان اوراقِ پریشان مین ملین گے جو بھیج رہا ہون،

(مشرق ۔ ۱۹۰۹ء)
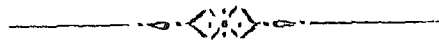
دائرۂ ادبیہ

کھلی چٹھی

بخدمت جناب خان بہادر سید ناصر علی صاحب بالقابہ ایڈیٹر "صلائے عام" دہلی

جناب من! یاد فرمائی کا شکریہ! پرچے دیکھے، مدت کی چوٹ جو دل کا چور بنی ہوئی تھی ابھر آئی، مین آپ کے لٹریچر کا اس وقت سے دلدادہ ہون جب لٹریچر کا صحیح مفہوم بھی میرے ذہن مین نہین تھا، کم وبیش بیس برس ہوئے جب آپنے ایک وضع خاص پر لکھنے پڑھنے کا مشغلہ جاری کیا، یعنی "تیرہوین صدی" مین داد سخن دی "تہذیب الاخلاق" کے ساتھ ساتھ آپ نے جس ٹھاٹھ سے دھوان دھار مضامین لکھے اور سر سید کے لٹریچر پر جس سلیقہ اور سخن گسترانہ شوخیون سے آپنے انتقادات کی ٹھہرائی، سچ یہ ہے وہ اردو لٹریچر کی جان ہین، آج سنجیدگی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مین نہین جانتا ملک کے نامور اہل قلم آپکے گذشتہ کمالات کی داد دین گے لیکن مین کھل کر کہنا چاہتا ہون کہ آپ نے اس وقت انشا پردازی کو چمکایا جب بہتون نے قلم بھی ہاتھ مین نہین لئے تھے آپ کا ادبی مذاق اور خاص طرح کا مادہ

اختراعی (انجنیلیٹی) دراصل آپ کے اولیات مین داخل ہونے کے لائق ہے،

موجودہ نسل تمام تر "تہذیب الاخلاق" کے ادبی دور کی پیدا کردہ ہے، جب آپکے لٹریچر کا شباب تھا، اور یہین سے اپنا مرتبہ دیکھ لیجئے "تیرہوین صدی" بیلا خوف تردد کہہ سکتا ہون آپ کا عنصر غیر فانی ہے، لیکن افسوس ہے آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ جس سے پچھلے دنون اتنے دماغی سانچے رہے وہ بہیئت مجموعی کتابی صورت مین جلوہ گری کا حق رکھتی، اس پاکیزہ مجموعے کی ترتیب سے اردو ادب العالیہ (کلاسکیں) مین آپکی طرف سے مستقلاً قیمتی اضافہ ہوتا جو یادگار زمانہ رہتا، آپ معاف فرمائین گے یہ بدترین حق تلفی تھی جو آپ اپنی کر سکتے تھے، یہ خیال قطعاً صحیح نہین ہے کہ ملک مین اچھے لکھنے والے پیدا ہو گئے ہین، نئی نسل کو آپ کی اردو سے کچھ واسطہ نہین ہے، نہ بہیئت موجودہ کسی مین یہ صلاحیت ہے کہ وہ آئندہ کچھ کر سکے، صاف بات یہ ہے کہ جس لٹریچر پر آپ مٹے ہوئے ہین سرے سے اس کی جان ہی کے لالے ہین، جس زبان کی حیات طبعی بوڑھے نذیر احمد اور حالی و شبلی کے دم تک ہو وہ سسک سسک کر کب تک چل سکتی ہے؟ آپ سے کچھ امیدین تھین مگر اس وقت تک آپ کا صحیح مصرف کچھ معلوم نہ ہو سکا، سنتا تھا لٹریچر بڑھاپے مین جوان ہوتا ہے لیکن مین دیکھتا ہون آپ کے ساتھ آپ کی طبیعت کا رنگ بھی کچھ بدل سا گیا ہے، یعنی خیالات مین ایک طرح کی بے تکی پائی جاتی ہے اور وہ بات نہین رہی جو کبھی پہلے تھی، شاید اس لئے کہ "تہذیب الاخلاق" کی طرح کوئی چیز اچھا و پیدا کرنے والی

نہین رہی یعنی جذبات کے اکسانے کا سامان نہین رہا،

ملک مین اچھے لکھنے والے کم ہین، ان مین بھی تھوڑے ہی ایسے ہین جو آپ کے رنگ مین دو سطرین بھی لکھ سکین، مرحوم ریاض (خدا اُسے مدتون زندہ رکھے) اور برہم و آشہری کے دل سے پوچھیے، ناصر علی پھر کہان؟ صلاے عام کی ترکیب باوصف حسن ظن کے جو آپ کی طرف سے ہے کچھ پسند نہ آئی، اس سے تو ناصری اچھا تھا، "خاصے کی چیز" اور "وقف عام"! ایک طرح کا بے تکا پن ہے، اس سے آپ کے مذاق انشا پردازی پر نکتہ چینی منظور نہین، بلکہ آپ کو اپنے ڈھب پر لانا ہے! بیسوین صدی مین جو پرچہ آپ سے باکمال کے قلم کے سایہ مین اور وہ بھی عروس سخن کے میکے یعنی "دلی" سے نکل رہا ہو اس کا نام مین آپ کی جگہ ہوتا تو بے سوچے سمجھے،

"ارتقاء"

رکھ دیتا، نام اتنا باکیف تو ہو جس سے پرچے کی علت غائی یعنی آپکے ادبی تخیل (لٹریری آئڈیل) کا پتہ چل سکے، تقطیع بھی مجھے پسند نہین، ولایت کے نامی رسالے تو آپ کے پیش نظر ہون گے، دور کیون جائیے؟ "الندوہ" کی نصابی تقطیع اختیار کیجیے، جو بہت موزون ہے، نبیون کا ہی لکھا ٹھیک نہین! یہ لکھ رہا ہون اور سمجھ مین نہین آتا آپ کے قدردان کہان سے آئین گے؟ موجودہ نسل آپ کو نہین جانتی یا کم سے کم میری طرح نہین جانتی، اور یہ آپ ہی کا قصور ہے لیکن "ہر فعل خود اپنی مکافات ہے"! دنیا مین رہنے اور اچھی طرح رہنے کا اس قدر حق ہے کہ جس طرح ہو اپنی مستقل یادگار چھوڑ دیجیے،

ں کی چلتی ہوئی ترکیب یہ ہے کہ تیرہوین صدی اور متفرق پرچون مین آپنے جوکچھ
لکھا لکھایا ہے، اہتمام کے ساتھ ایک دم سے شایع کر دیجئے لیکن مضامین غیرہ ہون
آبرو ان مین گاڑھے کا پیوند بے جوڑ رہے گا، اگر یہ نہ ہوا تو مین سمجھون گا میرے
منھ مین خاک! آپ جیتے جی مر گئے، اور لٹریچر کے خون ناحق کا بار گران جو گردن
پر رہا وہ علیحدہ، یہ اصرار آپ کے خاص مرتبۂ انشاپردازی کے لحاظ سے ہے آپکی
زبان اپنے مختص النوع صفات کے ساتھ کسی اور کے بس کی چیز نہین اور سچ یہ
ہے کہ آپ اپنے فن کے اختصاصی (اسپشلسٹ) ہین،

ہین آپ مین یونانیون کی سی لطافت خیال پاتا ہون، آپ کی چشم سخن
جہان "جنس لطیف" اور اس کے متعلقات کی طرف اشارے کرتی ہے وہ
نزاکت خیال کی آخری حد ہے، تیرہوین صدی مین بہتیرے نشتر ہین جو آج تک
دل مین چبھ رہے ہین، ابھی ابھی ایک فقرہ نظر سے گذرا،

"یہ پان اُن کے لئے ہے"

بے اختیار جی بھر آیا، اگلے پچھلے قصے پیش نظر ہو گئے، پوچھیے تو بتا نہین سکتا، لیکن
کچھ تو ہے جو دل پر چوٹ لگی، رکھ رکھاؤ اتنا تو ہوا ایک چھوٹا سا فقرہ اور عطر زندگی

بوڑھے حالی جو شاعر ہین جذبات کے ساتھ بھی عورت تو خیر "چھوٹے کپڑے"
سے گھبراتے ہین، اس قسم کی نزاکت خیال کو پسند نہین کرتے، لیکن انشاپردازی
ان سے کبھی قطع نظر نہین کر سکتی، شوق کی مثنویون مین سے اگر زوائد کو نکال ڈالئے

تو جو کچھ بچ رہے گا، فلسفۂ اخلاق کی جان ہوگا،

یا واپنی تھیں دلاتے جائیں　　　پان کل کے لئے بناتے جائیں

ان سیدھے سادے مصرعوں میں جو رکھ رکھاؤ ہے کسی رازدارِ فطرت سے پوچھیے کیا دنیا کی شاعری اس کی نظیر پیش کرسکتی ہے؟ یورپ میں جو آج بڑے پایہ کے لکھنے والے ہیں، ان میں مذاقِ حُسن پرستی اس قدر رچ گیا ہے کہ قریب قریب ان کی ہستی کا ایک جزو ہو رہا ہے، عورت جسے "خوابِ طفلی اور آرزوے شباب" کہیے،

"ہر بات تری فسانۂ حُسن"

ہیئتِ اجتماعی (یعنی سوسائٹی) کی روح رواں ہو رہی ہے جس سے کوئی شائستہ لٹریچر دست بردار نہیں ہو سکتا، آپ ان نزاکتوں سے خوب واقف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

"عکسِ رُخ موتیوں کے دانوں میں"

"صنفِ نازک" آپ کے دائرۂ تحریر میں کسی نہ کسی حیثیت سے آہی جاتی ہے،

مہرالنساء کا وہ واقعہ کس قدر دلچسپ ہے جب اس نے باغ کی ایک روش پر جہانگیر کے ہاتھ سے کبوتر لے کر چھوڑ دیئے تھے، پروفیسر آزاد نے جس خوبی سے اس کو دکھایا ہے انشا پردازی کو آج تک اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکے آپ وہ سماں دکھائیے جب "مہرالنساء" "جوان بیوہ" کی حیثیت سے شاہی محل میں رہنے سہنے لگی ہے لیکن ہائے وہ حسنِ افسردہ جو خود اپنی قوتوں سے واقف ہو خوب جانتی

تھی بجلی کدھر گرے گی،

شبِ امید بہ از روزِ عید می گردد — کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفتہ است

شن

جہانگیر ایک روز اس کے کمرہ مین جا نکلا جو ضیائے حُسن سے "شیش محل" ہو رہا تھا، جو کنیزون کے حلقہ مین زرق برق لباس آنکھون کو خیرہ کئے دیتے تھے؛ "فطرت کی لاڈلی" "ہمہ غمزہ ہمہ عشوہ ہمہ ناز" نہایت سادے باریک سفید لباس مین تھی، لیکن شیشے کی طرح صاف شفاف جسم جھلک رہا تھا،

کلائی وہ نازک سی ہیرا تراش — وہ محرم مین سربستہ اک رازِ فاش

"مقیاس الشباب" کی سرکشی بتا رہی تھی کہ وہ دستانے کی طرح چپھی ہوئی محرم سے زیادہ اودی اودی رگون کے پیچ و خم اور اعصاب کی قدرتی کھینچ تان کی ممنون ہے، اس پردہ کافوری برہنہ حصۂ افقی! خیال کے لئے کیا باقی رہا؟ غرض مہرالنسأ عالمِ تصویر بنی ہوئی تھی، شاہی نگاہین جم کر حسنِ عریانی کا جائزہ بھی نہ لینے پائی تھین کہ ایک کہربائی قوت نے بجلی کے تارون مین نہین! زلفِ عنبرین کے پیچون مین "جہان پناہ" کو جکڑنا شروع کیا، شاہانہ تمکنت نے دیکھتے دیکھتے حسنِ گلوسوز سے شکست کھائی، جہانگیر سے ضبط نہ ہوسکا، دل کا چور زبان پر یون آیا:-

"تمھارے اور تمھاری لونڈیون کے لباس مین کیون فرق ہے؟"

اس کا جواب جو کچھ ملا، اسی کا حصّہ تھا جو آگے چل کر "نورجہان" ہونے والی تھی،

بج "جی میرا لباس لازماً اورون سے مختلف ہوگا، کیونکہ اسے شاہی خواہشات کے زیر اثر ہونا چاہئے"

ذرا دیکھیے گا! کیا کہہ گئی؟ جتنا کہا نہین اس سے زیادہ تخیل کے لئے گنجایش چھوڑ دی
ایک فلسفی نے کیا چبھتی ہوئی بات کہی کہ "دنیا مین جہان کہین حسین عورت ہے
میری رشتہ دار ازلی ہے، یہ تعلق فرد انسانی مین ہمیشہ سے ہے اور وراثتِ طبعی کے
قاعدے سے ہمیشہ رہیگا، ہماری تمھاری خاک سے اور اٹھین گے اور یہ سلسلہ قائم
رہے گا، وہ کہتا ہے "مجھ کو صرف ایک تخیل کی ضرورت ہے جو فانی زندگی کا
ایک خیالی سہارا ہو اور اسی پر نہایت خوشی سے قانع رہون گا، کیونکہ معلوم ہے
دنیا دیکھنے کے لئے ہے، برتنے کے لئے نہین ہے"

اس قسم کے بہتیرے نکتے ہین، مگر دکھائے کون؟ "آزاد" جیتے جی مر گئے، آپ
باتون باتون مین ٹالنا چاہتے ہین، کیا اچھا تھا اگر آپ "بیسوین صدی کا مناظرہ"
لکھتے، "اخوان الصفا" کے رنگ مین ایک خیالی مجمع الفصحا، (لٹریری اکیڈمی)
ترتیب دیجئے، پورا دائرہ ہو، ارکین بحث یعنی اخلاقی، مذہبی، افادی، اقتصادی
اور فلسفی وغیرہ مختلف الموضوع عناصر اگر جمع ہو گئے اور ان سبھون مین آپس مین
دماغی ٹکر ہوئی تو لطف آجائے گا، کچھ نہ سہی خیام کے فلسفہ پر ریویو کر ڈالئے اور
اور چوپٹے کی کہہ گیا ہے، نا آشنایانِ حقیقت کو سمجھا دیجئے، بیچارہ یورپ کے
ہاتھون جی رہا ہے، ایشیا مین بے طرح اس کی مٹی خراب ہے، ثقہ لوگ اسے ہاتھ
بھی نہین لگاتے، نہ جاننا بھی ایک مزے کی بات ہے، اس قسم کی سر دھریان
لٹریچر پر ایک بدنما داغ ہین،

آجکل سرمایہ دار وہی سمجھا جاتا ہے جو پچھلون کے جمع کردہ مواد مین تصرف بیجا یا بجا کر سکے، آپ مین مادہ اختراعی کی کمی نہین، مواد موجود ہے، یورپ سے لیجئے اور خیالات کو پھیلا کر سمیٹئے اور لکھئے، غزالی اور ابن رشد کا محاکمہ بہت دلچسپ تھا لیکن ضرورت تھی کہ زیادہ پھیلاؤ ہوتا اور لگے لپٹے مسائل مین سے کچھ نہ رہ جاتا، مختصر یہ کہ جس پیمانہ پر آپ لکھ رہے ہین میرے توقعات اس سے کہین بڑھے ہوے ہین اور یہ امر آپ کی عظمت کے ثبوت مین ہے، نری باتون سے خواہ وہ کتنی ہی پیاری ہون اگر بار بار دہرایئے تو جی اکتا جاتا ہے، متعدد ادھورے مضامین کی جگہ ایک آدھ لکھئے لیکن ذرا دل لگا کر، کم سے کم ایک مضمون خالص فلسفیانہ رنگ مین ہو جسے جامعیت اور رکھ رکھاؤ کی حیثیت سے آپ اختراعِ فائقہ (ماسٹر پیس) کہہ سکین،

نئے گروہ سے کچھ امید نہ کیجئے، ان کے ہان اس وقت تک صحیح علمی مذاق کا پتہ نہین، نہ پڑھنا لکھنا ضروریاتِ زندگی مین داخل ہے، قومی لٹریچر سے بیگانگی جیسا اس سے پہلے کسی موقع پر لکھ چکا ہون، ایک طرح کی نمود سمجھی جاتی ہے اور سچ یہ ہے کہ انگریزی شاید کچھ آتی بھی ہو اردو تو خیر سے قطعًا نہین آتی انگریزی ہی کی غیر ضروری آمیزش نے روزمرہ کا جس طرح خون کر رکھا ہے آپ دیکھ رہے ہین، اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی کو احساس نہین، مغربی تمدن اور شائستگی کے دلدادہ جہان یورپ کی تقلید پہ مٹے ہوئے ہین ایک خاص مسئلہ مین اجتہاد سے نہین

چوکتے یعنی تکلفات زندگی کے اسراف کے ساتھ بھی قومی لٹریچر پر کچھ صرف کرنا جرم ہی نہین، بلکہ ایسا گناہ ہے جس کی باز پرس ہوکر رہے گی، ایسے افراد کہانتک آپکے توقعات پورے کرسکین گے؟

بہرحال آپسے جو کچھ ہوسکے کئے جایئے اور یہ تو مین تفصیل سے عرض کرچکا کہ آپسے کیا چاہتا ہون! مغربیت کے اثر سے نئے نئے عنوان زندگی پیدا ہوگئے ہین، ان مین سے کسی بحث کو چھیڑ لیجے، آجکل عوائد رسمیہ (اٹی کیٹ) اور ارتقاے لباس پر جو نہایت اہم مسائل ہین کچھ لکھنے لکھا یئے تو سب سے پہلے آپ کے دل و دماغ کے نتایج کی داد جس سے ملے گی وہ مین ہون،

(صلاے عام ۱۹۱۰ء)

خوابِ طفلی
اور
آرزوئے شباب

"آپ کے خیال مین صنفِ نازک یعنی عورت کو کیا ہونا چاہئے"؟

"صرف خوبصورت! جس کی سرسری جلوہ گری یعنی ایک جھپک اچھے اچھون کے لئے صاعقۂ جانسوز سے کم نہ ہو" ایک مغربی شاعر کہتا ہے:-

"عورت او عورت تو مجسم عشوہ گری ہے! اور دنیا مین بے فوج کی سلطنت کرسکتی ہے، تیرے فتوحات خالص اخلاقی ہین یعنی تو دلون پر حکومت کرنے والی ہے"

میرا خیال ہے اس پر کچھ اضافہ کی ضرورت نہین،

سچ کہئے عذرا واقعی بہت حسین ہے؟ حسین تو ایک معمولی اور سرسری لفظ ہے عورتین سبھی اپنی اپنی جگہ حسین ہوتی ہین، لیکن مین اپنے تخیل مین اورون سے اس قدر مختلف ہون کہ صرف گوشت پوست سے کام نہین چلتا، عذرا! میری عذرا تو نظمِ زندگی یعنی پوری شاعری ہے، اس کی آواز کامل موسیقی، اس کا تبسم میرا عنصرِ حیات ہے، وہ قطعاً توبہ شکن ہے توبہ شکن اور کافر ادا ہاں! ناممکن ہے کہ نظر پڑتے ہی اس پر قابو

حاصل کرنے کو جی نہ چاہے، جہان آنکھین ملین بس یہ معلوم ہوتا ہے تمام جسم مین
بجلی دوڑ گئی، مدت ہوئی جب مین پہلی نظر مین شہید ہوا، دل سے آواز آئی "خدایا خیر!"
جس کا نتیجہ آج تک بھگت رہا ہون، مجھ پر اتنا سخت وار کبھی نہین ہوا، کچھ تو ہی جسکی
وجہ سے مٹا ہوا ہون، میری آنکھون سے دیکھنے کی ضرورت ہی، لیکن خود مجھے معلوم
نہین کس ادائے خاص کا دلدادہ ہون، پچھلی دفعہ بہت اتری ہوئی حالت مین دیکھا،
پھر بھی ایک بات تھی!! آجتک عالم تصویر آنکھون مین پھر رہی ہی!" کیا عذرا آپکے دل کی
کا راز جانتی ہی؟" ہان ہان خوب جانتی ہے کہ مین اس پر مٹا ہوا ہون، لیکن تم کو ہندوستانی
سوسائٹی کی حالت معلوم ہی، ہمارے ہان جائز عشق کا پتہ نہین، نہ جذبات قوت سے
فعل مین آسکتے ہین، یہ بات مہذب اقوام مین ہی کہ عقد سے پہلے بیگانگی نہین رہتی، اسکا
افسوس ہی کہ مین نے عذرا کے لئے ایک نئی خلش پیدا کردی اور ایک ایسی فضائے
بسیط پیش نظر کردی جس مین کانٹے ہی کانٹے ہین، برسون کے فتنۂ خوابیدہ کو چھینٹے دے
دے کر جگانا صریحی ظلم تھا، حصول آرزو جسے شعرا اپنی اصطلاح مین "وصل" کہتے ہین ایک طرح
کی خود غرضی ہی، انتظار و ناکامی مین ایک لذت خاص ہی، اور چونکہ مجھ کو عذرا کے ساتھ
خالص روحانی تعلق ہے اس لئے گو وہ مجھے گلے کا ہار نہ بنا سکے تاہم مین اس کی پرستش
سے جیتے جی کبھی دست بردار نہ ہوسکون گا، وقت گذر جائیگا، قصے رہ جائینگے، خیر سے
سن کیا ہوگا؟ یہ نہ پوچھو، مین وہ پھل چاہتا ہون جو ڈال مین ٹپکا اور پکا پکایا ہو، ادھ کچرے
یعنی ثمر خام کی ضرورت نہین، نہ پال ڈالنے کی فرصت، عذرا کا موجودہ سن وسال

عطرِ زندگی ہے اور عشق و محبت کے ولولے اسی زمانہ مین زیادہ ہوتے ہین، سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ مجھ کو پسند ہے اور وہ مدتون اتنی رہیگی کہ مجھ پر فتوحات حاصل کرتی رہیے مجھے اس کے ہوتے دنیا مین کسی اور کی ضرورت نہین بعضون کا خیال ہے جنت مین حورین ملین گی لیکن جن کو ملین گی ان ہی کو مبارک! مین اودھار پر نقد کو ترجیح دیتا ہون اور ڈنکے کی چوٹ "خیام" کا ہمخیال ہون، جھونپڑون مین محلون کا خواب دیکھنا نہین چاہتا، کسی سبزہ زار یا بہتے ہوے چشمے کے کنارے عذرا کی مخمور آنکھین اور ایک جام شراب میری اصلی غایتِ زندگی ہے جس کے سوا دنیا سے کچھ نہین چاہتا، مین بہیئتِ موجودہ دوبارہ نہین پیدا ہون گا، اس لئے کس قدر ضرورت تھی کہ دو چار برس جو لطف سے کٹنے تھے بے کار نہ جاتے کل کی بات ہے مین نے شاہی کھوئی ہے، پھولون کی سیج یاد ہے، کاش عذرا مل جاتی، وہ میری نورجہان اور زندگی کے تمام صیغون کی حکمران ہوتی، اسے دنیا کے سامنے شائستگی اور زندہ دلی کا نمونہ بنا کر پیش کرتا، اس کی موزونیت سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتا، بہرحال خدا جانے کیا کیا کرنا چاہتا ہون، لیکن کوئی چیز جذبات کی اکسانے والی تو ہو؟ عذرا، میری اسسٹنٹ ہو تو اردو لٹریچر مین جان آجائے گی، لیکن لوگ نہین سمجھتے اور سمجھاین کیونکر، ان کے ہان جنس لطیف کا مصرف یہ ہے کہ ہانڈی چولھے کے لیئے وقف رہے، گول خانے مین جو کھٹی چیز کس قدر بے تکا پن ہے! افسوس! مجھے سرے سے مطلب برآری کی امید نہین، دیکھا

محض عالمِ خیال سے سروکار رہا، شروع سے میرا حصۂ رسدی اتنا ہی تھا! دنیا مین غایت زندگی کیا ہے؟ صرف حصولِ مسرت! اور یہ ایک خیالی چیز ہے، جاگے تو کسی خیال مین اور سوئے تو اس طرح: ؎

شبِ امید بہ از روزِ عید می گذرد　　　که آشنا به تمنائے آشنا خفته است

غرض اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ایک "عالمِ تصویر" خیال مین ہو جس سے جینا تو جینا مرنا کس قدر آسان ہوا جاتا ہے؟

فلسفیون سے آجتک "حسن" کی جامع تعریف نہ ہوسکی، بہت زور لگا کر بھی اس قدر کہہ سکے کہ حسن ایک طرح کے تناسبِ اعضا کا نام ہے، لیکن آؤ مین تمھین بتاؤن یہ جو گوری چٹی، کشیدہ قامت، چھریرے بدن کی، کچھ چرائے چھپائے بچتی ہوئی آرہی ہے، ذرا غور سے دیکھنا! اندھیرے مین بھی اس کا چہرہ کتنا چمک رہا ہے، یہ جیتی جاگتی "زہرۂ شب" تمھارے دل مین جگہ پائے گی، کچھ معلوم بھی ہے، کون ہے؟ غور سے دیکھو، وہ بہترین "عطیۂ فطرت" جسے شعرا "دفینۂ حسن" کہتے ہین اور آجکل کی اصلاح مین آپ "مخزنِ جذبات" (یعنی بیٹری) کہئے،

بیخود تھے شراب پینے والے　　　مستی مین الٹ دیئے پیالے

جس سے برقی رو تمام جسم مین دوڑ جاتی ہے، اُسے امنگون کی طرح یہ ماہوش اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہے! ذرا پردے پردے مین جوانی کی سرکشی دیکھئے گا چھبتے ہوئے کپڑے گویا خود سانچے مین ڈھل گئے جس کا جائزہ آنکھون آنکھون

مین بھی عشقِ خالص سے کم نہین، فطرت کا یہ نازک تر، لطیف تر ثمر، پیش رس"
دراصل فلسفۂ حسن کا عنوانِ اوّلین ہے، یہان ہوس سے کام نہین چلنے کا، اس
چیز کی تلاش ہے جو فطرت کی عام فیاضیون کے ساتھ بھی نایاب ہے، کیونکہ
مین جس صاف شفاف سینہ کو سینے سے لگانا چاہتا ہون ضرورت ہے کہ پہلو مین
وہ ایک شریفانہ دل رکھتا ہو، "رفیقِ زندگی" ہونے کی پوری صلاحیت کے ساتھ
ہمدرد و ہمخیال ہو، یعنی دائرۂ اوصاف کے لئے کچھ باقی نہ رہے، کتنا اچھوتا تخیل
(آئیڈیل) ہے، فلسفۂ اخلاق سے جانچئیے! "اقتضاے نفس" ایک دم سے "شایانِ
حال" ہوا جاتا ہے! بڑے بڑے زاہدِ مرتاض عمرون کے ریاض اور مکاشفہ کے
بعد بھی "رازِ ہستی" کو نہ سمجھے، نہ کسی نے زندگی کو "از گہوارہ تا گور" نظرِ غائر سے دیکھا،
مقصودِ اصلی کی تلاش تو خیر! ابھی سرے سے یہی نہین معلوم "زندگی کیا ہے؟ کہان
سے آئے؟ کیون آئے؟ کہان جائین گے؟ اور یہ چند روزہ ہستی فنا سے پہلے
کیا چاہتی ہے؟ ہستیِ موجودہ بری ہو یا بھلی اس کے حقوق کا اقتضا کیا ہے؟ بس یہی
کہ کسی کو گلے سے لگائیے"! بڑے سے بڑا فلسفۂ زندگی یہی ہے، یعنی "حصولِ مسرت"
کے سوا کوئی غایتِ ہستی نہین، یہان کی ہو یا آپ کے حسنِ ظن کے مطابق کہین
اور کی، بات ایک ہی ہے، ہم یہان نپٹے لیتے ہین، آپ وہان سمجھ لیجئے گا،
بشرطیکہ یہان وہان دونون جگہ احمق نہ رہئیے! یہ صاف صاف اس لئے کہہ
رہا ہون کہ میرے ہان دل اور زبان ایک چیز کے دو نام ہین، دوسرے چھپاتے

ہین یعنی وہ نہین کہتے جسے دل چاہتا ہے،

بھئی کہتے تو ٹھیک ہو، ایک بات اور بتادو کیا عذرا تم کو چاہتی ہے؟

بوڑھے بچے! یہ اس کا راز ہے تم نہ پوچھتے تو اچھا تھا! (دل کی بیقراری آنسو بن کر آنکھون سے ٹپک پڑی) ہان وہ دل سے چاہتی ہے، خیالی کانون سے سنو! دبی زبان سے کھڑی کیا کہہ رہی ہے،

دل تو نذر کر چکی جان باقی ہے وہ بھی قربان کردون گی، آپ کہتے تھے عذرا چور ہے، لیکن چوری کی اچھی سزا مجھے ملی، راتین رو رو کر کاٹتی ہون، خدا جانے کیا روگ ہو گیا ہے، کھانے پینے کی طرف رغبت نہین، نہ کسی بات مین جی لگتا ہے، کوئی پوچھتا ہے تو ٹال دیتی ہون کہ "طبیعت اچھی نہین"! طبیعت یہ ہے کہ مین آپ سے کچھ نہین چاہتی، صرف گنہگار محبت ہون"!

دل تو مدت ہوئی کھو چکی، ہاتھ بھی اب حاضر ہے، کیونکہ اب اس لائق ہو گئی ہون، آپ اطمینان رکھین، عذرا اور بے وفائی؟

خدا اس دن کے لئے نہ رکھے! بیوی بنون گی تو آپ کی، ورنہ عمر یونہی گذار دونگی، یاد رکھئے مین آپ کی ہو چکی! ذرا دل مین وہم نہ لائیگا، اسے پتھر کی لکیر بلکہ نوشتۂ تقدیر سمجھئے، آپ کی اور صرف آپ کی،

سیرتِ صورت پرستان اور ہے — مذہبِ الفت پرستان اور ہے
دُرد ہی جس مین وہ صہبا اور ہے — بادۂ نابِ مصفّا اور ہے

جس کے ہم جویاں ہیں وہ شے اور ہے | چور ہم جس سے ہیں وہ مے اور ہے
مے ہی اپنی اور پیمانہ ہے اور | عشق کے مستوں کا میخانہ ہی اور
جب سے دیکھا اس کا جلوہ آنکھ سے | غیر عذرا کچھ نہ دیکھا آنکھ سے
سامنا ہے آفتاب عشق سے | مست و بیخود ہوں شراب عشق سے

راقم

ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا | اب یہ جانا کہ اسے کہتے ہیں آنا دل کا

(صلائے عام)
۱۹۱۰ء

ایک فلسفیانہ نظر

آجکل کے معیارِ زندگی مین بڑی مصیبت یہ ہے کہ "دوم درجہ" کوئی چیز نہین، یا تو صرف "لنگوٹی" ہو! جہان اس سے بڑھے پھر بیچ مین رکنے کی گنجایش نہین، ایک دم سے "اوّل درجہ" اختیار کرنا ہوگا، اصولِ ارتقار کی تدریجی رفتار سے کام نہین چلتا، درمیانی کڑیان ملائین، یعنی اپنی طرف سے کچھ "ایجاد بندہ" کی اور گئے! ذلیل ہوئے وہ علٰحدہ! بہرحال یہ مغربیت کا ایک راز ہے جس سے کسی طرح مفر نہین، ہزار چیخئے چلایئے "خچر" سے کام نہین چلنے کا! "گدہا" شوق سے رکھئے پھر بھی یکرنگی (یعنی ارجنسیلٹی) ہے، مگر جہان ایک قدم آگے بڑھایا پاؤن رکھئے، قطعاً "عرب" رکھنا ہوگا! یہ فقرۂ معترضہ خود ایک مستقل عنوان چاہتا ہے، جسے پھر کبھی دیکھئے گا، یہان میری غرض "دوم درجہ" کے اظہارِ خیال یعنی "شعر العجم" پر ایک غیر ستایشی جنبشِ لب سے ہے،

ایک صاحب نے اپنے دوستون کے اصرار سے "شعر العجم" پر تنقید نہین بلکہ ڈنکے کی چوٹ صرف تنقیص کی ٹھرائی ہی اور بزعم خود "تصویر کا رخ تاریک" دکھایا ہے لیکن ان کے خود رو خیالات کا بیشتر حصہ اہل تنقید (یعنی کریٹک) کی قلم آزمائی کیلئے بجائے خود ترغیب دہ سواد ہے، ملک مین اچھے لکھنے والے "دو چار" سے زیادہ نہین ہین، ان مین بھی تھوڑے ہی ایسے ہین جو کسی موضوع پر "تنقید عالیہ" (یعنی ہائر کریٹی سزم) کی صلاحیت رکھتے ہون، شکسپیر کا وقیع ریویو ڈاکٹر جانسن لکھ سکا جو باعتبار وسعت معلومات اور مذاق "ادب القدما" (یعنی کلاسیکل حیثیت سے) دنیا کے سب سے بڑے "شاعر" کا گویا مدّ اعلیٰ تھا،

میرا خیال ہی ملک مین ایسے نفوس قدسی صدیون مین پیدا ہون گے، جو منصفانہ تنقید اور تنقیص بیجا یعنی عیب گیری کی حد فاصل کا احساس کرسکین، اس لئے بے محل جنبش لب سے خاموشی اچھی آپ خیر سے گونگے ہون تو اعتراض کی بات نہین لیکن بولئے اور آدمی کی طرح نہ بولئے تو مجھے ضرور شکایت ہو گی، اس خلوص اور سچ کا کیا ٹھکانا ہی کہ "شعر العجم" کے جزئی عیوب بھی ریویونگار کے خیال مین اتنے ہین کہ اگر وہ ابھار کر دکھائے جاتین تو ایک دوسری کتاب تیار ہو سکتی ہے،

حضرت کی نیت کی طرف سے اگر شروع ہی مین مجھے شبہہ پیدا ہو گیا اور آگے چل کر مین ان کا ساتھ نہ دے سکون تو یہ میرا قصور نہین، خود ان کے دل کا کھوٹ ہی جو بگڑی ہوئی زبان پر آہی گیا، اور جس سے ایک کافی حد تک انکی پاک طینتی کی غمازی ہوتی ہی،

(۱) اسلم کا یہ اعتراض کہ ہر زمانہ کی شاعری کے جداگانہ دور نہین قائم کئے گئے، صرف

فصاحت کا ایک دھوکا ہے ؛ "شعر العجم" کے تین حصّے اس وقت تک شایع ہو چکے ہین اور جہانتک مین دیکھ سکا، پہلے حصّہ مین متقدمین کے کلام پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہی، دوسرے مین متوسطین اور تیسرے حصّہ مین شاعری کے آخری دور یعنی متاخرین سی بحث کیگئی ہی، کتاب کی اجمالی ترتیب جیسا کہ خود علامہ شبلی نے تصریح کردی ہو یہی ہو اور مین نہین جانتا ادبی حیثیت سے جو خاکہ فاضل مؤلف کے پیشِ نظر تھا، اس مین "ایجاد و بندہ" کی کہان تک گنجایش ہے،

مجھ کو معلوم ہے پروفیسر براؤن نے مسلمانون کی دماغی تاریخ لکھی ہو، اس کے دور سیاسی اور ملکی حیثیت سے قائم کئے ہین، ہر دور کے ادبی ترقیات وہ ساتھ ساتھ دکھاتا گیا ہے، اور عجمی عنصر کو الگ کرتا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ مین کیمبرج کے ایک دوسرے پروفیسر کی جدید تالیف سے بھی واقف ہون جو عربی لٹریچر کی ایک جامع تاریخ ہے لیکن مؤلف نے صرف ادبی دور سے غرض رکھی ہو اور دیباچہ مین صاف لکھا ہے کہ اس کا "موضوعِ بحث" عربون کے "ارتقاے خیال" کے سوا کچھ نہین ہے "شعر العجم" کی ترتیب بھی نفس لٹریچر کے لحاظ سے ہے، لیکن اسلم کی یہ "شپرانہ" چشم پوشی ہو کہ وہ چار آنکھین رکھکر بھی دیکھ نہین سکتے، یا شاید دیکھنا نہین چاہتے اور بڑی متانت سے فرماتے ہین کہ "مولنا شبلی اپنے فرضِ اولین تک کا احساس نہ کر سکے"! رہے ہر دور کی خصوصیات اور اُن کے اسباب یعنی شاعری کے ارتقاے تدریجی کی موشگافیان! اس نکتہ کو شبلی اسلم سے زیادہ سمجھتے ہین،

شبلی، ملک مین پہلے شخص ہین جنکو تاریخ و فلسفہ مین، ربطِ باہمی کا خیال پیدا ہوا

اور وہ ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب کیمیائی اس طرح کر سکے جس سے لٹریچر مین ایک خاص امتزاج پیدا ہو گیا ہے، انھون نے اپنے متعدد قیمتی تصنیفات مین ہمیشہ اپنا ذوق قائم رکھا ہے، وہ جانتے ہین کہ آجکل کے ترقی یافتہ مذاقِ ادبی کے مطابق وسیع سلسلۂ تحقیقات اور زبردست قوتِ استقرائی سے اسباب و نتائج کے تعرلفیاتِ فلسفیانہ مین کس طرح کام لیا جا سکتا ہے، مجھ کو اصرار ہے کہ شبلی کی تحقیقات سے جو اُن کے اولیات مین داخل ہونے کے لائق ہے ہندوستان کی علمی قلمرو مین ایک نیا تاریخی دور شروع ہو گیا، اسلم کا سلیقۂ تحریر میرے دعوی کے ثبوت مین ہے گو اس کا افسوس ہی کہ وہ تاریخ کے "معلمِ اوّل" سے جس پر ملک کو فخر کرنا چاہئیے بری طرح پیش آئے، بہرحال شبلی چوتھے حصہ مین نہایت تفصیل سے شاعری پر فلسفیانہ نظر ڈالین گے، اور یہی حصہ ان کی طبع آزمائی کا اصلی جولانگاہ ہوگا،

(۲) شبلی نے بعض نمود کے شاعرون کو چھوڑ دیا ہے اور بعضون کا خیال ہی کہ یہ اسی قسم کی فروگذاشت ہے جو آزاد سے "آبحیات" مین ہوئی، لیکن یہ قاصر النظری نہین ہے بلکہ ایک مجتہدانہ فعل ہی، جس کی تصریح ایک صاحب نے کر دی ہے اور جس کے اعادے کی ضرورت یہان نہین ہے تاہم اسلم کی خاطر سے مین کم سے کم یہ چاہتا تھا کہ ہر دور کے شعرا کے نام ان کو گنوا دیئے جاتے، اور جو مفصل تنقید کے لائق نہین تھے ان پر کم سے کم مختصر نوٹ ہوتے یعنی ارتقاے شاعری کے مستقل ارکان یعنی اصلی صورتون کے ساتھ ان کا ہیولی بھی نظرانداز نہ ہوتا یا منطق کی اصطلاح

ہیں یوں کہئے کہ جوہروں کے ساتھ اعراضِ متعلقہ بھی لگے لپٹے رہتے ۔ بات ذرا لگی
ہوئی ہے لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ چوتھے حصہ میں یہ سب کچھ ہوگا ، اور شبلی کی جدت اجتہاد
نے جن شعراء کو ترجیح دی ہے یا جن کو چھوڑا ہے ان کے وجوہ تفصیل سے دکھائے جائیں گے

(۳) یہ تو بالکل ہی غیر صحیح ہے کہ "ہر شاعر کا کلام مولانا اس قدر نقل کرتے ہیں کہ جی
اکتا جاتا ہے" میرا خیال ہے جس قدر اقتباسات کئے گئے ہیں ضرورت سے کم ہیں ۔ فارسی
لٹریچر مہذب دنیا میں ادب العالیہ یعنی کلاسکس کا ایک ضروری عنصر سمجھا جاتا ہے
لیکن آجکل کی کاروباری زندگی میں جب ہم کو مشرقی لٹریچر کی طرف توجہ کرنے کی
بالکل فرصت نہیں ہے صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ عربی فارسی لٹریچر کے بہترین اجزاء
فلسفیانہ تنقید و تقریظ کے ساتھ نئی نسل کے سامنے پیش کئے جائیں ۔ اس طرح قدیم لٹریچر
کا وہ حصہ جو جاننے کے لائق ہے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ جائیگا ۔ لیکن اسلم نہیں سمجھتے ،

(۴) اسلم کی "غیر سعادتمندانہ" اپچ میں سب سے زیادہ مجھے جس بات پر لطف آیا وہ
"حکمت بہ لقمان آموختن" کی جدت بے محل ہے ۔ شبلی کی وسیع النظری اور ان کے
لائقِ رشک ذرائع معلومات پر شبہ آتا ہے یہ ہے "سورج کو چراغ سے دکھانا"!
لیکن اگر "گھر کی مرغی کو ساگ کے برابر" نہ سمجھئے تو مجھ کو مجبوراً اعادہ کرنا پڑتا ہے کہ
شبلی کا دائرہ تحقیقات اتنا وسیع ہے کہ وہ یورپ کے مورخین کی صف اول میں جگہ
پاسکتے ہیں ، فارسی لٹریچر کے متعلق جن مغربی تصنیفات کی طرف اسلم نے اشارہ کیا
ہے وہ ایک ایک کرکے شبلی کے ناخنوں میں ہیں ، اسلم نے علی گڈہ کے صدقہ میں

ایک آدھ کتاب کا صرف نام سُن پایا، یا طاہر ہمدانی کے ہیرن الین ایڈیشن کو کہیں
دور سے دیکھ لیا لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ خود ہیرن الین جس نے رُباعیاتِ خیام کے
متعدد مطبوعات خاصہ شائع کئے ہیں اور جن میں سے ایک نہایت قیمتی ایڈیشن
صرف دو سو ممبروں کے لئے چھاپا گیا تھا اور جو قطعاً اسلم کی نظر سے نہیں گذرا، شبلی کی
ایک سرسری تحقیقات سے بے نیاز نہ رہ سکا، جس میں فارسی کے مسلّم الثبوت اُستاد
"پروفیسر ڈینی سن راس" نے بھی ٹھوکر کھائی تھی لیکن اس کی تصریح کا یہ موقع نہیں،
بہرحال مجھ کو اصرار ہے کہ فارسی اور عربی لٹریچر کے متعلق جس قدر مواد آج موجود ہے
وہ سب شبلی کے پیشِ نظر ہی نہیں بلکہ جس طرح ولادت سے پہلے جنین کا پتہ چل جاتا
ہے، شبلی کے دائرۂ نظر میں یہ بات بھی رہتی ہے کہ اقطاعِ دماغی میں کہاں کہاں
نئی داغ بیل پڑنے والی ہے، اور ایشیا میں تو کچھ دم نہیں رہا، مگر یورپ دنیا کے
معلومات میں کیا کیا اضافہ کرنے والا ہے؟ اسلم اگر اپنی تنگ نظری کے ساتھ شبلی
کے مستشرقانہ کمالات کا اندازہ نہیں کر سکتے تو ہم ان کو معذور سمجھنے کے لئے تیار ہیں
لیکن مجھے جو کچھ شکایت ہے یہ ہی کہ "وہ نہیں جانتے کہ کچھ نہیں جانتے" آج کسی غیر
ذمہ دار قلم نے شبلی کی یوں حق تلفی کی ہوتی تو خود اسلم کہہ اٹھتے کہ گولر کا بھنگا فضائے
دہر پر معترض ہو یا برساتی کیڑا زمانہ کے حدوث و قدم پر رائے زنی کرے تو اچھا نہیں
معلوم ہوتا لیکن میرا خیال ہے میرے معصوم دوست نے جو کچھ خامہ فرسائی کی وہ محض قصورِ
استعداد تھا اس لئے ہم شبلی سے سفارش کرتے ہیں کہ مشرقی لٹریچر کے متعلق مطبوعات

یورپ جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے ان کی ایک فہرست اسلم کو بھیجدیں،
ہندوستان میں بیٹھ کر یہ کیا کم ہو کہ ان کو اتنے بہت سے نام تو معلوم ہو جائیں گے،

(۵) شبلی کی مسلّم الثبوت فارسیت کا اعتراف نہ کرنا، مولانا حالی کیساتھ حسن ظن کے افراط کو صرف "تحسین ناشناس" ثابت کرتا ہی، ملک میں پروفیسر آزاد کے بعد صرف شبلی ہیں جو فارسیت کا وجدانی مذاق رکھتے ہیں، فارسیت سے میری غرض اس فارسی سے نہیں ہی جو بابو انگلش کی طرح اسلم نے بچپن میں پڑھی ہوگی، بلکہ میری غرض دنیا کی سب سے شیریں زبان سے ہی جو اس قوم کی زندہ یادگار ہے، جو بلحاظ گذشتہ عظمت و ترقیات کے دنیا کی قدیم متمدن اقوام میں بھی خاص تاریخی وقعت رکھتی ہے،

انگلستان مستشرقانہ مشاغل کے لحاظ سے یورپ کے اور ممالک سے بہت پیچھے ہی، تاہم وہاں ایک جماعت موجود ہی جو السنۂ مشرقی میں اہل زبان کی سی مہارت رکھتی ہی، جس میں پروفیسر براؤن آجکل بہت پیش پیش ہیں، یورپ کی ایک خاص طرح کی وسیع النظری میں کلام نہیں، یعنی اصول ارتقاء نے تحقیقات کے راستے اس قدر صاف کر دیئے ہیں کہ ہر شئے کے مدارج اور طبقات ترتیبی کی کڑیاں ملتی جاتی ہیں، لٹریچر بھی اس کلیے سے مستثنٰی نہیں، تاہم مذاق سخن میں جو ایک ذوقی چیز ہے ان فلسفیانہ اکتشافات سے کیا مدد مل سکتی ہی؟ شبلی جو کچھ لکھتے ہیں آشنائے فن ہو کر لکھتے ہیں، اس لئے ان کے تالیفات مغربی معاصرانہ تصنیفات سے جہاں تک ادبی مذاق کا تعلق ہے نسبتہً ہمیشہ فائق رہیں گے، اور یہاں مجھے صرف یہی دکھلانا تھا،

(نمبر ۶ - ۷ - ۸) یہ بھی صحیح نہیں کہ شبلی کو موازنۂ انیس و دبیر میں کامیابی نہیں ہوئی "سوز خوان" طبقہ جو چاہے کہے لیکن "موازنہ" میں جو تعلیم یافتہ فرقہ شبلی کا مخاطب صحیح ہے وہ اس کتاب کو مؤلف کے کمالات میں اختراع فائقہ (یعنی ماسٹر پیس) نہ سہی ، تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ اردو ادب میں وہ اسے ایک قیمتی اضافہ سمجھتا ہے اور جس طرح شبلی کی پیداوار دماغی عموماً باستحقاق "صف اوّل" میں جگہ پاتی رہتی ہے "موازنہ" بھی تنقید ادبی کی حیثیت سے ایک نصابی (اسٹنڈرڈ) چیز ہے اور وہ میرے ایسے کے اعتراف کا محتاج نہیں!

ایک بزرگ سے جو ملک میں لکھنے پڑھنے کا نہایت صحیح مذاق رکھتے ہیں "موازنہ" کا ذکر آیا ، وہ کچھ چپ ہو گئے ، مجھے مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ موازنہ میں جو کچھ نقص ہے یہ ہے کہ آپ کے قلم کا نتیجہ نہیں ہے ؛ اس برجستہ گرفت پر وہ پھڑک گئے اور ان کو اقرار کرنا پڑا کہ موازنہ سے اہل قلم کو جو کچھ شکایت ہو سکتی ہے ، اسی قبیل کی ہے ، دہلی لکھنؤ والوں سے قطع نظر کئے لیتا ہوں ، کیونکہ وہ سمجھتے ہوں گے شبلی کی طرف سے "ارض ممنوعہ" یعنی ان کی قلمرو میں مداخلت بیجا کی گئی ،

اگر اشعار کی لطافت اور خوبی ایک وجدانی چیز ہے اور اس کا سمجھنا ذوق صحیح پر منحصر ہے ، اور ان خوبیوں کا دکھانا بڑے اہل کمال کا کام ہے " تو میں خوش ہوں کہ شبلی حضرت حالی کے حریف مقابل نہ سہی تاہم وہ شاعری کے ملکۂ راسخہ ، اور ادبی نکتہ سنجیوں کے لحاظ سے اتنی اونچی سطح پر ہیں کہ بڑے بڑے مستشرقین یورپ بھی انکی

گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ بھی غلط ہے کہ شبلی کو تصوف سے مناسبت نہیں ہے۔ میں کہیں لکھ چکا ہوں کہ تصوف جیسا کہ اکثروں کا خیال ہے ایک طرح کا خبط استعارت نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود شبلی نے تصریح کی ہے دراصل "تصفیہ خیال" کا نام ہے جو اخلاق کی طرح فلسفہ کی ایک مستقل شاخ ہے، لیکن جس طرح توکل کا مصداق ایک طرح کی گداگری ہو رہی ہے تصوف کی صورت بھی اتنی بگڑ گئی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیٹ کا ایک مشغلہ رہ گیا ہے ہم تصوف کو صرف اس نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں ذوقی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ ایک ادبی پہلو بھی موجود ہے، اگر وہ کوئی راز ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے تو ہم کو بیسویں صدی میں اس کی طرف متوجہ ہونے کی بالکل فرصت نہیں بہرحال تصوف اگر ایک خاص طرح کی لطافت جذبات کا نام ہے جو عاشقانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہو اور خیام و حافظ اس میں رنگے ہوئے تھے تو شبلی پر بھی اس کی چھینٹیں پڑی ہیں، صوفیانہ ریاضت و اعمال جو قطعاً غیر فطری ہیں بے وقت کی شہنائی سے کم نہیں، ہم مردوں میں "ہسٹریا" یعنی اختناق الرحم کے خواص پیدا کرنا نہیں چاہتے تشنج اعصابی اور حرکات رقاصی کے لئے بوڑھے شبلی کہیں سے موزوں ہیں! اکثر اور اُنکے یاران طریقت کو یہ ناچ ناچنا (افعال صوفیانہ) مبارک، دیکھنے پر یہ کہیں گے کہ

اے کہ آگاہ نہ حالت درویشاں را   تو چہ دانی کہ چہ سودا بسر است ایشاں را

ایک چیز پر آپ اس لئے سر دھنتے ہیں کہ وہ آپکے ساتھ اچھے اچھوں کی

سمجھ مین نہین آئی، بڑے بڑون کو ارمان ہی رہا، ہم اس لئے اس سے پیچھا چھڑاتے ہین کہ ہمین اس خبط مین پڑنا منظور نہین، نہ ہماری اخلاقی زندگی کی تکمیل کے لئے کہین سے اس کی ضرورت ہے، آپ تزکیۂ باطن کے پیچھے پڑے ہین، ہم کہتے ہین کہ نفس خود پاک ہی، ذرا دعوی کی شرافت دیکھیے گا! یہ اگر جہالت ہے تو دنیا کے بڑے بڑے "مستشرق" اپنی بیگانہ وشی" پر ناز کرسکتے ہین، جنھون نے تصوف پر نہایت شرح وبسط سے فلسفیانہ بحث کی ہے،

یہ بھی غلط ہے کہ شبلی "بزرگان اسلام" کا احترام نہین کرتے، وہ ان کو لائق اور "انسان" سمجھتے ہین جس طرح میرا منشا "مستجمع صفات کمالیہ انسانی" سے ہے جو سچی تعریف کی آخری حد ہے، "اسلم یا ان کے ہم مشربون کی طرح ہر کس و ناکس کے ساتھ شبلی اس فیاضی سے پیش نہین آتے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" پڑھے لکھے آدمیون مین "عزت نفس" کا خیال اس قدر بڑھ رہا ہے کہ جہان ہم خود صرف "انسان" ہونا چاہتے ہین، دوسرون کو بھی اس سے زیادہ "بڑھانا" نہین چاہتے آجکل کے عوائد رسمیہ (یعنی ایٹی کیٹ) کی رو سے غیر ضروری حسن ظن کی افراط صرف "متروکات" مین داخل ہونے کے لائق نہین، بلکہ ایک طرح کی وہم پرستی اور بیکار دردسری ہی جو تقویم پارینہ کی طرح پیچھا چھڑانے کی چیز ہے،

خیام بیچارہ یورپ پہنچکر کچھ غیر ثقہ سا ہو گیا لیکن حافظ کی بات ایشیا مین اس قدر ہی کہ "چھوٹے پیمانہ کے پیغمبر" سمجھے جاتے ہین، حالانکہ رندانہ تو یہ صوفیانہ "خیالات موزو

کے لحاظ سے ان کو صرف شاعر ہونا تھا شبلی تو پھر بھی اُن کو "رئیس الشعراء" سمجھتے ہیں،
خیام کی مصطلحِ صوفیانہ کی ضمن میں شبلی کی یہ شاعرانہ شوخی کہ

"افسوس ہے کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا صوفی نہ تھا اور نہ حافظ کی طرح

"بھی شراب، شرابِ معرفت بنجاتی"

ادبی نکتہ سنجی کی آخری حد ہے "شعر العجم" میں بھی ایک فقرہ تو ہے جو اس قدر "باکیف" اور صوفیانہ رنگ میں ہے کہ دیکھتے ہی بس یہ معلوم ہوتا ہے جسم میں ایک برقی رو دوڑ گئی، یہ اسلم کے بھونڈے مذاق کا پھوہڑپن ہے کہ وہ اس نزاکتِ خیال سے لطف نہ اٹھا سکے، اور ستم ظریفی یہ ہے کہ میری بدنصیبی سے ان کو سوجھی بھی تو اعتراض کی سوجھی!

اسی سلسلہ میں محمود کی غیر ضروری ثقاہت پر جہاں اسلم کو اصرار ہے آپ نہایت بلند آہنگی سے فرماتے ہیں کہ شبلی محمود اور اس کے زمانہ کی تاریخ ہی سے ناواقف نہیں بلکہ ان کو تاریخ کا صحیح مذاق بھی نہیں ملا ہے "غریب اسلم کو معلوم نہیں کہ شاہانہ معیارِ اخلاق بالکل ایک جداگانہ چیز ہے، یورپ میں جو ہیئتِ اجتماعی یعنی سوسائٹی کی مساوات کا مدعی ہے، حلقۂ شاہی آج بھی ایک عرضی شے یعنی اپنے خصائص کے لحاظ سے دنیا سے بالکل الگ تھلگ خیال کیا جاتا ہے، طبقۂ اوسط تو خیر، اعلیٰ طبقہ بھی بلحاظِ خصائل اس سے اس قدر مختلف ہے کہ دونوں ایک قوم کے افراد مشترک نہیں معلوم ہوتے لیکن ان شاہی حلقوں کا "جلوہ پس پردہ" دیکھو

تو معلوم ہو کہ موقع موقع سے کیا کچھ ہوتا رہتا ہے مسلمان بھی اپنے "عہدِ زرین" میں نرے
زاہدِ خشک نہیں تھے "الف لیلہ" کیا ہے؟ اس زمانہ کے شاہی گہوارۂ عیش (رائل
کورٹ) اور اس وقت کی اونچی سوسائٹی کی خلوت آرائیوں کا اصلی مرقع ہے، ہارون رشید
تو علانیہ رندِ مشرب تھا، لیکن محمود کی ایک رخی تصویر جو اسلم دکھانا چاہتے ہیں وہ
ان کے لائقِ رحم وہم ورجہ کے معلومات کا نتیجہ ہے، ایک مورخ کو جو طبائعِ عالم
کا نباض ہو، محمود پر اگر وہ تاریخی وقعت رکھتا ہے، گہری نظر ڈالنی ہوگی، اور یہ ناممکن
سا ہے کہ خصائل کے مختلف پہلو دائرۂ نظر میں نہ آئیں، محمود میں اوصاف کیساتھ
کمزوریاں بھی تھیں، وہ انسان تھا فرشتہ نہیں تھا،

میں اس بے تکی بحث کے سلسلہ میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ "ایاز" کا وجود
خیالی اسلم کے وجود یقینی سے زیادہ غیر مشتبہ ہے، اسلم جن باتوں کو بازاری گپیں فرماتے
ہیں وہ انسانی سلسلۂ روایات اور "افسانہائے کہن" کی ضروری کڑیاں ہیں، جن سے
ہم ایک منٹ کے لئے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے، یورپ کا ایک زبردست
مستشرق "ایسی سرد اور بے غایت تحقیقات کو نظرِ حقارت سے دیکھتا ہے جو کسی
لطیف انسانی تخیل (آئڈیل) کو جو وراثتہً زمانہائے دراز میں منتقل ہوتا ہوا ہم تک
پہنچا ہے، بغیر کسی کافی معاوضہ کے وقعت چھین لے" وہ کہتا ہے کہ "مغربی سرپھریاں
یعنی نرے مادے اور سائنٹفک انکشافات، مشرق کے وسیع عالمِ خیال اور
اس کی لازوال دلچسپیوں اور نزاکتوں کی قائم مقامی نہیں کر سکتے، جن میں ایک خاص

طرح کی گرمجوشی اور ایسی قوت اخلاقی موجود ہے جو سخت سے سخت مصائب انسانی میں ہمارے آنسو پونچھتی رہتی ہے، ہم ہر مادی پسندی کے ساتھ کچھ نہ کچھ کھوتے ہیں جس کی بنا کسی شریف تر اور اعلیٰ تر اصول خیال پر ازل ہی میں پڑ چکی تھی"۔

خیر یہ باتیں اسلم کے دل و دماغ سے مناسبت نہیں رکھتیں، یونانیوں کی سی لطافت خیال اور مذاق حسن پرستی کی ضرورت ہے جو ہندوستان کے حکما سے ڈاکٹر آف لٹریچر) میں صرف شبلی کا حصہ ہے،

میرا خیال ہے اب مجھے کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے، ایک فقرہ رہ گیا تھا، وہ بھی لیجئے! شبلی پر یہ بھی الزام ہے کہ "وہ جوش میں آکر ایک (شاعر) کو دوسرے پر بیجا فوقیت دیتے ہیں یا جس کے حالات لکھتے ہیں اسی کے ہو رہتے ہیں"۔ اسلم کو معلوم نہیں کہ اس قسم کا جوش خاصہ انسانی ہے، ایک انشا پرداز جہاں کسی اہل قلم کے وصف غالب کو ابھار کر دکھاتا ہے وہاں تنقید کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دوسرے جزئیات پر بھی نظر ڈالے، اس طرح جب مختلف شعرا پر جو قریب قریب ایک ہی سطح پر ہوں نظر ڈالی جائے گی، تو لازماً صفات مشترک میں تصادم ہو جائیگا، ان کا تجزیہ کرنا، ان کو جانچ پرکھ کر اس طرح دکھانا کہ ایک کا دوسرے سے امتیاز رہے، اور ساتھ ہی صفت غالب آنکھوں کے سامنے آجائے ہر شخص کا کام نہیں ہے، اسلم نے ساری عمر میں لے دے کر "حیات حافظ" لکھی اور اس وقت لکھی جب شعر العجم کے اجزا متعلق علی گڈھ پریس میں ان کے پیش نظر تھے وہ تصنیف کی اہم فیصلہ اربع

سے نا آشنا سے ہین ورنہ یون شبلی کے منھ نہ آتے،

"شعر العجم" مین "حیاتِ سعدی" سے علٰحدہ ہوکر سعدی پر اور خاصکر فردوسی پر جس قدر نفاست سے تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے وہ بجاے خود ادبی فتوحات مین داخل ہونے کے لائق ہے، لیکن "چہ کنم کہ چشم بدین نکند بروگا ہے"

مجھ کو افسوس ہے کہ اسلم کو ذرا سختی سے ٹوکنا پڑا، لیکن یہ سختی ان کے مرتبہ انشاپردازی کے لحاظ سے ہے جس کی ذمہ داراُن کی غیر ضروری اُپج ہے،

شعر العجم کی تنقیص سے جس مین انھون نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے انھون نے شبلی سے زیادہ لٹریچر کی حق تلفی کی، خاصکر اس لحاظ سے کہ ملک مین پڑھے لکھون کی تعداد کسرات سے آگے نہین بڑھتی ان مین بھی تھوڑے ہی ایسے ہین جو اردو ادب کا مذاقِ صحیح رکھتے ہین یا جن مین اظہارِ خیال سے پہلے صحیح راے قائم کرنے کا سلیقہ ہو ایسی حالت مین اسلم کی تنقیص بیجا رہنمائی کی جگہ صریحًا گمراہی کا سبب ہوگی، ادبی حیثیت سے عبد السلام ندوی، اسلم کا توڑ کر چکے ہین مین نے جو کچھ لکھا ہے صرف "ترکی بہ ترکی" کی حیثیت سے جس کی غایت "بھٹیاری کی تُو تُو مَین مَین" سے زیادہ نہین ہے، لیکن برا ماننے کی بات نہین، مین نے صرف معاوضہ بالمثل سے کام لیا ہے جس کی نظیر میرے سامنے موجود تھی،

یہ چند سطرین مجھے امید ہے ایک "بے ادب" کے لئے جو مذہبی مذاق رکھتا ہو محتسب کے ورّے ہین جو حدودِ اخلاقی کے توڑنے کا شرعی علاج ہے، اچھا ہوتا اگر اسلم

میری خاطر سے آیندہ اس فقرے کو عنوانِ زندگی بناتے "ایاز قدرِ خود بشناس"!

اسی سلسلہ مین آجکل شبلی کی "الکلام" پر جو لے دے ہو رہی ہے اور جو میرے موجودہ موضوعِ بحث سے خارج ہے، کچھ سرسری ریمارک کرنا چاہتا ہون کسی آیندہ موقع پر مستقلاً نظر ڈالون گا،

"تنقید الکلام" مین لائق "منتقد" نے نہایت قابلیت سے سائنس اور فلسفۂ حال کے معرکۃ الآرا مسائل سے بحث کی ہے اس طرح اس سے پہلے "راز" سے کبھی پردہ نہین اٹھایا گیا لیکن صاحبِ تنقید کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے حکیمانہ تذبذبِ فی المذہب (یعنی ایگناسٹک خیالات) کی زد پر صرف شبلی نہین ہین بلکہ خود مذہب مسائل مختلف فیہ کا ذمہ دار ہے، شبلی سے اگر غلطی ہوئی تو صرف اس قدر کہ انھون نے مذہب کو آجکل کے عقلیات سے ٹکرایا، یہ غلطی اس سے پہلے بھی جب مسلمانون کے اچھے دن تھے ہو چکی ہے اور علم کلام کو عباسی دور کے دماغی ترقیات کے لحاظ سے "یادِ ایام" سمجھیے جو عقائد اسلام اور فلسفۂ قدیم کے گذشتہ اختلاط کی ادبی تاریخ ہے لیکن اس زمانہ مین اسلام کو صرف فلسفہ یعنی ایک حد تک محض اصولِ نظری سے سابقہ تھا، اس لیے جس طرح لحاف کی تیاری مین کچھ استر سے لیا اور کچھ ابرہ سے اور دونون کا جھول جھال لیکر برابر کر دیا، دونون حریف جو چھری کٹاری ہو رہے تھے گلے مِلوا دیئے گئے لیکن آج مذہب کو اپنے دشمنِ ازلی یعنی سائنس کا مقابلہ کرنا ہے جو قوی تر حریف ہے اور جو اپنے سوا دنیا مین کسی کو دیکھنا نہین چاہتا، مذہب کے اوّلیات کا انحصار کلیتہً امورِ غیر مادی یعنی

ایسی چیزون پر ہے جو سرے سے مدرکاتِ انسانی سے باہر ہین یعنی ہمارے قوائے فطری
ان کے سمجھنے بوجھنے سے عاری ہین اور سائنس صرف مادیت سے غرض نہین رکھتا
بلکہ اس کا دعویٰ ہو کہ عالم غیر کا سرے سے وجود ہی نہین جس پر ہم آپ اس قدر مٹے ہوے
ہین، بہرحال فلسفہ پھر بھی اتنا برا نہین کہ "سنی سنائی" بھی کبھی مان لیتا ہے لیکن سائنس
اتنا کٹر ہے کہ جب تک "آنکھون دیکھی" نہو ہزار کہئے، کتنے ہی بڑے بڑے جبہ
اور دستار پیش کیجئے، مذہب کی دہائی دیجئے ایک نہین سنتا! ظاہر ہے کہ اتنا بڑا
کافر یہ خود غلط کسی "شریعت سہلہ" کی گرفت مین کہان تک آسکتا ہے؟

لیکن کیا اس کے یہ معنی ہین کہ ہم مذاہب سے عموماً دست بردار ہو جائین؟ اس کا
فیصلہ مین انسان کی اگلی پچھلی اخلاقی تاریخ پر چھوڑتا ہون جس کی تکمیل کی نسبت خود
فلسفہ کا یہ دعویٰ ہے کہ بغیر مذہب کے ہو ہی نہین سکتی۔ شبلی نے الکلام مین نفس موضوع
کے لحاظ سے جو روش اختیار کی اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا، آپ کسی کے ہاتھ پر بیعت
کرنی چاہین تو پہلے ضرورت ہے کہ بڑے میان سے آپ کو حسن ظن بھی ہو، یہ نہین
کہ ایک دم سے پگڑی اتار لی اور دعویٰ یہ کہ "ہم آپ کے خالص ہی خواہ ہین، لگی لپٹی نہین رکھتے"،

طبائع انسانی کیلئے اگر مذہب کی ضرورت ہے تو اس کے مسلمات اعتقاد جسے
ایک طرح کی مجبوری کہئے تسلیم کرنے ہونگے، رہی معقول و منقول کی تطبیق جہان تک مذہب
مین استطاعت ہو آپ دونون کو ٹکرا سکتے ہین، علم کلام کا اتنا ہی فرض ہے،

شبلی حکیمانہ خیالات کے ساتھ پھر بھی مذاق مذہبی رکھتے ہین اور "مولویت" کو اپنی کشتی کا لنگر

نہیں سمجھتے، اور انہوں نے جو کچھ لکھا ہے حمایت مذہب میں لکھا ہے لیکن اس پر بھی جہاں لائق "متعلم" سائنس کے اکتشافات عالیہ کے مقابلہ میں خالی الذہن ہو کر فلسفیانہ استدلال سے مذہب کی دھجیاں اڑا رہا ہے، لکھنؤ کے ایک مشہور انشا پرداز شبلی کی مذہبی تحریرات سے عام سوء ظن پیدا کرنا چاہتے ہیں، نہ جاننا بھی مزے کی بات ہی، حضرت کو "اعتزال" کی فکر ہے جس میں پھر بھی ایک مذہبی رنگ ہی لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس زمانہ میں سرے سے مذہب کی جان ہی کے لالے ہیں اور آج کسی "مذہب آسمانی" میں اتنی قوت نہیں کہ وہ منحرف سائنس کو زیر کر سکے!

میں شعر العجم پر لکھتے لکھتے جانے کہاں سے کہاں بہک گیا، ان بے ربط خیالات کی تلافی اس وقت ہو رہی ہے کہ جب شبلی کے "تذکرۂ شعراء" کا چوتھا حصہ شایع ہو لیگا، جس کے لئے ابھی سے تیار رہیے، شبلی دنیا کی عام شاعری پر مفصل تنقیدی نظر ڈالیں گے اور دکھائیں گے کہ فارسی شاعری "ارتقاے ادبی" کے لحاظ سے کیا درجہ رکھتی ہے، یہ بحث جس قدر دلچسپ ہے اس سے زیادہ مشکل ہی، پروفیسر براؤن سا محقق بھی اسے ٹال گیا، لیکن شبلی لکھیں گے اور اچھی طرح لکھیں گے،

یہ چند سطریں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے خوش ذائقہ بریانی کی جگہ اُبالے ہوئے سادے خشکے یعنی ماحضر کی حیثیت سے ہیں، تاہم ادبی چاشنی سے خالی نہیں پر تکلف سامان انشاء اللہ آیندہ جس کے لئے ابھی سے وعدہ ہے،

(مشرق سنہ ۱۹۱۰ء)

فلسفۂ حسن و عشق

(یونانیون کے نقطۂ خیال سے)

عورت کیا ہے؟ وہ دنیا مین کیون آئی؟ اس کی ہستی کی علتِ غائی یعنی اس کا موضوعِ اصلی کیا ہے؟ یہ اور اس قسم کے بہتیرے سوالات ہین جو ایک شایستہ دماغ کو متوجہ کر سکتے ہین اور جن پر ہر زمانہ مین کچھ نہ کچھ غور ہوا ہے، لیکن ان سب کا مختصر مگر جامع جواب یہ ہے کہ "وہ محبت کی چیز ہے اور دنیا مین محض اسی لئے آئی"۔

محبت کیا ہے؟ ایک مقناطیسی کشش ہے! عورت بغیر چاہنے والے کے رہ نہین سکتی، اس کی نزاکتِ فطری چاہتی ہے کہ کسی کا سہارا ہو، یعنی دو ایک ہو کر رہین، جہان یہ خود جان دینے کو تیار ہے، یہ چاہتی ہے کہ کوئی اس پر بھی مرتا ہو، دنیا مین یہ صرف محبت کے لئے آئی اور گلے کا ہار بنانے کے لئے، پھولون کی سیج پر اس کی بہار دیکھئے کہ تھوڑی دیر کے لئے افکارِ دنیا بھلا کر رہتی ہے،

عالمِ خیال عورت کی ایک وسیع دنیا ہے جہان وہ اپنے جذبات کو فضائے بسیط مین چھوڑ دیتی ہے اور جو باتین دراصل اس کو حاصل نہین ہین ان کا بھی لطف

اٹھا لیتی ہے،

اس کی ساری زندگی حسن وعشق کا فسانہ ہے، وہ خودکسی پر مرتی ہوگی یا کوئی اس پر جان دیتا ہوگا! عورت پھنستی ذرا مشکل سے ہے لیکن جہاں پھنسی اس سے چھٹکارا پسند نہین کرتی، اس کی اصلی غایتِ زندگی دوسرے کی پھانس ہے لیکن اُسے معلوم نہین کہ جال ڈالنے سے پہلے وہ خود شکار ہو چکتی ہے،

عورت کتنی ہی پاکیزہ وش ہو، اس خیال سے خالی نہین ہوتی کہ کوئی اس کی کافرادائی کا شیدائی ہو، اس کی "فتوحات" اس کا سرمایۂ نشاط ہین جن سے اُسکے دل کو راحت ملتی ہے اور جن سے وہ جیتے جی کبھی دست بردار نہین ہوسکتی، وہ وار کر کے رہے گی، کیونکہ یہ امر اس کی فطرت مین داخل ہے! اشارہ سے آنچل خود نہ گرائے، لیکن اگر اتفاق سے گرجائے تو وہ دل مین خوش ہوگی، یہ اس کی فطرت کا راز ہے جسے وہی خوب سمجھتی ہے! ڈھرائے ہوئے آنچل مین دراصل اُسے سینے کا ابھار غائب کرنا منظور نہین، بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اور نظر جما کر دیکھئے! محرم کا جائزہ نظری ایک طرح کی دادِ حسن ہے جو ہزار پارسائی کے ساتھ بھی وہ آپ سے لیکر رہیگی! اسی لئے جوانی کی آرائشون مین دستانہ کی طرح چھپی ہوئی چیز اسے دل سے پسند ہے جس مین یہ اُن "سرکشون" کو قید رکھتی ہے جنھین عورت کے "ارمانِ مجسم" کہئے!

"مے دو آتشہ" وہ بھی شباب کی، جب کھچ کھچا کر قدرتی کٹورون مین بھری ہو، تو کون ہی جوان کیفِ مستی اور بیخودی کے "مجموعون" کی پرستش کا دلدادہ نہ ہوگا!

ترکیب عناصر ہی تو ہے، ذرا "فطرت" کی شوخی دیکھئے گا! "فتنۂ قیامت نزا" کیلئے گنجایش نکالی بھی تو کہان؟

دنیا مین معیارِ حسن ہمیشہ مختلف رہا ہے اور آج بھی اختلافِ مذاق کے لحاظ سے حسن کے لئے کوئی نصابِ مشترک قائم نہ ہوسکا تاہم ہر زمانہ مین عورت کا "مقیاس الشباب" دائرۂ حسن کا مرکزِ عام رہا ہے، آج تک سننے مین نہین آیا کہ اہلِ چین کی چپٹی ناک کی طرح "سپاٹ" سینہ بھی کہین پسندِ طبائع ہو،

موجودہ قیصرِ جرمنی کو اپنی غیر معمولی شخصیت کے ساتھ بھی عورت کی "شہنشاہی" کے آگے جھکنا پڑا، آپ صنفِ نازک کے شایق ہین، لیکن اس کے جو خوبصورت ہاتھون کے ساتھ ابھرا ہوا، اور قائم بالذات سینہ رکھتی ہو،

اسی لئے حکما، "بحرِ حسن کے اس زوردار تموج" کو "بہترین عطیۂ فطرت" کہتے ہین، آپ نسائیت کا اصلی زیور کہئے، اس مین کالی، گوری کی تخصیص نہین، کوئی ہو، کہین ہو، صرف جوانی کے "آلۂ حرب" سے اچھی طرح مسلح ہونے کی ضرورت ہے پھر تو اس کی "فتوحات" کے لئے فضاے کائنات بھی کافی نہین، دنیا اس کے قدمون کے نیچے ہوگی،

عورت مرد کے مقابلہ مین زیادہ باکیف ہوتی ہے، اور حسن نزاکتون کی طرف مرد کا ذہن بھی منتقل نہین ہوتا یہ ان کو سمجھتی بوجھتی اور قوت سے فعل مین لانا چاہتی ہے، جیسے ہی کسی خوبصورت عورت کی پرستش کا موقع ملے تو سمجھئے خدا نے دنیا مین وہ چیز دی

جو بڑے بڑے زاہدوں کو سر رگڑنے کے بعد بھی نصیب نہین، بہشت کا بھی وعدہ ہے، چاہنے والی عورت سے بڑھکر جو پاکباز ہو، دنیا مین کوئی چیز نہین لیکن قابو مین لانے کے بعد یہ ایک سکنڈ کے لئے بھی چھوڑنے کے لائق نہین،

وہ انتہا درجہ کی حساس اور نازک مزاج بھی ہوتی ہے، دنیا مین اس سے کسی سے بیر ہے تو چاہنے والے سے، ڈوپٹہ میلا ہے تو سمجھ لیجئے چاہنے والے کا قصور ہے عورت کہتی یہی ہے کہ ان ہی کو پروا نہین تو بدلین کس کے لئے! وہ خوش ہین تو بات بات مین بانکپن دیکھ لیجئے، کنگھی چوٹی کا درد سر اسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہے جب دل سے دل ملا ہو اور اس کی مانگ ہو! عورت کے بناؤ سنگار یعنی آرائش کی چھوٹی چھوٹی باتین اس کے دل کی حالت کی غماز ہوتی ہین کسی نے آنکھ بدلی اور یہان صورت بگڑی، وہان دلداری ہے تو ادھر بھی دل آرائی دیکھ لیجئے، محرم کے بند اگر کھنچکر بندھے ہون تو سمجھ لیجئے "زد" پر کوئی ہے، جس کیلئے یہ سینے کو "دہرے پایہ" پر رکھنا چاہتی ہے!

حسین عورت کے لئے کمسنی لازمی نہین کہ چڑھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤن زیادہ خوشگوار ہوتی ہے، فلسفۂ حسن وعشق کا یہ نہایت باریک نکتہ ہے جو لائق غور ہے، عورت وہی باکیف ہوگی جو لذت آشنا ہو، اور جس مین لذتِ احساس کامل ہو، یہ عالمِ فطرت کی نیرنگیان ہین، شراب کی طرح کہ جتنی پرانی ہو مزیدار ہوتی ہے عورت کی عمر کا وہ حصہ جو تیز روشنی کی جگہ تارون کی چھاؤن یا پچھلے پہر کی چاندنی سی

مشابہ ہے جان دے دینے کے لائق ہوتا ہے، ۲۵-۲۶ برس کی حسین عورت جو صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی رکھتی ہو، اور جس میں نسائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو، انسانی تخیل کا بہترین مرقع ہے،

عورت باعتبارِ جذبات، ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس کی ساخت میں نہایت نازک پھول پتیاں صرف ہوئی ہیں، جس طرح پھول کی پتیوں میں نازک رنگین نسیں اور باریک نقش ونگار ہوتے ہیں، عورت کا دل ودماغ بھی ہر طرح کی لطافتوں اور نزاکتوں کا مخزن ہوتا ہے جس کے بیل بوٹے قدرت کی بہترین نقاشی ہیں، ان ہی باریک حسیات اور جذبات کا ابھارنا، اور ان کے نشو وارتقائے تدریجی کے سلسلہ کو قائم رکھنا چاہنے والے کا اصلی فرض ہے،

عورت ہماری زندگی کے ہر صیغہ کو مس کرنا چاہتی ہے، وہ ہماری عقلی اور اخلاقی قوتوں کو حرکت میں لاتی ہے، لیکن ایک شایستہ عورت پر وہی قابو حاصل کر سکتا ہے جس میں عورت کے فطری اوصاف کے مقابلہ کی قابلیت موجود ہے، جس کے قوی تر جذبات عورت کی قدرتی نزاکتوں اور لطافتوں سے ہم آغوش ہو سکیں،

اس کے خیال میں صرف آرزوے "وصل" جس پر ہمارے شعرا سر دھنتے ہیں، نری حیوانیت ہے، وہ "خوش عیشی" کے مقابلہ میں "فلسفۂ ناکامی" میں کہیں زیادہ لذت پاتی ہے، جو اس کے نازک سے نازک جذبات اور حسیات کو تحریک میں لائے، عورت کی ایک آہ جو دل سے نکلی ہو، ہزار صوفیانہ ریاضت و اعمال پر بھاری ہے جس میں شائبۂ خلوص نہ ہو،

یہ دنیا میں فطرت کی تکمیل کے لئے آئی، اور اسی لئے مہذب دنیا میں اسے انسان کا "نصف بہتر حصہ" کہتے ہیں محبت، دلسوزی، خلوص و ہمدردی، اس کا خاصہ فطری ہے، یہ جہاں ہماری خوشدلی کو بڑھاتی ہے رنج وغم کو بانٹ لیتی ہے صحت میں یہ رفیقِ زندگی، علالت میں خوش سلیقہ دایہ اور موت کے بعد ہماری خوبصورت سوگوار ہے، جس کی ہیر اتراش کلائی میں پھنسی ہوئی سیاہ چوڑیاں اور کھلے ہوے لمبے بال وہ علاماتِ ماتم ہیں جنھیں جیتے جی دیکھنے کو دل چاہتا ہے!

آہ عورت! تو فسانۂ زندگی ہے، تو جس طرح ایک جھونپڑے کو اپنی صاف شفاف ہستی سے شیش محل بنا سکتی ہے، بڑے سے بڑے ایوانِ عیش کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جبتک تیری موجودگی کے آثار اُس میں نہ پائے جائیں!

اس کے لئے چھڑوں کی جھنکار ضروری نہیں محض تیرا پس پردہ ہونا، کہیں ہو کسی کے لئے ہو، کافی ہے! شکسپیر نے سچ کہا ہے کہ "تو مجسم عشوہ گری ہے، اور دنیا میں بے فوج کی سلطنت تیرا اور صرف تیرا حصہ ہے"!

یہاں تک تو "حسن" اور اس کے لطیف متعلقات پر شاعرانہ نکتہ سنجیاں تھیں لیکن مجھے دیکھنا ہے کہ عشق کیا چیز ہے، حکما کی رائے کے مطابق یہ ایک جوہرِ جدانی ہے، انسانی اجسام، انسانی حافظے، انسانی خواہشات فنا ہوجائیں گی لیکن یہ جوہرِ غیر فانی یعنی عشق ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے،

"تصوف" صرف مذہبِ عشق ہے آپ فرطِ سنجیدگی سے حقیقتاً کے سمجھے

پڑے، اور جلیے آئے تھے، ستر اسی برس کے ریاضات و مجاہدات کے بعد بھی کورے گئے! مین نے آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھ سکا، اس لئے آپ کی اصطلاح مین صرف "عشق مجازی" سے غرض رکھی یعنی اپنا "معبود" خود پیدا کر لیا، اور تھوڑی سی عمر جو لیکر آیا تھا اس خیال مین گذار دی،

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشان کا
جو آنکھین ہون تو نظارہ ہو ایسے سنبلستان کا

گو شوارہ پر آپ دیکھین گے، میرا پاکیزہ تخیل بڑے بڑے زاہدون کے "صعوبات لاطائل" سے کتنا اچھا رہا، وہ عمر بھر روتے رہے اور روتے گئے، اور مین نے ہنستے کھیلتے دن کاٹ دیئے!

یہ فقرۂ معترضہ تھا، اہل سائنس کا خیال ہے کہ عشق چاہنے والون مین سے کسی کا اختیاری نہین، بلکہ ایک جذبۂ اضطراری ہے جو گذشتہ زمانہ کے ہزارہا میلان طبائع نے وراثتہً ہمارے لئے چھوڑا ہے، ہم کسی عورت کو اس لئے نہین چاہتے کہ وہ نازنین ہے، پری پیکر ہے، خوش ادائی اور دلفریبی مین آپ اپنی نظیر ہے، بلکہ وہ ہمارے دائرۂ پرستش کا مرکز اس لئے بنی ہوئی ہے کہ وہ ایک ناقابل بیان طریقہ سے جنس مقابل یعنی مرد کے لئے ایک ایسا "نغمۂ مستانہ" چھیڑتی ہے جسے مرد ہی خوب سمجھتا ہے، اور جو ہماری زندگی کے جوہر خالص یعنی روح کو ان طبقات بالا تک پہنچاتا ہے جہان خیال کے سوا کسی چیز کی رسائی نہین! یہ بحث نہایت دلچسپ ہے!

لیکن مستقلاً اظہارِ خیال چاہتی ہے، یہان اس کے چھیڑنے کی گنجایش نہین پھر کبھی دیکھیو گا

سرِ دست ایک مغربی شاعر کے خیالات سنئے جو جذبات مین ڈوبا ہوا ہے، اور
اپنی معشوقہ یعنی اپنی بیوی کے فراق مین یون اظہارِ خیال کر رہا ہے،

"رات کا پچھلا پہر اور دل ہی دل مین کچھ باتین"

"میری ہستیِ بے ثبات کا سب سے بڑا کارنامہ تیری محبت پر قابو حاصل کرنا تھا
مین نہ ہوتا تو تو یقیناً غیر مفتوح رہتی، یعنی کسی کے بس مین آنے والی نہین تھی، کیا دنیا
کی کوئی قوت جیتے جی تجھکو مجھ سے چھڑا سکتی ہے؟ پھر یہ علٰحدگی کیسی؟ دیوانگی استغراق
فنا، مذہبِ عشق کی صرف اصطلاحات ہین، مین تو تجھ مین اس طرح تحلیل ہو گیا
ہون کہ وجودِ ذاتی کا سرے سے پتہ نہین! آخر کیون؟ کیا تیرا دلفریب حسن تیری
کافرادائیان اس کا باعث ہین؟ نہین! تو عشق مجسم ہے! تو مستیِ شباب کے سوا جذبات
مین اس طرح ڈوبی ہوئی ہے کہ تیری غایتِ زندگی صرف محبت ہے اور کچھ نہین!

ہان تو نے عشق کی کاٹ عشق سے کی اور مین مقابلہ مین ٹھہر نہ سکا، یعنی بازی
ہاری! ہائے کتنی دلچسپ فتح ہے! لیکن آخر مجھے اپنی شکست پر ناز کیون ہے؟ اس لئے
کہ "یہ شکست" دنیا کے اور دیوانون کے حصے مین کبھی نہین آئی، آرزوئین اور قصے
ہی رہے! مطلوب کا ملنا دوسری دنیا کے لئے اٹھا رکھا گیا، یہ خیال کہ تو مجھے چاہتی ہے
جان دے دینے کے لئے کافی ہے!

تجھ کو پا کر چاہئیے تھا کہ بیقراری کچھ کم ہوتی لیکن یہ کیسا روگ ہے جو کسی طرح پنپنے نہین دیتا،

میں دیکھتا ہوں کسی طرح چین نہیں خاصکر آجکل کی جدائی بلا سے جان ہو رہی ہی،

عرب کی جوشیلی عورت اپنی عاشق سے جدا رہنا پسند نہیں کرتی یعنی وہ فطرۃً ہم آغوشی و ہمبستری کی شائق ہوتی ہی! میری پیاری، کیا تو کم پُرجوش ہی؟ تیری تو رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بجلی بھری ہی، یہ تیری دبی ہوئی چنگاریاں تھیں جن سے میری زندگی کی بجھی ہوئی حرارت دفعتًہ بھڑک اٹھی!

پیاسے کو انگاروں پر لٹانا جب چند قطروں سے پیاس بجھتی ہو! یہی شرطِ وفا ہی؟ تو نے کیوں مجھے وہ گر سکھائے جن سے آج تک نا آشنا سا رہا! تو نے میری ایک سوئی ہوئی قوت کو جو حاسۂ انسانی میں سب سے زیادہ لطیف و شیریں ہی، چھینٹے دے دیکر جگایا! تیری تطبیق اعضائی اور انگوٹھی پر نگ کی سی موزونیت تیری نفاست اور پاکیزگیٔ فطرت کا ایک راز ہی! سچ یہ ہی کہ تو یونانیوں کی محض "زہرہ عریاں" نہیں بلکہ حسن و عشق کی مشترک دیوی ہے،

جوانانہ خوش فعلیاں ان دنوں خواب و خیال ہو رہی ہیں جب سے تو چھوٹی زندگی وہ نہیں رہی! میری خاک ایک دن خاک ہو کر رہیگی لیکن وہ جوہر غیر فانی یعنی تیرا عشق میری یاد دلاتا رہیگا، لیکن قبل اسکے کہ یہ صورت پیش آئے، آ کر مجھے گلے لگا لے، زندگی تو آج کا نام ہی، کل اختیاری نہیں! تیرے ساتھ کے چند گھنٹے ہزار زندگیوں کے برابر ہیں، دیکھ! میری عمر کا بڑھانا تیرے لئے کتنا آسان ہی، کیسی مجبوری اور کہاں کا رکھ رکھاؤ؟ جس کوچہ میں تو نے قدم رکھا ہی وہاں تیسرے کا گذر نہیں! ان ڈھکوسلوں سے کیا واسطہ؟ عشق کا فتویٰ تو یہ ہے کہ دو کے سوا تمام دنیا حرفِ غلط!

(نقاد سنہ ۱۹۱۳ء)

ملک میں تاریخ کا معلّم اوّل

یعنی

شمس العلماء علاّمہ شبلی نعمانی

یورپ کے علمی قلمرو میں ایک زندہ دل طبقہ ایسا بھی ہے جو انسان کی دماغی پیداوار
یعنی کتابوں کو "علمی حرم" کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور ان کا دلدادہ ہے، اُسکے
خیال میں کسی کتبخانہ کا ایک گوشہ جہاں اس کی منظورِ نظر "نازنینوں" کا جھرمٹ ہو،
اور جو ہمیشہ اس کی فرصت اور مرضی کی منتظر رہتی ہوں، اس شاہی محل سے کہیں
بڑھ کر ہے جس کے لوازمِ عیش صرف دور سے دیکھنے کی چیز ہیں، بہرحال ایک
ایسا گروہ موجود ہے جو علمی دنیا میں درجۂ استغراق رکھتا ہے، اور زمانہ کے سرد گرم
سے قطعًا بے پروا ہے، اس کا دائرۂ مخصوص خود ایک دنیا ہے جہاں ایسے سامانوں
کی کمی نہیں، جن سے قوتِ احساس ہر طرح کی لذت و انبساط حاصل کرتی رہتی ہے،
اسی حلقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نفاست اس حد تک بڑھی ہوئی ہے
کہ وہ معمولی مطبوعات کو پسند نہیں کرتے، خاص خاص تصنیفات کے قیمتی ایڈیشن

شائع کئے جاتے ہین،

ہندوستان مین اس قسم کے معزز شواہد بہ مشکل پیش کئے جاسکتے ہین لیکن طبقۂ اعلیٰ کے مصنفین مین علامہ شبلی کی تصنیفات کو یہ امتیاز حاصل ہے، جو حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی ہوتی ہین، قاعدہ یہ ہے کہ لفافہ اچھا ہو تو ملفوف کو اس سے کہین زیادہ اچھا ہونا چاہئے،

علامہ شبلی اپنے موضوعِ سخن اور اس لحاظ سے کہ انھون نے اپنے ملکۂ راسخہ یعنی فطری قوتِ تصنیف سے وہی کام لیا جو ان کے دل و دماغ کا اچھے سے اچھا مصرف ہو سکتا تھا، ملک کے مصنفین مین یہ سرِ فہرست تو تھے ہی، مین دیکھتا ہون اب بہت آگے نکلے جاتے ہین، انھون نے فلسفۂ تاریخ کو صرف اس لحاظ سے کہ وقت کی چیز ہے، اپنا خاص فن قرار دیا اور ترتیباً جس پیمانہ پر یہ اظہارِ خیال کرتے رہے، وہ ایک منحرف بھی تسلیم کرے گا، کہ ان کی قوتون کا صحیح سے صحیح استعمال تھا، جو خیال مین آسکتا ہے، ملک کے اچھے لکھنے والون مین "قوتِ فیصلہ" کی ہمیشہ کمی رہی، یعنی دماغون مین اقتضاے وقت کی رعایت نہین، وقت ہی آگے چل کر بتاے گا کہ ان کے نتائجِ فکر ایک طرح کی خودرو پیداوار ہین، جن کی شادابی صرف ایک موسمی چیز ہے لیکن علامہ شبلی سے ہم کو اس قسم کی شکایت نہین، یہ بلا بارتہدید و فرمایش جو کچھ کرتے رہتے ہین وہ ہمارے توقعات اور استحقاق سے کہین زیادہ ہے، حالتون کا موازنہ اب تکلّف کے عوائدِ رسمیہ (یعنی اٹی کیٹ) کو دیکھتے خلافِ شایستگی سمجھا جاتا ہے، تاہم یہ تنقید

کا ایک ضروری عنصر ہے لیکن میں اس وقت ان کو ان کے دائرہ کے دوسرے
خلاقین سخن سے ٹکرانا نہیں چاہتا، صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح یہ اپنے
حلقہ میں غالباً سب سے کم عمر مصنف ہیں، ادبی حیثیت سے نسبتاً اتنے ہی بڑھے
ہوئے ہیں، اس دماغی فوقیت کا راز صرف یہ ہے کہ خوش نصیب شبلی نے اپنی
وہبی اور اکتسابی قوتوں کی رعایت سے جو وسیع موضوع بحث اختیار کیا وہ
بلا استثنا، اوروں کی دسترس سے باہر تھا اس سے زیادہ موزونیت لائق تبریک
ہے جو قوا ان کے ہر حصۂ تصنیف کا ایک خاصہ ہوتی ہے، اسلامی تاریخ ولٹریچر،
فلسفہ وعقائد سے متعلق جس قدر مواد یکجا کر سکے، قدیم تاریخ کا گویا نچوڑ ہے،

تاریخ اسلامی کی نسبت ایک زمانہ میں یورپ نے جس قدر متعصبانہ رائے
قائم کی تھی، اب رفتہ رفتہ ان سے دست بردار ہوتا جاتا ہے، موجودہ دور میں جو ہر قسم کی
دماغی ترقیات کا دور ہے واقعات کا ایک خاص معیار صداقت قائم ہو گیا ہے، ہر
واقعہ کی جانچ اجتماعی، اخلاقی، اور فلسفیانہ حیثیت سے کی جاتی ہے، چنانچہ علماے
مستشرقین کی توجہ سے جدید سلسلۂ اکتشافات میں ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا ہے،
جس میں ہمدردانہ التفات کے ساتھ ایک طرح کی سنجیدگی اور بلند نظری پائی جاتی
ہے لیکن باوصف اس حسن ظن کے جو جماعت مستشرقین کی طرف سے پیدا ہو چلا ہے
ان[1] کے خیالات کا بیشتر حصہ نظر ثانی چاہتا ہے اس قسم کی مثالیں کم نہیں ہیں جن میں

۱؎ دیکھئے یورپ کے مشہور مستشرق وان کریمر کی تصنیف مختص الموضوع جس میں دکھایا ہے کہ اسلام اپنی ترکیب ساخت کیلئے مذاہب سابق کا ممنون ہی نہیں بلکہ ادیان سابقہ کی صرف ایک ارتقائی صورت ہے،

مغربی علمار کی اجتہادی لغزشیں اب بھی محسوس ہوتی ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ استخراجِ نتائج میں عمداً بے پروائی سے کام لیا گیا ہے لیکن علامہ شبلی نے ہم کو غیروں سے قریب قریب بے نیاز کردیا ہے، یہ جس طرح قدیم تاریخ اور لٹریچر کے جامع ہیں آجکل کے فلسفیانہ انتقادات اور نکتہ سنجیون سے آشنا ہی نہیں بلکہ یہ مذاق ان میں اس قدر رچا ہوا ہے کہ ان کے طے کردہ مسائل جو دنیا کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اس حد تک کامل ہیں کہ زمانۂ آیندہ بلکہ "بعید آیندہ" میں بھی ان پر کوئی معتدبہ اضافہ نہ ہو سکے گا، اسی طرح ان کے اجتہادات کا جن کو تاریخی "الہامات" کہئے، بیشتر حصہ میرا خیال ہے مدتون متروک ہونے کے لائق نہیں ہوگا اس سے زیادہ شبلی کے غیر فانی ہونے کا ثبوت کیا ہوگا،

اگر موجودہ نسل کے لئے دماغی اور عقلی ترقی کے ساتھ اخلاقی تکمیل کی بھی ضرورت ہے تو مین خیال کرتا ہون کہ شبلی نے تاریخی سلسلہ مین جس قدر مذہبی لٹریچر پیدا کر دیا ہے وہ ہمارے لئے کافی سے زیادہ ہے، خاصکر اس جدت کے لحاظ سے کہ فاضل شبلی نے ایک طرف تو "بڑے میان" یعنی مذہب کی پگڑی نہیں اتاری اور ساتھ ہی یورپ کے نوخیز چلتے پرزون یعنی فلسفہ و سائنس کے سامنے تیرہ سو برس کے بوڑھے سے ہاتھ نہیں جڑوائے بلکہ دونون مین مصافحہ کرا دیا! یہ معتدل روش جو اس "ادبی نزاع" مین اختیار کی گئی ہے لائقِ رشک شبلی ہی کا حصہ ہے جو ہمارے متفق علیہ پیشواے علمی ہیں، ان کی ثقاہت نے جہان مذہب کی حق تلفی نہیں ہونے دی

سائنس و فلسفہ کی مغائرت بھی دور کردی، اور اُن کو مذہب کا دست و بازو بنا دیا،
آیندہ زمانہ مین جب ہماری عقلی ترقیات کا شباب ہوگا، شبلی کو اپنے مساعیِ جمیلہ
کی پوری داد ملے گی، تاہم آجکل کا تعلیم یافتہ طبقہ جو عموماً مذہب سے بے پروا ہے،
مذہب فطری یعنی حکیمانہ اسلام سے دست بردار نہ ہو سکیگا، معقول و منقول کی تطبیق کی
غایت اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے جو شبلی کی دوسری کا بجاے خود ایک قیمتی صلہ ہے،

ملک کے روشن خیال طبقہ مین کہین کہین ایک طرح کے حکیمانہ "تذبذب فی المذہب"
(یعنی اگنا سٹک خیالات) کی جھلک پائی جاتی ہے، اس لیے شبلی کی "تقیدات عالیہ"
(ہائر کریٹی سزم) کو وہ حمایت مذہب مین چندان وقیع نہین سمجھتا لیکن اس کو یاد رکھنا
چاہئے کہ یہ کوئی نئی ایچ نہین ہے، شبلی سے اگر غلطی ہوئی تو صرف اس قدر کہ انھون نے
مذہب کو آجکل کے عقلیات سے ٹکرایا، یہ غلطی اس سے پہلے بھی جب مسلمانون کے
دن اچھے تھے، ہو چکی ہے! اور علم کلام کو عباسی دور کی دماغی ترقیات کے لحاظ سے
"یادِ ایام" سمجھے جو عقائدِ اسلام اور فلسفۂ قدیم کے گذشتہ اختلاط کی ادبی تاریخ ہے، لیکن
اس زمانہ مین اسلام کو صرف فلسفہ یعنی ایک حد تک محض اصولِ نظری سے سابقہ تھا
اس لیے جس طرح لحاف کی تیاری مین کچھ استر سے لیا، کچھ ابرے سے، اور دونون کا
جھول جھال لیکر برابر کردیا، دونون حریف جو چھُری کٹاری ہو رہے تھے گلے ملوا دیے
لیکن آج مذہب کو اپنے دشمنِ ازلی یعنی سائنس کا مقابلہ کرنا ہے جو قوی تر حریف ہے،
جو اپنے سوا دنیا مین کسی کو دیکھنا نہین چاہتا،

مذہب کے اولیات کا انحصار کلیتہً امور غیر مادّی یعنی ایسی چیزوں پر ہے جو مدرکات انسانی سے باہر ہیں یعنی ہمارے حواسِ فطری ان کے سمجھنے بوجھنے سے عاری ہیں اور سائنس صرف مادیت سے غرض نہیں رکھتا، بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ "عالمِ غیر" کا خیر سے وجود ہی نہیں ہے، جس پر ہم آپ اس قدر مٹے ہوئے ہیں! بہرحال فلسفہ پھر بھی اتنا بُرا نہیں کہ "سنی سنائی" کبھی کبھی مان لیتا ہے، لیکن سائنس اتنا کٹر ہے کہ جبتک "آنکھوں دیکھی" نہ ہو، ہزار کہئے، کتنے ہی بڑے سے جبہ و دستار پیش کیجئے! مذہب کی دہائی دیجئے، ایک نہیں سنتا، ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کافر بہ خود غلط! کسی "شریعتِ سہلہ" کی گرفت میں کہاں تک آسکتا ہے، لیکن کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم مذہب سے عموماً دست بردار ہو جائیں؟ اس کا فیصلہ میں انسان کی اگلی پچھلی اخلاقی تاریخ پر چھوڑتا ہوں جس کی تکمیل کی نسبت خود فلسفہ کا یہ دعویٰ ہے کہ بغیر مذہب کے ہو ہی نہیں سکتی،

شبلی نے الکلام میں نفسِ موضوع کے لحاظ سے جس پیمانہ پر اظہار خیال کیا، اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا؟ آپ کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیں تو پہلے ضرورت ہے کہ بڑے میاں سے آپ کو حسنِ ظن بھی ہو، یہ نہیں کہ ایک دم سے پگڑی اتار لی اور دعویٰ یہ کہ ہم آپ کے سچے عقیدت کیش ہیں، فرطِ خلوص سے لگی لپٹی نہیں رکھتے،

طبائعِ انسانی کے لئے اگر مذہب کی ضرورت ہے تو اس کے مسلمات اعتقاداً جیسے ایک طرح کی مجبوری کے تئے تسلیم کرنے ہوں گے، رہی معقول و منقول کی تطبیق جہانتک مذہب میں استطاعت ہے آپ دونوں کو ٹکرا سکتے ہیں، علم کلام کا اتنا

ہی فرض ہے، شبلی حکیمانہ خیالات کے ساتھ گہرا مذاق مذہبی رکھتے ہین، اور انھون نے جو کچھ لکھا ہے، حکماے اسلام کی طرح "متکلمانہ" لکھا ہے، اس پر بھی لکھنؤ کے ایک مشہور انشا پرداز، فاضل عصر کی مذہبی تحریرات سے عام سوءظن پیدا کرنا چاہتے ہین، حضرت کو "اعتزال" کی فکر ہے جس مین پھر بھی ایک مذہبی رنگ ہی لیکن یہ معلوم نہین کہ اس زمانہ مین جو سائنس کے اکتشافاتِ عالیہ کا دور ہے سرے سے مذہب کی جان ہی کے لالے ہین اور آج کسی مذہب آسمانی مین اتنی قوت نہین کہ منحرف سائنس کو زیر کر سکے،

مین رَو مین سلسلہ سے کسی قدر دور جا پڑا، کہنا یہ تھا کہ اردو لٹریچر کے پیدا کرنے والے تھوڑے ہین، ان مین بھی تھوڑے ہی ایسے ہین جو آجکل کے معیارِ قابلیت کے لحاظ سے اہلِ قلم کی صفِ اوّل مین شامل ہونے کے لائق ہون، شبلی[1] بلحاظِ فن میرا خیال ہے صرف ہندوستان نہین بلکہ تمام اسلامی دنیا مین کسی سے دوسرے درجہ پر نہین ہین، اسکو میری قاصر النظری پر نہ محمول کیجئے، فلسفۂ تاریخ جو آجکل تمام علوم مین سرِ فہرست ہے، ایک مستقل فن ہوگیا ہے اور اس قدر اہم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فاضل مؤرخانہ موشگافیون کو بہترین مشغلۂ ہستی سمجھتے ہین، مصری اور ترکی لٹریچر مین تاریخی مذاق جس قدر موجود ہے ہم اس سے ناواقف نہین ہین، لیکن جن مضامین پر

---

[1] یہان میری غرض تاریخی لٹریچر سے ہے، ورنہ ادب اور معقولات پہ سرسید کی قلمی فتوحات دراصل انکی اولیات مین محسوب ہونے کے لائق ہین جنسے ملک مین کوئی اہلِ قلم بے نیاز نہین ہو سکتا ہی،

وہاں سرگرمی سے طبع آزمائیاں ہو رہی ہیں وہ شبلی کے ہاں دست فرسودہ اور مسائل ابتدائی ہیں جن کو فاضل مؤرخ کی سرسری جنبش قلم مدت ہوئی ایک سے زیادہ موقع پر طے کر چکی ہے، سچ یہ ہے کہ شبلی بلحاظ جامعیت اور وسیع النظری اور نیز مؤرخانہ تدقیق اور کمال فن کی حیثیت سے آج یورپ کے بڑے سے بڑے مؤرخ سے پہلو بہ پہلو ہو سکتے ہیں، یورپ کو شکایت ہے کہ مسلمانوں میں متقدمین بلکہ متاخرین میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جسے صحیح معنوں میں اگر حفظ روایات سے قطع نظر کیا جائے تو "مؤرخ" کہنا درست ہو یعنی استقصا سے روایات کے سلسلہ میں جہاں اصلی ماخذوں کی چھان بین کی گئی غیر مرتب مواد سے کسی دور میں ایسے نتائج حاصل نہیں کئے گئے جن میں طبیعت انسانی کے اقتضا، زمانہ کے ماحول اور خصائص طبعی یا قرائن عقلی سے مدد لی گئی ہو۔

ابن خلدون کا نام بار بار لیا جاتا ہے جس نے تاریخ پر فلسفہ کا رنگ چڑھایا، مگر خود اس کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے خیالات قوت سے فعل میں نہ آسکے، یہ بالکل صحیح ہے لیکن آج ہم بیسویں صدی کے ایک فاضل مؤرخ کو پیش کرتے ہیں جس کا دائرۂ معلومات اس قدر وسیع ہے کہ وہ اپنے سلسلۂ تحقیقات میں صدیوں کی فروگذاشت کی تلافی کرتا جاتا ہے اور اگر وقت نے مہلت دی اور اس کا تخیل پورا ہو سکا تو تاریخ اسلامی کے مہمات مسائل ایک ایک کر کے طے کر دیئے جائیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے گوشوں میں بہتیرے علما پڑے ہیں، ممکن ہے!

لیکن کسی شخص کا دماغ دوسرون کے علوم و فنون سے بھرا ہوا اور خود اس مین تحقیق واختراع کا مادّہ نہ ہو تو ایک بیکار سی چیز ہے اس لئے ایک فلسفی کے خیال کے مطابق اصلی قابلیت صرف وہ وسائل یعنی طریقۂ استعمال ہے جس سے مواد گذشتہ کارآمد بنایا جا سکے، یہی تصرفات ہین جن کی بنا پر ایک ادیب یا مورخ کو لائق سے لائق شخص پر جو صرف "جامع اللغات" ہو ترجیح فائقہ حاصل ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نرے الفاظ مؤخرالذکر کے ہان کچھ زیادہ ہی ہوتے ہین،

انسانی احساسات وخیالات، تحقیقات واختراعات کی مسلسل تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے، اور کارلائل کہتا ہے کہ جس شخص کو "چھپے ہوئے حروف" کا راز معلوم ہے وہ انھین قوت آخذہ سے اپنا کر سکتا ہے، صرف صداے اصلی کی تلاش کا ذوق صحیح ہونا چاہیے، ہان شبلی، فاضل شبلی "نقوش حرفی" کے رازدار ہین، انھون نے اپنے ماخذون کی چھان بین مین صرف "صداے اصلی" سے غرض رکھی، اور اپنے وسیع سلسلۂ تحقیقات مین زبردست قوت استقرائی کے ساتھ اسباب و نتائج کی تفریعات فلسفیانہ سے آجکل کے ترقی یافتہ مذاق کے مطابق اس طرح کام لے سکے جس سے ان کی آواز بازگشت تمام ملک مین گونج اٹھی اور ہندوستان کے ادبی قلمرو مین ایک نیا تاریخی دور شروع ہو گیا،

مختصر یہ کہ آجکل کے مصنفین مین علامہ شبلی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے جو ان کے اور ہم عصرون کے حصہ مین نہین آیا، ان کے سخت سے سخت حریف مقابل

بھی ان کی تحقیقات کی گرد کو نہین پہنچتے،

نہ جاننا بھی مزے کی بات ہے اس لئے بعضون کی سمجھ مین یہ بات نہین آئے گی لیکن ہندستان کیا اور ممالک مین بھی دو چار سے زیادہ نہین ہین جو مذاق موجودہ کے مطابق مسائلِ قدیمہ کے طے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہین، شبلی ہم مین پہلے شخص ہین جنھون نے تاریخ و فلسفہ مین ربط باہمی پیدا کیا اور ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب اس طرح کر سکے کہ لٹریچر مین ایک خاص امتزاج پیدا ہو گیا ہے جس کے آثار ان کے مستقل سرمایہ تصنیفات کے سوا ان کے متفرق مضامین مین بھی ملتے ہین، جو مدتون ان کے قلم کے سایہ مین مسلسل طور پر وقف عام ہوتے رہے،

(نقاد ۱۹۱۳ء)

تنقیداتِ عالیہ

آجکل معیارِ فوقیت اس قدر بڑھ رہا ہے کہ جب تک کوئی کام اوّل درجہ کے پیمانہ پر نہ جاری کیا جائے، چل نہیں سکتا، محمد علی اکسن نے جس قابلیت اور خوش سلیقگی سے کامریڈ نکالا ہے، اُس کے دعویٰ کے ثبوت میں ہے، قوم کے ہاتھ میں انگریزی اخبار ہی کتنے ہیں، لیکن جتنے ہیں ان میں ایک بھی نہیں جو کامریڈ کی گرد کو پہنچ سکے، ایڈیٹر کی زبردست شخصیت نے پرچہ کو ادبیات اور سیاسیات کا مخزن بنا رکھا ہے،

زبان تو محمد علی کی گویا "مغربی کنیز ہے"۔ جسے وہ ولایت سے ساتھ لگا لائے لیکن مسائلِ عصریہ پر جس نفاست اور آزادی سے یہ لکھتے رہتے ہیں، ان کا حصہ ہے موجودہ دورِ حرّیت میں جہاں تک جائز مطالبات کا تعلق ہے، رُک رُک کر قدم اٹھانا جس طرح ایک اخلاقی کمزوری ہے، اسی طرح یہ بھی ٹھیک نہیں کہ بات بات پر جامہ سے باہر ہوتے ہیں اور جب دیکھئے آواز کی جگہ منہ سے کف نکل رہا ہے، کامریڈ نے دو طرفہ کشمکش سے علیحدہ ہو کر جو مستقل روش اختیار کی ہے وہ دراصل اس کے اوّلیات میں داخل ہونے کے

لائق ہے، اس کی تنقیدات خاص کر طنزیات لٹریچر کی جان ہوتی ہین، یہ تو معلوم ہے کہ اڈیٹر انگریز نہین ہے لیکن سمجھ مین نہین آتا عربون کی اصطلاح مین ایک "عجمی" زبانِ غیر پر کیونکر اس حد تک قادر ہو سکا؟

جس طرح متقدمین کے کلیات مین ہزلیات کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا تھا، کامریڈ نے موقت لٹریچر مین "گپ" کے لئے گنجایش نکالی ہے جسے مین "مطائبات ادب" کہون گا، یہ حصہ اس قدر بلیغ اور دلچسپ ہوتا ہے جس کا اندازہ قدر افزایان سخن ہی کر سکتے ہین، جنھون نے کسی یونیورسٹی مین صرف مروجہ ڈگری نہین حاصل کی ہے بلکہ انگریزی لٹریچر کا مذاقِ صحیح بھی رکھتے ہین،

مین کامریڈ کے ان معرکۃ الآرا کارنامون کو سر دست گنانا نہین چاہتا جن کے مخلصانہ اعتراف کے لئے ہم کو ملک سے باہر کالے کوسون جانا پڑے گا اور جو غایت شہرت سے محتاجِ بیان نہین ہین، یہان مین محمد علی کی "مغربیت" کے ایشیائی ثمرے یعنی "ہمدرد" پر نظر ڈالنا چاہتا ہون جس نے حال ہی مین دنیا مین قدم رکھا ہے، مین کہہ چکا ہون صرف اول درجہ کی حرکت آجکل کامیاب ہو سکتی ہے، محمد علی نے اخباری دنیا کی عام رفتار سے الگ تھلگ "بیروت" کے ٹائپ مین "ہمدرد" کو چھاپکر چھوڑا، اس کے لئے اُن کو جس قدر مشکلات پیش آئی ہونگی ان کا دل ہی جانتا ہوگا، یہ ٹائپ نہایت خوش سواد اور کثیر الزوایا ہے اور مروجہ معمولی ٹائپ کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے، اس کے پڑھنے مین بالکل دقت نہین ہوتی،

اگر ہوسکتی ہے تو صرف اُن لوگون کو جن کی نگاہین سر سے ٹائپ سے مانوس نہین ہین۔

جس طرح سانولی صورت جس مین نمک ہو ویسی مذاق ہے، رنگ کو گورا چٹا ہونا چاہئے، مین "ہمدرد" کو اس لئے پسند کرتا ہون کہ یہ اپنی سج دھج اور خوش وضعی کے ساتھ نک سُک مین بھی اورون سے مختلف ہے، یہی امتیاز اس کی روح روان ہی جس سے وہ کسی طرح مذ معمولی مین نہین آتا، ہم کو پنجاب کے قابلِ نفرت تاجرانہ لٹریچر کی بھرمار سے ایک طرح کا "امتلاء ادبی" پیدا ہو چلا تھا، لیکن "ہمدرد" کا جلوہ کا فوری طبیعت کے ٹھہرنے کا سبب ہو گیا، اردو اخبار اتنا تو ہو کہ میز پر رکھتے ہوے شرم نہ آئے، ردیات مین ڈالنے کے لائق جو پیکنگ کے کام بھی نہین آسکتے یون تو بہتیرے ہین، یہ تو "ہمدرد" کی مادیت ہوئی جس مین "الہلال" کے سوا وہ کسی سے دوم درجہ پر نہین ہے، غیر مادی یعنی ادبی حیثیت سے وہ اچھے اچھے پرچون سے آگے نکلتا معلوم ہوتا ہے، "اتحاد و ائتلافِ ثلاثہ" پر وہ جو کچھ لکھ رہا ہی سیاسی لٹریچر کے انتقاداتِ عالیہ مین داخل ہونے کے لائق ہے، اس کا ایک عنوان یعنی "برقیات" اس کی کافی ضمانت ہے کہ وہ اپنے مذاقِ تحریر مین مصر کے اعلیٰ درجہ کے اخبارون کے سوا کسی کو لائقِ تتبع نہین سمجھتا،

آجکل سیاسیات پر قلم آزمائی کے لئے جہان کسی مغربی زبان کی واقفیت لازمی ہے، اردو مین اداے خیال اس وقت تک ممکن نہین جب تک کہ مصری لٹریچر کی اصطلاحات اور اس کی خوش ترکیبون سے مدد نہ لیجائے، اردو اخبار او رموقت

رسائل صرف اس وجہ سے دوم درجہ کے معیار کو چھوڑ نہیں سکتے کہ ان غریبوں کے پاس جہاں ذاتی سرمایۂ معلومات نہیں، یہ قابلیت بھی نہیں کہ مصر کے سنجیدہ لٹریچر سے کچھ استفادہ کرسکیں، نری باتیں، روزمرہ اور محاورہ کی نزاکتیں اگر ہوں بھی تو آخر کہاں تک؟

ایک تشنۂ ادب، چند قطرات آب سے کہاں تک سیر ہوسکتا ہے جب اسکے لئے ایک ایسے چشمۂ جاریہ کی ضرورت ہے جس میں عمق کے ساتھ وسعت بھی ہو ہندوستان میں سب کچھ ہے یہی نہیں ہے، جس سے کچھ نہیں ہوسکتا، وہ تیھر کی ایک سل لے کر، دنیا کی معلومات میں اضافہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے،

بہرحال ہم کو "ہمدرد" سے بہت کچھ توقعات ہیں، اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی امتیازی خصوصیت یہ رکھے گا، کہ "الہلال" کی طرح ادبی حیثیت سے وہ ایک مصری پرچہ معلوم ہو،

یہاں تک تو صرف شناسانہ اعتراف تھا، اب کچھ شکایتیں بھی سن لیجئے!

(۱) وہ صفحے کسی طرح کافی نہیں، مقررہ قالب اسے جلد اختیار کرنا چاہیئے،

(۲) کاغذ بالکل گھاس کا معلوم ہوتا ہے، جہاں سے موڑیئے نکل جائیگا، اسے کم سے کم "الہلال" کا سا ہونا تھا، سفید تر، چکنا اور نہایت مضبوط، سرو قد تقطیع کا مزید سے بھی کچھ نکلی ہوئی ہے، حالانکہ ضرورت نہیں تھی،

(۳) یائے معروف و مجہول میں لازمًا فرق ہونا چاہیئے، ٹائپ میں یہ خلط مبحث

گراں گذرتا ہے،

(۴) ایک پرچہ میں یوں چھپا تھا "جس کی ساخت قوت والے امرا کے اجتماع سے بنی تھی"، "ساخت" کے ساتھ "ہوئی تھی" ہونا چاہئے تھا، کمپوز کرنے والو کی غلطی ہے لیکن اس سے زبان کے اعتبار میں فرق آتا ہے،

(۵) "بے ذریعہ کی تار برقی خبریں" یہ ترکیب کچھ پسند نہ آئی، مصر والے "لاسلکی" لکھتے ہیں، آپ اسے غیر مانوس سمجھتے ہیں تو "بے تار کی برقی خبریں" لکھئے،

میں "گورہ اردو" سے گھبراتا ہوں، ایڈیٹر کو بھی اس کا خیال ہے، اور یہی وجہ ہے کہ باوصف اس کے کہ میں نے "ہمدرد" کے شائع شدہ مختصر اجزا نہایت غور سے دیکھے تاہم اس سرسری گرفت کے سوا جس کی تصریح کر دی گئی ہے، کوئی اہم بات نہ ملی جس کی طرف لائق اڈیٹر کی توجہ مائل کی جاتی، آجکل انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کا استعمال سنجیدہ لٹریچر کے لئے ساقط المعیار ہو رہا ہے، ہم کو مصر سے ذخیرۂ الفاظ مل جائے گا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر کوئی دقیق اور اجنبی اصطلاح ہاتھ آئے تو انگریزی مفہوم قوسین میں ضمناً جگہ پا سکتا ہے، اور یہی ایک امر "ہمدرد" کی انتہائی روایات کے قائم رکھنے کے لئے کافی ہوگا،

(نقاد ۱۹۱۳ء)

نقّاد

پر

غیر ستایشی جنبشِ لب

اُردو مین لائق قدر رسالے اس قدر کم ہین کہ کوئی مفید اضافہ در اصل لٹریچر کی خدمت ہے، جس کا اعتراف نہ کرنا خود انشا پردازی کی حق تلفی ہے، حضرت دلگیر نے نقاد سے آگرہ کی لٹریری تاریخ مین ایک ضروری صفحہ بڑھایا ہے جسکی واقعی کمی تھی، کسی زمانہ مین یہان سے "تیرہوین صدی" "زمانہ" اور "فسانۂ ایام" اچھے اچھے پرچے نکلے، آج ان مین سے ایک بھی نہین، صرف یادِ ایام رہگئی،

کائنات مین کوئی چیز تلف نہین ہوتی، صرف ہیئت بدلتی رہتی ہے، ہم نقاد کو بھی گذشتہ رسائل کا خلفِ ارتقائی سمجھتے ہین، یہ بھی اسی مٹی سے اپنا خمیر لیکر اٹھا ہے، جہان اس کے بڑون کی ہڈیان دبی پڑی ہین، اس لئے ضرور ہے کہ رگون مین رگون کے دوڑتے ہوے خون مین جوہر شرافت بھی موجود ہون، چودراشتہ دلگیر کے لٹریری بچے کا حق ہے، جسکی نسبت مین صرف حوصلہ افزا خیالات رکھتا ہو

دلگیر صوفی صافی ہین اور وسیع دائرۂ احباب رکھتے ہین، اس لئے خیال تھا کہ ان کے
ادبی مقاصد سے ہمدردی رکھنے والون کی تعداد خاصی ہوگی، اور مین خوش ہون کہ
یہ خیال غیر صحیح نہین نکلا لیکن الناظر مین احسن صاحب مارہروی کے خیالات دیکھکر
مجھے نقاد کی کامیابی کی طرف سے ایک طرح کا اطمینان ہوگیا ہے، کل کے بچہ
کی بساط ہی کیا ؟ لیکن حاسدانہ نگاہین پڑنے لگین، اور وہ بھی اس اہتمام کیسا تھ
کہ کوئی برائی نہین جو "نقاد" کے سر نہ لگائی گئی ہو !

میرا خیال ہے دوم درجہ کی خلقت عموماً قابلِ نفرت ہوتی ہے اور زیادہ تر
اس کا جہلِ مرکب جس مین تنگ نظری اور تنقیصِ بیجا کے سوا منصفانہ تنقید
یعنی شایستگی کا کوئی عنصر نہین ہوتا، حضرت مارہروی نے "فلسفۂ حسن و عشق" کا
بھی خاکہ اڑایا ہے اور اسی پر سارا زور ہے، ان کا علوم مشرقی و مغربی دونون
سے "امیِ محض" ہونا ان کی کافی سفارش تھی کہ مین ان کے مقابلہ مین تضیع اوقات
پسند نہ کرتا، لیکن چونکہ لٹریچر کی حق تلفی کی گئی ہے اس لئے ان کے کانون تک
مجھے وستِ شوق نہ سہی اپنی آواز تو پہنچانی ہی پڑے گی،

فلسفۂ حسن کے خیالات کا زیادہ تر حصہ، حضرت کو یہ سنکر مایوسی ہوگی کہ
ذینوفن کے "مقالاتِ غیر فانی" سے ماخوذ ہے، جو سقراط کا شاگرد رشید تھا، یونانیون
مین مذاقِ حسن اس قدر چھایا ہوا تھا کہ وہ عورت اور حسن کو مترادف سمجھتے تھے، ان کے
جذبات کی نفاست کے اندازے سے آج ہم بھی قاصر ہین، عورت اور اس کے

لطیف متعلقات کی نسبت ان کی نازک خیالیاں اتنی اچھوتی اور دنیا سے نرالی تھیں کہ ہم اپنی زبان مین ادائے خیال کے لیئے الفاظ نہین پاتے، یہی جذبات و خیالات بتدریج ترقی کرکے ان کی زندگی کے تمام صیغون مین سرایت کرگئے جن سے رفتہ رفتہ ان فنونِ نفیسہ کی بنیاد پڑی جو آج مہذب سے مہذب ملک کے لیئے سرمایۂ فخر ہین، نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی نے اپنے فصیح اڈریس مین جو علی گڈہ ایجوکیشنل کانفرنس مین دیا گیا تھا، نہایت صحیح فرمایا تھا کہ مسلمانون نے اہلِ یونان کے مذاقِ حسن پرستی اور جذباتِ نفیسہ سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا، اور جو کچھ اخذ کرسکے وہ یونانیون کے خوانِ نعمت کی گویا چھوڑی ہوئی ہڈیان تھین،

یورپ نے جو جذباتی حیثیت سے یونانیون کا شاگرد رشید ہے "حسن پرستی" کو اتنی ترقی دی کہ اب اس کے استاد اس کی گرد کو بھی نہین پہنچتے، مثلاً "زہرہ" کو لیجیئے جو حسن کی دیوی ہے جس کی پرستش کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بڑے بڑے فلسفی اس کے حلقۂ اثر سے بے نیاز نہین ہین "زہرہ" نہایت خوبصورت ہے لیکن سر سے پانون تک ننگی! اودی اودی رگون کے پیچ و خم جانے کہان سے کہان تک پہنچے ہوئے، کھلے ہوئے لمبے بالون سے خوش آب موتیون کے سے قطراتِ آب ٹپکتے ہوئے گویا نہا دھو کر سمندر کے کف سے پری نکلی ہے! پیکرِ خیالی جب اس انداز سے مجسّم ہو کر لباسِ عریانی مین جلوہ گر ہو، تو تخیل کے لیئے کیا باقی رہا؟ اسی طرح مختلف جذبات کی تصویرین ہین لیکن

سب کی سب عریان! اٹلی مین مرمری مجسمے دیکھئے، پیرس سیلن کی سیر کیجئے، حسن و جذبات کی پریان، آپ کو بالکل جداگانہ عالم مین نظر آئین گی! بڑے بڑے فلاسفر، شاعر، حکماے ادب اپنا اپنا سرمایۂ خیال ان سے اخذ کرتے ہین، جن سے لٹریچر مین طرح طرح کی نزاکتین پیدا ہوتی ہین،

لیکن ہندوستان اپنی مفروضہ دماغی ترقیات کے ساتھ بھی ان باریکیون کو سمجھ نہین سکتا، یہان چار دن ہوئے، قابلیت کا معیار یہ تھا کہ چند کتابین پرانے سلسلۂ درس کی پڑھین اور تیلی کے بیل کی طرح جہان تھے وہین رہے، بہت ہوا تو دو چار دیوان دیکھ ڈالے، پہلے کوئی مصرع بے غایت خود رو طریق پر موزون کیا، پھر تک سے تک ملانے کے لئے ایک مصرع ابتدائی کی پیوند کی سوجھی، چلئے شعر ہو گیا! کچھ دنون کے بعد اس ہیر پھیر مین اچھے خاصے شاعر ہو گئے، کچھ اور ترقی کی تو کسی اگلے پچھلے شاعر کے خواہ مخواہ جانشین بن بیٹھے! جس کا یہ مبلغ ہو وہ "فلسفۂ حسن" پر جس حد تک "نقادی" کی صلاحیت رکھتا ہے اسے مین اہل نظر کے ذوق سلیم پر چھوڑتا ہون،

حضرت مارہروی کو یہ بھی خلش ہے کہ ڈوپٹہ، انچل، محرم اور چوڑیان، صاحب فلسفہ کے اختراعات ہین، یونانیون مین یہ چیزین کہان؟ ان کی سمجھ پر کسی کو رونا آئے تو میری خطا نہین! لیکن مین اپنے امّی دوست کو بتانا چاہتا ہون کہ مہوشان یونان ایک طرح کا "سینہ بند" استعمال کرتی تھین جو "غیر تقسیمی" ہوتا تھا تاہم وہ دوستانے کی طرح جسم مین چبھ جاتا تھا، بندش کے بھی مدارج تھے، کبھی چست اور کبھی چست تر، اسی طرح

لمبے اسکارف سر پر ڈالے جاتے تھے، جنھیں آپ ڈوپٹہ کہیے جس کے دونوں سرے سامنے پڑے ہوتے تھے، الیسی باڈ نیر کا قصہ پڑھیے جو یونان میں سب سے زیادہ سجیلا جوان تھا، نازنینان ایتھنس اس پر جان دیتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ نذر "شباب" ہو کر رہیں، کیونکہ ان کے خیال میں الیسی باڈ نیر کے حسن کا یہ ادنیٰ ٹیکس تھا! وہ جس حلقہ میں ہوتا تھا، اسکارف کو ہوا میں جنبش دیجاتی تھی، غایت یہ تھی کہ

"حبابے خاستہ از بحرِ کافور"

پر اُسے نظر جانے کا موقع ملے، اسی طرح کھلے ہوئے بال اور

سیہ چوڑی بدستِ آن نگارے

بہ شاخِ صندلی پیچیدہ مارے

کا بھی رواج تھا، صاحب فلسفہ کی یہ جدتِ اختراعیہ تھی کہ وہ مضمون کو اپنی زبان کی خصوصیات کے ساتھ ادا کر سکے، مجھ کو اصرار ہے کہ عورت کے ذکر کے ساتھ اس کے لطیف متعلقات کی تصریح ناگزیر ہے، محرم[1] کی جگہ "قبا" کفر ہی نہیں زبان کا خون

---

[1] دنیا کی متمدن اقوام کی عورتوں میں ہمیشہ بالائی حصۂ جسم کے لیے پوشش خاص کا رواج رہا ہے آج بھی ہندوستان و فرنگ میں طرح طرح کے لباس ہیں جو جسم سے متصل پہنے جاتے ہیں، یہ آرائش جوانی کے سواحت نسوانی کے لیے بھی ضروری ہیں، اختلاف خوش وضعی کے ساتھ ان کے مختلف نام ہیں اور ان ناموں کی تصریح سوسائٹی کے طبقات اعلیٰ میں بھی غیر سنجیدہ نہیں سمجھی جاتی،

دراصل "محرم" بھی اتنا شائستہ اور مہذب لفظ ہے کہ دنیا کی کوئی زبان اس سے زیادہ بہتر اور سنجیدہ تر لفظ پیش نہیں کر سکتی، ہاں ایک جاہل نے اس کا ترجمہ کر کے صرف اپنی نفرت انگیز "سوقیت" کا اظہار کیا تھا،

کرنا ہے، مجھ کو معلوم ہے ایشیائی شاعری اپنے جذبات مین "مخنث" ہوتی ہے، لیکن جس زبان کی شاعری "بند قبا" کو جائز رکھتی ہو جس کے لائق فخر شعراء کسی "معشوقہ" پر نہین "معشوق سبزہ آغاز" (یعنی داڑھی مونچھ والے) پر فرضی اور غیر طبعی اظہار عشق کے عادی ہون، جہان عورت کے لئے اس کی خصوصیات کے اظہار کے ساتھ بھی فعل مذکر کے استعمال کا رواج ہو، اس زبان کے چھوہڑپن کا کیا ٹھکانا ہے؟ اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس "تجربیت" کا نام "سنجیدگی" ہے!

لیکن اس معیار لطافت سے علحدہ ہو کر اگر مغربی رنگ مین داد سخن دی جائے تو بے سمجھے بوجھے کوسے کی کائین کائین صرف ثقل مذاق کا ثبوت ہے، ہمارے دوست اگر مغربی لٹریچر اور فلسفہ سے بیگانہ ہین، اگر وہ نہین جانتے کہ فلسفہ حسن کا ماخذ اصلی کیا ہے؟ اگر ان کے دماغ مین یہ مناسبت نہین ہے کہ وہ ان نازک مسائل کو جذب کرسکے اگر وہ لطائف ادبی اور غیر سنجیدہ خیالات کی حدود مین تمیز نہین کرسکتے، مختصر یہ کہ اگر وہ نہین جانتے کہ مغربی نزاکت خیال کیا چیز ہے؟ تو ہم ان کو ایک کافی حد تک معذور سمجھنے کے لئے تیار تھے، لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے چھچھورے اور ذلیل اظہار خیال اور بے باکانہ اظہار رائے سے جس کو خیر سے آپ تنقید سمجھتے ہین، صرف اپنا جہل مرکب ثابت کرسکے، عورت سے متعلق نازک خیالی اگر "فحش بیانی" ہے تو فلسفہ کی یہ ڈانٹ سن رکھئے کہ خود عورت فحش ہے، اور اس سے زیادہ وہ ترکیب فحش ہے جو انسان کے عالم وجود مین آنے کا سبب ہوئی، جسے اخلاقاً مین صرف "سنجیدگی" کہون گا!

سچ یہ ہے کہ جن صاحبون کی ابتدائی تربیت "چوک کے کوٹھون" پر ہوئی ہو وہ ان نکتون کو کیا سمجھ سکتے ہین جو فلسفۂ حسن کا مایۂ خمیر ہین، جس کی غایت "بہارِ عشق" کی طرح نثر مین (بہائم صفت لوگون کو شدید خواہشات کی اطفا سے حرارت کے لیے برانگیختہ کرنا نہین ہے) بلکہ شریف تر انسانون کے سامنے "جنسِ لطیف" کو مرقعِ جذبات بنا کر پیش کرنا ہے، جس مین اس لائق رشک "مادیت" کے ساتھ ہر طرح کی اخلاقی اور جذباتی صفات آنکھون کے سامنے آجائین، آپ فرطِ سنجیدگی سے اُسے "گھونگھٹ کی پردہ دری" کہتے ہین، لیکن غریب کو معلوم نہین کہ "عالمِ فطرت کی سب سے خوبصورت حکمران" یعنی عورت کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے، عورت مادی کیفیات کے ساتھ بھی ایک ایسا مظہرِ پاکیزہ ہے، جس پر خود فطرت سی لطیف چیز کو ہمیشہ ناز رہے گا! صرف فضاے عالم مین نکل کر دیکھئے، حجرون کی تاریکی مین اگر آپ "شیرانہ" کچھ دیکھ بھی سکے تو آپ کی قاصر النظری، رازہاے سربستۂ فطرت کو پھر بھی آپکے لیے سربمہر رکھے گی!

جناب مارہروی کی اس فریب کاری کو دیکھیے کہ جہان عورت کی مادیت پر آپ جامہ سے باہر ہو گئے اس کی اخلاقی اور جذباتی کیفیات سے جو فلسفہ کی جان ہین دانستہ آنکھین بھوڑ لی ہین، آپنے اپنی پاک طینتی کا ثبوت اقتباسات پیش کردہ مین بھی دیا ہے جو میرے خیال مین ایک طرح کی تحریف ہے، کیونکہ یہ اجزا مختلف موقعون سے لئے گئے ہین، اور ایک سانس مین نمایان کرکے پیش کیے گئے ہین، اور گو فلسفہ مین

ایک حرف سنجیدہ نہین، تاہم آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ بعض حصے تہذیب شکن ہین! مین صرف ایک آدھ مثال پر قناعت کرون گا، مثلاً سینہ کی تعریف مین۔

"فطرت کی شوخی دیکھئے گا! فتنہ قیامت زا کے لئے گنجایش نکالی بھی تو کہان؟" یہ نازک خیالی آپ کی سمجھ مین نہین آئے گی، "شکسپیر" زندہ ہوتا تو بتا سکتا کہ اس کے خیال کا قالب کس خوبصورتی سے بدلا گیا ہے، اسی طرح "مقیاس الشباب" کی ترکیب پر یادر کھئے اردو لٹریچر کو ہمیشہ ناز رہیگا، صاحب فلسفہ نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

"آہ عورت! تو فسانہ زندگی ہے! جس طرح اپنی صاف شفاف ہستی سے ایک جھونپڑے کو شیش محل بنا سکتی ہے، بڑے سے بڑے ایوان عیش کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہین جب تک تیری موجودگی کے آثار اس مین نہ پائے جائین، اس کے لئے چھڑون کی جھنکار ضروری نہین، محض تیرا پس پردہ ہونا کہین ہو کسی کے لئے ہو کافی ہے" غور سے پڑھئے، یہ جذباتی اور اخلاقی لٹریچر کی بہتر سے بہتر مثال ہے جو اردو لٹریچر کی طرف سے پیش کی جا سکتی ہے، لیکن ہمارے دوست اسے "فحش" فرماتے ہین، غالباً "چھڑون کی جھنکار" پر کان کھڑے کئے ہون گے، "جہل مرکب" اتنا تو ہو!۔

جناب مارہروی نے "فلسفہ حسن" کے لئے ایک نیا نام پیش کیا ہے، جو ان کے ناقابل التفات خیالات و مقالات کی گندگی کا ایک جامع ثبوت ہے، جس سے ان کے اصلی خصائل اور مذاق طبع کی پوری غمازی ہوتی ہے، جس کے بعد اب مجھے

دردسری کی ضرورت نہین لیکن وہ چوکے جس آلہ سے وہ فلسفہ پر وار کرنا چاہتے ہین ان کو یاد نہین رہا، وہ ان کا "عنوانِ زندگی"۔ اور اس حیثیت سے ان کے لئے لائقِ ادب ہے کہ وہ ان کا "مصنفِ ہستی" ہے شرم شرم! اسی سلسلہ مین مختصراً ایڈیٹر صاحب "الناظر" کی روانیِ قلم کی بھی داد دینا چاہتا ہون، آپ کا "تنقیدی نوٹ" تمامتر جناب مارہروی کے "جہلِ مرکب" کا کورانہ تتبع ہے، یا یون سمجھئے کہ حضرت مارہروی کے دل کی سیاہی جو ان کے قلم سے ٹپکی تھی، حضرت نے اسی کو لے کر پھیلایا ہے، جس سے کئی صفحے رنگ گئے، آپ کا غیر ضروری اظہارِ خیال بے معنی فصاحت کا ایک دھوکا ہے، یعنی کثرتِ الفاظ کے مقابلہ مین مفہوم کچھ نہین، جس کی غایت صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ "الناظر" کے ہوتے دنیا مین کسی پرچے کی ضرورت نہین! بہت پھیر پھار اور حشو و زوائد کا ماحصل صرف اتنا ہی ہے جو مین نے عرض کیا، اسی مین "خادم الملک" (یہ اپنے منھ میان مٹھو ظفر الملک کا قافیہ ہے) حضرت دلگیر کا "نقاد" بھی آگیا جس کا وجود اس کے دشمنون کی چھاتی کا پتھر ہو رہا ہے، اس کے بعد آپ "فلسفۂ حسن" کی طرف متوجہ ہوئے ہین اور انشا پردازی کا دریا بہا یا گیا ہی لیکن مجتہدانہ ایک حرف نہین، اندھے کی لاٹھی! جناب مارہروی کے ساتھ کبھی غار مین کبھی دلدل مین!

بڑی نرمی سے فرماتے ہین "جنسِ لطیف کے عضو عضو کی تشریح اور اس پر سرجری کا عمل کیا گیا ہے۔" فقرہ تو اچھا ہے لیکن دیکھئے پھر وہی بے معنی فصاحت کا

دھوکا! "فلسفۂ حسن" مین اگر غلطی نہین کرتا تو صرف "بہترین عطیۂ فطرت" یعنی عورت
کے سینہ کے متعلق مغربی خیالات کا چربہ اتارا گیا تھا، اور ادائے خیال کے مختلف
پہلو دکھائے گئے تھے، جس کی نزاکت کو آپ سمجھ بھی نہین سکے، تاہم لائق شرم
غلط بیانی سے آپ نہین چوکے اور جناب مارہروی کے ساتھ مجبوراً مجھے آپ کی
بھی خبر لینی پڑی، لیکن مین آپ کو یقین دلانا چاہتا ہون کہ مفروضہ نقائص کیساتھ
بھی "نقاد" کا معیار اخلاق "الناظر" سے گھٹا ہوا نہین ہے، حضرت کو یاد ہوگا! الناظر
مین کبھی ایک مضمون نکلا تھا جس مین عورت کی نسبت یہ دکھایا گیا تھا کہ وہ
عصمت فروش اور بے وفا ہی نہین بلکہ بدترین مخلوقات ارضی ہے، جس وسعت
کے ساتھ اس شرمناک موضوع پر قلم فرسائی کیگئی تھی وہ آپ کی اور جناب مارہروی
کی متفقہ ہزلیات سے بھی کچھ بڑھی ہوئی تھی، لکھنؤ مین بیٹھ کر "ڈولی مین سارا
شہر" صرف الناظر کا حصہ تھا، برخلاف اس کے نقاد آگرہ "جنس لطیف" کو اپنے
مختص النوع خصائص کے ساتھ اس طرح پیش کرسکا کہ وہ اس عالم کی چیز نہین
معلوم ہوتی، اس نے جذبات کے جتنے پہلو دکھائے ہین وہ بجائے خود
فلسفۂ ادب کی جان ہین جس کا ایک حرف بھی میرے خیال مین چھوڑنے کے
لائق نہین تھا،

آخر مین مجھے حضرت دلگیر سے یہ کہنا ہے کہ جہان ادبیات کا سرے سے
مذاق نہ ہو وہان اتنے نازک خیالات کا پیش کرنا صاحب فلسفہ سے زیادہ دلگیر

کی غلطی تھی، غلطی پر غلطی یہ ہوئی کہ یہ مضمون آب وتاب کے ساتھ ایڈیٹر کی طرف سے پیش کیا گیا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کم بین طبائع ضبط نہ کر سکیں اور مجھ کو بھی ان کا توڑ کرنے کے لئے لٹریچر کی طرف سے قلم ہاتھ میں لینا پڑا جس کا مجھے افسوس ہے" . . . .

میری راے ہے کہ "دویم درجہ" کے اظہارِ خیال کی بہترین داد یہ ہے کہ وہ ایک دم سے نظر انداز کیا جائے، لیکن اس قسم کا استغنار شاید یوروپ میں جائز ہو جہاں وسیع النظر اور خوش ظرف اہلِ قلم تنقیداتِ عالیہ (یعنی ہائیر کریٹی سزم) کا صحیح مذاق رکھتے ہیں لیکن تنگ خیال اور بے درد مارہروی اور ان کے یارانِ طریقت کے نتائجِ فکر جو ننگِ انشا پردازی ہیں، بھٹیاریوں کی "تو تو میں میں" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، اور گو میں ان کی تمام مزخرفات کا استقصا نہ کر سکا تاہم سلسلۂ تحریر میں جس قدر حصہ ان کے خیالات کا جلوہ گر کیا گیا ہے وہ بتائے گا کہ ان پر ایک کافی حد تک توجہ کی ضرورت تھی،

(نقاد ۱۹۱۳ء)

اُردو لٹریچر
کے
عناصرِ خمسہ

آیندہ زمانہ مین اُردو لٹریچر کی اگر تاریخ لکھی گئی تو انیسوین صدی کا پچھلا دور اس عہد کا "نشاۃ الثانیہ" (یعنی دورِ جدید) ہوگا، جس مین ایک بازاری زبان جس کا سرمایۂ ناز ایک بے غایت شاعری کا مجموعۂ خود رو تھا منازلِ ارتقائی طے کرتی ہوئی اس سطحِ امتیازیہ کے قریب قریب پہنچگئی جہان دنیا کی اعلیٰ تر زبانین اپنا سکہ جما رہی ہین،

کل کی بات ہی جب تک سے تک ملا لینا کمالِ فن سمجھا جاتا تھا، گرمیِ محفل کیلئے چند مصرعون کی پیوندکاریان لٹریچر کے فرائض سے ہم کو سبکدوش کر دیتی تھین لیکن اقتضاے وقت کیساتھ تغیرِ مذاق دیکھئے کہ آج ہم کو اُن کے ذکر سے بھی شرم آتی ہے،

یہ کیون؟ صرف اس لئے کہ ہم دیکھتے ہین، کائنات مین کوئی چیز نہین جو تغیر پذیر نہ ہو، ہمارے جذبات بدلے، خیالات بدلے، تغیرِ حالت کے ساتھ وہ آثارِ خارجی بھی جن مین ہم گھرے ہوے تھے، کچھ سے کچھ ہوگئے، غرض زمین بدلی، آسمان بدلا اور ہم بھی وہ نہین رہے جو پہلے تھے، اور ابھی معلوم نہین مؤثراتِ خارجی اور واقعات کی

قدرتی روہم کو کہان سے کہان لیجائے گی؛

اس کشمکش اور سلسلۂ انقلابات مین اتنا ہوش کہان کہ طبقاتِ ارتقائی کی درمیانی کڑیان آپ کو گنائی جائین، صرف یہ سمجھ لیجئے کہ بوسیدہ اور فانی اجزا کی جگہ قوی تر عناصر نے لی اور اقلیم سخن کی تشریف تر ہستیان عالمِ وجود مین آئین جن سے اردو سا کم سواد لٹریچر ایک دم سے آشنائے فلسفۂ ادب ہوگیا،

میری غرض لائق عزت سرسید[۱]، پروفیسر آزاد[۲]، نذیر احمد[۳]، حالی[۴] و شبلی[۵] سے ہے، جن کے قلم کے سایہ مین اردو یعنی کل کی چھوکری اتنی رودار ہوگئی کہ السنۂ یورپ یعنی مغربی بہنون سے بے تکلف آنکھین ملا سکتی ہے، ان مین سے ہر شخص مختص النوع خصائص ادبی کے ساتھ اپنے اپنے دائرہ کا آپ مالک ہے، اور جس طرح ادبِ القدما (یعنی کلاسیکس) آج واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے، ایک وقت آئے گا جب ان کے ادبیات کا بیشتر حصہ لائقِ پرستش اور غیر فانی سمجھا جائے گا،

یہ موضوع نہایت اہم ہے اور چونکہ بہت پھیلایا جا سکتا ہے اس لئے سرسری طور پر ٹالنا منظور نہین، بلکہ میری خواہش ہے کہ آجکل کے اچھے لکھنے والے اس پر قلم آزمائی کرین، میری غرض لائف نگاری سے نہین ہے بلکہ صرف تنقید ادبی (یعنی لٹریری ریویو) چاہتا ہون، جس مین بلحاظ فن فرداً فرداً ہر مصنف کے نتائج فکر کی خصوصیات اس طرح دکھائی جائین کہ ایک حد تک تنقیداتِ عالیہ (یعنی ہائر کریٹی سزم) کا حق ادا ہو جائے؛

سرسید نے ادب اور معقولات پر جس حد تک مجتہدانہ رنگ چڑھایا دراصل اُنکی اولیات میں داخل ہونے کے لائق ہے، یہ اُن ہی کے قلم کی آواز بازگشت ہے جو ملک میں بڑے سے بڑے مصنف کے لئے دلیل راہ بنی، آج جو خیالات بڑی آب و تاب اور عالمانہ سنجیدگی کے ساتھ مختلف لباس میں جلوہ گر کئے جاتے ہیں، دراصل اسی زبردست اور مستقل شخصیت کے عوارض ہیں، ورنہ پہلے یہ جنس گران با وصف استطاعت اچھے اچھوں کے دسترس سے باہر تھی، سرسید کے کمالات ادبی کا عدم اعتراف صرف ناشکری نہیں بلکہ تاریخی غلطی ہے، اور میں خوش ہوں کہ شریف النفس حالی نے آجکل کی بہتر سے بہتر "سوانحمری" لکھکر منحرف طبائع کو بوساطت سخت سے سخت شکست دی جو خیال میں آسکتی ہے، لیکن نئی نسل پچھلا سبق کسی قدر بھول چلی ہے، حالانکہ سرسید کے حقوق زیادہ تر اسی کی گردن پر ہیں، بلکہ مجھے کہنا چاہئے کہ لٹریچر کے حقوق کا اقتضا یہ ہے کہ سرسید کے علمی کارنامے پر نگاہ عکس ریز ڈالی جائے، اور اس کے لئے سید سجاد حیدر (یلدرم) مجھے زیادہ تر موزون معلوم ہوتے ہیں،

علامہ نذیر احمد کو میں "شمس العلماء رہروی" تو یہ باسید افتخار عالم کے سر لگانا چاہتا ہوں، جنھوں نے حال میں مولانا کی نہایت مفصل سوانحمری شائع کی ہے، باستحقاق ان سے بہتر کوئی شخص خیال میں نہیں آتا، یہ لکھیں گے اور ہمدردانہ اور سخن گسترانہ لکھیں گے اسی کی ضرورت ہے، نذیر احمد گو ایک حد تک "عقلیات" سے رسیاں تڑاتے رہے لیکن ادب اور منقولات" سے متعلق جو دفتر انھوں نے چھوڑا ہے، وہ اس قدر اہم ہے

کہ کچھ سرسری ریمارک کرنا چاہتا ہون مگر سمجھ مین نہین آتا کہان سے شروع کرون، ان کی اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ بے مثل قدرتِ بیان، وسیع ذخیرۂ الفاظ اور وہ تصرفات جو جدتِ خیال اور ظریفانہ نکتہ سنجیون کے لحاظ سے صرف اس شخص کا حصہ ہین، لٹریچر کی جان ہین، اس پر اضافہ کیجئے اُردو سی کم مایہ زبان کا ایسے شریفانہ قالب مین ڈھلنا جس پر کلاسیکس کا دھوکا ہو،

بعض صاحبون کو غالب کی طرح ان کی مشکل پسندی کا رونا ہے، اور وہ پیوکاریان جو ان کی شستہ رفتہ اور برجستہ اردو مین ہوتی ہین جس مین انگریزی زیادہ بے جوڑ ہوتی ہے عام خیال ہے کہ ثقل سے خالی نہین لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ سب ان کی جدتِ اختراع اور قوتِ آخذہ کا زور ہے، آمد کی رَو مین اضطراری طور پر اپنے پرائے کی تفریق نہین ہوسکتی، اور یہی وجہ ہے کہ بعض حصے بلحاظ ترکیب و تحلیل اجزاے السنہ غیر گنگا جمنی ہوتے ہین، تاہم متانت اور حسنِ کلام سے کبھی علیحدہ نہین ہوتے جو ان کے لٹریچر کا خاصہ طبعی ہے، نہ ان کے اچھوتے اور مستقل طرزِ ادا (اسٹائل) پر جو شاہراہ عام سے الگ تھلگ اور آپ اپنی نظیر ہے کوئی اثر پڑتا ہے، جو باتین اورون کے ہان بیگانی ہین ان کی بےساختگی اور برجستگی خیال کے ساتھ سلسلۂ بیان مین اس طرح جذب ہوجاتی ہین کہ مغائرت یا اجنبیت کا احساس تک نہین ہوتا، پھر بھی جہانتک اس حیثیت سے اعتراض کی گنجایش ہے، ادب چاہتا ہے، سبک نکتہ چینیون سے انکا کمال ہمیشہ بے نیاز رہے گا،

ہین آج تک یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ باوصف کمالاتِ علمی جو ایک حد تک اِن کے
ہمعصرون کو بھی مرعوب کرنے والے تھے، ان کی فطری قابلیت اور اعلیٰ مذاقِ سخن
کی آزمایش کا بہتر سے بہتر پیرایہ کیا ہو سکتا تھا،

جس طرح ناولون اور تراجم مین بہ رعایتِ فن یہ اپنی قادر الکلامی کا بڑے سے بڑا
ثبوت دے سکے، لٹریچر کے وہ اجزا، جن کا موضوع زیادہ اہم اور سنجیدہ ہے، مثلاً
فلسفہ، تاریخ وغیرہ، جس مین وسعتِ نظر کے ساتھ تحقیق و تنقید، قوتِ استقرا، تفریعِ
مسائل اور فلسفیانہ استخراجِ نتائج کے ساتھ غیر منقطع انضباطِ خیال کی ضرورت ہے،
یہ قصداً اس طرف نہین آتے، یہی حدِ فاصل ہے جو شبلی کے قلمرو سے ان کے دائرہ
کمالات کو جدا کرتی ہے، اور یہی وہ آزادی ہے جس کے آثار ان کے لکچرون مین آپ
دیکھین گے اور جس کی بنا پر یہ اکثر کہا گیا ہے کہ وہ موضوعِ سخن کے حدود کو قائم نہین
رکھ سکتے لیکن سچ یہ ہے کہ ان کا مرتبہ انشا پردازی چاہتا ہے کہ ہم مان لین کہ یہ صرف
زورِ بیان کا قصور ہے، جو اظہارِ فصاحت مین کسی چیز کا محکوم نہین ہوتا،

زمانہ کتنی ہی ترقی کرے، اس علم کے پتلے کو پھر پیدا نہین کر سکتا، جس کا کوئی رونگٹا
بیکار نہین، جہان تک لایق ادب "مشرقیت" کا تعلق ہے، قوم کی یہ آخری بہار
تھی جس کے اجزا کچھ اٹھ گئے، کچھ باقی ہین، قدیم علوم کے نام لیوا ایک آدھ سے
زیادہ نہین ہین، جس عربی، مرحوم عربی کو ہم بیسوین صدی مین ڈھونڈتے ہین، علامہ
نذیر احمد کے ساتھ دفن ہو گئی، مگر ان کا حصۂ غیر فانی یعنی ان کی تصنیفات مرنے والی

چیز نہین، وہ اپنی بقاے دائمی کی آپ ضامن ہین اور یہی انسان کا بڑے سے بڑا تخیل (آئڈیل) ہے جس سے دنیا مین کوئی بے نیاز نہین،

نذیر احمد کے استادانہ اور باوقار لٹریچر کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی اب ہو نہین سکتی لیکن اخلاف کے لئے جس قدر ذخیرۂ علمی انھون نے چھوڑا ہے وہ موجودہ اور آیندہ نسلون کو ہمیشہ ان کی یاد دلاتا رہیگا ہم ان کی قیمتی تصنیفات کو سینہ سے لگائین گے، آنکھون مین جگہ دینگے، دائمی جدائی کے بعد، اداے سپاس کا حق کچھ تو ادا ہو رہے،

سرسید کے بعد اگر ان کے رنگ مین کوئی قلم ہاتھ مین لے سکتا ہے تو بوڑھے حالی ہین، یہ ایک ہی وقت مین جہان فطری شاعر ہین، اعلیٰ درجہ کے ناثر بھی ہین، لائف نگاری کے ساتھ نکتہ سنجی اور سخن آفرینی کا ایک خاص سلیقہ ہے، جس نزاکت کے ساتھ اداے خیال کے مختلف پہلوون سے دیکھتے دیکھتے یہ اپنا مطلب نکال لیتے ہین، کثرتِ مواد کے ساتھ بھی دوسرے اس قسم کے لطیف تصرفات نہین کر سکتے، طبیعت مین ایک چپا تلا خاص طرح کا مادہ ہے جو حشو و زوائد سے غرض نہین رکھتا اور ساتھ ہی کسی موضوعِ بحث مین ان نکاتِ متعلقہ کی طرف نہایت خوبصورتی سے فوری انتقالِ ذہن کا باعث ہوتا ہے جو دراصل اس بحث کی جان ہوتے ہین، لٹریچر کا بہت بڑا وصف یہ ہے کہ سخت سے سخت مسائل باتون باتون مین طے کر دیئے جائین، یہ سلاست و نفاست قدرتِ کلام کی آخری حد ہے جو سرسید کے بعد

حالی کے حصہ مین آئی،

ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے خیالات و مقالات مین جھول جھال یعنی کسی
طرح کا "تذبذب فی الرائے" نہین ہے، خالص یک رنگی ہے، جسے اصطلاح مین فلسفیانہ
کہئے، معیار خیال اس قدر بلند پایہ اور سلجھا ہوا ہے کہ کہین سے یہ بیگانے نہین ہوتے
مجھے ہنسی آتی ہے جب سنتا ہون کہ حالی کی جدید شاعری بلحاظ فن ساقط المعیار
ہے اور اس لائق نہین کہ اس پر توجہ کی جائے، یہ فتویٰ "پرانی لکیر" کے شیدائیون
کا ہے جو خیر سے یہ بھی نہین جانتے کہ شاعری دراصل کیا چیز ہے، اور اس کا موضوع
اصلی کیا ہے؛ بھیڑون کا ایک غول ہے، جو مدت ہوئی آنکھین بند کرکے ایک
راستہ پر پڑ لیا، اور آگے پیچھے آجتک چلا آیا، لیکن ہم کو اس سے کچھ بحث نہین،
ہم اس مجموعۂ ردیات پر نظر ڈالنا چاہتے ہین، جو پرانے خیال والون کا سرمایۂ ناز
ہے، ہم ایک حد تک معصوم حماقتون سے کسی کی ہون، لطف اٹھانے کے لئے
تیار ہین، کیونکہ یہ بھی ایک عیش ہے، صرف اتنا کیجئے کہ برے بھلے حالی کو جدید
گروہ کی لائق فخر پیشوائی کے لئے چھوڑ دیجئے،

میرا خیال ہے حالی کے کلام پر مولوی عبدالحق کھل کر داد سخن دین گے، یہ آجتک
باوصف قابلیت اور فلسفیانہ مذاق کے صرف "مقدمات" پر ٹالتے رہے، انکا
"مصرف" صحیح کچھ اور تھا، ان مین مادۂ اختراعی (اریجنیلیٹی) خاصا ہے، مگر قوت فیصلہ
کی کمی "صحافت" سے آگے بڑھنے نہین دیتی، حالانکہ ان کا سلیقۂ تحریر سفارشی ہے

کہ مستقل تصنیف وتالیف کے سوا یہ کچھ اور نہ کرتے، بہر حال ان کو کم سے کم میری خواہش تو پوری کرنی ہوگی،

یادش بخیر! شبلی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جس سے زیادہ ایک زندہ مصنف پر قلم آزمائی کی گنجایش نہین، چبائے ہوے نوالون کا بار بار منھ مین پھیرنا، خواہ وہ کیتنے ہی خوش ذائقہ ہون، جدت طرازی جائز نہین رکھتی، اور چونکہ کوئی نئی بات نہین کہہ سکون گا اس لئے مختصرًا اس قدر کافی ہے کہ شبلی ملک مین پہلے شخص ہین جنھون نے تاریخ پر فلسفہ کا رنگ چڑھایا، اور حکیمانہ انکشافات ونکتہ آرائیون سے اسے ایک مستقل فن بنا دیا،

علیگڈھ کو انھون نے چھوڑا، اور ندوۃ العلما رنے، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے خود ان کو، لیکن میرا بس ہو تو شبلی کو ہندستان سے باہر کالے کوسون یورپ کے کسی بیت الحکما، "لٹریری اکیڈمی" مین بھیجدون، جہان ان کو اپنی غیر معمولی قابلیت کی داد بڑے بڑے علماے مستشرقین سے ملے گی جو بلحاظ ہم فنی ان کے یاران طریقت ہین، شبلی کا وسیع دائرہ تحقیقات، اہل زبان کی سی فارسی، اس مین بھی شاعری کا ملکہ راسخہ، اور سب سے زیادہ اپنی زبان مین ان کی لایق رشک انشا پردازی وہ صفات ہین جو علانیہ ان کو ہم نفسون سے ممتاز کرتی ہین، شعر العجم کے چوتھے حصہ مین فلسفہ شاعری پر مختلف پہلوؤن سے جس جس طرح تنقید کا حق ادا کیا گیا ہے، "ادب الاساتذہ" کا بہتر سے بہتر مرقع ہے جس پر دنیا کی کوئی زبان فخر کرسکتی ہے،

اردو مین ان کے مطائبات نظم کو جو جدید پیداوار ہین ان کے سلسلۂ کمالات سے
علیٰحدہ کر کے دیکھئے، جن مین لطائفِ ادبی کوٹ کوٹ کر بھرے ہین، یہ رنگ بھی ان ہی
کا حصہ ہے، شوخی کے ساتھ سنجیدگی یہ معلوم ہوتا ہے دور سے زبان کی بلائین لے رہی ہے
لیکن اس جامعیت کے ساتھ بھی سوال یہ ہے کہ قوم نے کہان تک حوصلہ افزائی کی
کل کی بات ہے ایک اتفاقی واقعہ پر "شبلی" پر ملک کے چپہ چپہ سے لے دے شروع
ہوگئی، اور اس قدر غل شور ہوا کہ کان پڑی آواز نہین سنائی دیتی تھی، بڑے بڑے
سنجیدہ حضرات اپنے نامۂ اعمال کی طرح اخبارون کے کالم سیاہ کرتے رہے، جس سے
کچھ دنون کے لئے اخباری افق کی فضاے بسیط ایک دم سے تیرہ و تار ہوگئی، کیا
یہ کوئی علمی واقعہ تھا؟ ہرگز نہین! صرف حاسدین کی کم نظری تھی، دلون کی جمی ہوئی
سیاہی لغزشِ قلم سے ٹپکی اور بری طرح ٹپکی،
لیکن شرافتِ علم دیکھئے! "شرر" کو جو "شبلی" پر کبھی کبھی سخن گسترانہ چوٹین کرتے تھے،
اس ناگوار واقعہ کے بعد جس کا انجام ندوہ سے مولانا کی دست کشی پر ہوا، اپنی آواز بلند
کرنی پڑی، وہ صاف صاف کہہ گذرے کہ ندوہ مین جو کچھ دم تھا، شبلی کی وجہ سے
تھا، اب وہ ایک جسدِ بے رُوح ہے، اسی ضمن مین مولانا کے کمالات کا شناسانہ
اعتراف اور قوم کی ناسپاسی کا رونا تھا،
"نقاد" مین "تاریخ کا معلم اول" کے عنوان سے ایک مضمون شایع ہوا تھا، ایک
قاصر النظر نے اہتمام کے ساتھ "مشرق" مین اس کی تردید کی جسارت کی، لیکن عامیانہ و

حاسدانہ جس میں علامۂ شبلی کو ان اوصاف سے معرّا کر کے دکھایا تھا جو مضمون نگار نے حسنِ عقیدت سے نہیں بلکہ خود "فلسفہ" کے ایما سے غیر فانی شبلی کی طرف منسوب کیے تھے، بہر حال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ شبلی پر اگر کوئی قلم اٹھانا چاہے تو جی لگنے کے سامان میں کمی نہیں، میرے خیال میں سید عبدالماجد اگر فلسفۂ تاریخ سے اتنی ہی دلچسپی کا اظہار کرتے جس اہتمام سے "الکلام" پر منحرفانہ نظر ڈالی گئی تھی، تو کفارۂ معصیت کیساتھ تنقید کا بھی حق ادا ہو جاتا سب سے آخر، مگر دراصل سرِ فہرست آزاد پر میں خود کچھ لکھنا چاہتا ہوں، آزاد اس پایہ کے ادیب ہیں کہ ان کے دائرہ کے اور خلاقینِ سخن کو اُن کے آگے سر جھکانا پڑیگا آزاد کی جن حیثیتوں پر خصوصیّت کے ساتھ نگاہ پڑ سکتی ہے وہ تحقیقاتِ السنہ کے مذاق کے ساتھ پاکیزگیِ زبان اور آزاد کا خاص اندازِ بیان ہے جس سے ان کی نثر عموماً زرنگار معلوم ہوتی ہے،

ایک مغربی شاعر کے خیال میں جس نے شوخی سے عالمِ فطرت (نیچر) پر کمال صنعت (آرٹ) کو ترجیح دی ہے، خوش آب موتیوں کا نشاط انگیز انتشار کیساتھ فرشِ ریشمی پر بکھر جانا روانیِ آب سے زیادہ دلکش ہے، مگر اس سے زیادہ تر دلکش ہے کسی نازک خیال مصنف کی مرصّع پیداوار دماغی جو حسنِ صوری اور معنوی کے ساتھ آمد اور بیساختہ پن کی تصویر ہو، اس کے سلیس و نفیس لٹریچر کا یہ وصفِ اضافی کہ روکھے پھیکے مسائل کو بھی اس لطافت سے جذب کر سکے کہ کہیں سے بارِ طبیعت نہ ہو اور فسانے (یعنی لائٹ ریڈنگ) کا لطف آئے، میرا خیال ہے، لائقِ ذکر خصائص میں سے ہے

جس کی بنا پر ایک مشہور موقع پر یہ کہا گیا تھا کہ "آزاد، اُردو سے معلّی کا ہیرو ہے" ہی
جس طرح تاریخ مین فلسفہ کا رنگ سب سے پہلے شبلی نے چمکایا ہے، اردو کو انشا پرداز
کے درجہ پر جس نے پہنچایا وہ آزاد اور صرف آزاد ہین، اور گو اس مسئلہ پر ابھی کافی
توجہ نہین کی گئی ہے، لیکن آزاد کی ادبی فتوحات، تاریخ لٹریچر کا ایک واقعہ ہے
جس کا فیصلہ خود فلسفۂ ادب کے ہاتھون ہوگا، جن حضرات کی نگاہین دلی، لکھنؤ کے
اختلافات تک محدود ہین یا جن کی قاصر النظری میرے اس خیال کی تائید کی مانع
ہو وہ مجھے معاف فرمائین گے اگر مین بلاخوف تردید یہ عرض کرون کہ پروفیسر آزاد
کا درجہ بحیثیت ادیب جو کچھ ہے اس کا سمجھنا دوم درجہ کی خلقت کے لئے جو فلسفۂ
لٹریچر سے قطعاً بیگانہ ہے، آسان نہین ہے، اس لئے کسی اختلافی بحث کا چھیڑنا،
"گول خانہ مین چوکھنٹی چیز" سے بھی زیادہ گیا گذرا ہوگا،

سر سید سے "معقولات" الگ کر لیجئے تو کچھ نہین رہتے، نذیر احمد بغیر مذہب کے
لقمہ نہین توڑ سکتے، شبلی سے تاریخ لے لیجئے تو قریب قریب کورے رہ جائینگے، حالی
بھی جہان تک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہین، لیکن آقاے
اردو" یعنی پروفیسر آزاد صرف انشا پرداز ہین، جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت
نہین، اسی لئے واقعات بھی انھون نے جس قدر لکھے ہین، "قصص" (یعنی ٹیلز) کی
حیثیت رکھتے ہین، جنھین "افسانۂ یاران کہن" سمجھئے،

اس بحث کو اصل تنقیدی مضمون مین پھیلاؤن گا، یہان افتتاحی حیثیت سے

بھی قوت کا صرف کرنا منظور نہین، اسی سلسلہ مین آپ دیکھین گے کہ جدید شاعری جسکے "آدم" حالی سمجھے جاتے ہین، غالبًا اس کی داغ بیل سب سے پہلے آزاد نے ڈالی تھی مجھ کو آزاد کے لٹریچر سے غیر معمولی دلچسپی ہے اس لئے ذرا تفصیل کے ساتھ انکی دلکش تصنیفات کے ان اجزا کو اُبھار کر دکھاؤنگا، جن کا ایک ایک حرف لٹریچر کی جان ہے،

بہرحال ارکانِ خمسہ کی تجویز آپکے سامنے ہے، اکبری نورتن کے مقابلہ مین بعض صاحبون کو یہ تحدید پسند نہ آئے گی لیکن مجھے افسوس ہے کہ "مصنفین کی صف اوّل" مین اس سے زیادہ گنجایش معلوم نہین ہوتی، تاہم غیر ضروری نکتہ چینی سے علٰحدہ ہو کر اگر کوئی صاحب (بشرطیکہ لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے ہون) مجھے مفید مشورہ دے سکے تو میرا خیال ہے مین اس پر غور کرنے کے لئے ایک حد تک تیار ہون،

اس تجویز کو قوت سے فعل مین لانے کے لئے ضرورت ہے کہ کم سے کم سَو صفحے ہر مصنف کے نذر کئے جائین، اس طرح پانسو صفحون کی ایک کتاب تیار ہو جائیگی جس کا ایک طبع خاصہ (یعنی ایڈیشن ڈی لکس) بہتر سے بہتر کاغذ اور چھپائی کے ساتھ شائع ہوگا جس مین مصنفین کے ساتھ منقدین کی ہاف ٹون عکسی تصویرین شامل کی جائین گی، اسکی تکمیل مالی امداد سے قطعًا بے نیاز ہے، ضرورت ہے تو ترتیبِ مضامین کی جس کی طرف ایک مرتبہ اور مین ان اصحاب کو متوجہ کرنا چاہتا ہون جن کو فردًا فردًا مین نے نامزد کرنے کی عزّت حاصل کی ہے،

(نقاد ۱۹۱۳ء)

پروفیسر براؤن

اور

ایرانی لٹریچر کا دورِ جدید

جس طرح فرانس کے مشہور ادیب "پیرلوئی" کو ٹرکش لائف، ٹرکش لٹریچر سے ایک خاص دلچسپی ہے، پروفیسر براؤن ایران پر اس قدر مٹے ہوے ہین کہ ان کا موضوعِ سخن زیادہ تر ایران اور اس کے متعلقات ہوتے ہین، ایران کی ادبی تاریخ جس جامعیت کے ساتھ انھون نے لکھی ہے دنیاے ادب اسے حیرت سے دیکھتی ہے، دو ضخیم جلدین شائع ہو چکی ہین، تیسری زیرِ ترتیب ہے، جو اس سلسلہ کی آخری کتاب ہوگی، یہ دراصل مسلمانون کی دماغی تاریخ ہے جو نہایت تحقیق اور تلاش کے ساتھ وسیع پیمانہ پر لکھی گئی ہے، فاضل مصنف نے جدت یہ کی ہے کہ عجمی عناصر کو الگ کر کے دکھاتا گیا ہے،

کچھ روز ہوے "انقلابِ ایران" پر ایک خوبصورت، ضخیم، اور حوصلہ افزا کتاب لکھی گئی جو کثرت سے شائع ہوئی "واقعۂ تبریز" پر ان کی کھلی چٹھیان اگر یورپ کے سیاسی

حلقے برف کی طرح جم کر بے حس نہ ہو گئے ہوتے تو دل ہلا دینے کیلئے کافی تھین،

"براؤن" آجکل مستشرقین یورپ مین پیش پیش ہین اور سچ یہ ہے کہ انھون نے

حکماے فرانس اور جرمنی کے مقابلہ مین ادبی حیثیت سے انگلستان کی ناک رکھ لی،

ایک خاص بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتے ہین "غیر منحرفانہ" یعنی ہمدردانہ لکھتے ہین، عربی فارسی

کی متعدد نایاب کتابین انھون نے اپنی ایڈیٹری مین شائع کی ہین، اور یہ سلسلہ مستقلاً

جاری ہی، سلیقۂ تحریر اتنا اچھا ہے کہ علماے اسلام کو بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے،

حال مین ان کے قلم سے ایک کتاب نکلی ہے جس مین ایران کے دورِ جدید کی

شاعری اور صحافت (جرنلزم) سے بحث کی ہے اور تفصیل سے بتایا ہے کہ "انقلاب"

کے بعد ارتقاے ایران مین ملکی مطابع اور ملکی شاعری نے کہان تک حصہ لیا، اس

طرح دو مختلف النوع مگر متحد الغایت موضوع یعنی ایرانی صحافت اور ایران کی سیاسی

اور وطنی شاعری یعنی ادبی تحریک کے دو جداگانہ رُخ دکھائے گئے ہین، یہ کتاب دو

حصون مین ہے، پہلے حصہ مین ان اخبار و رسائل کی تصریح ہے جو بالذات یا بواسطہ

ایران کی بیداری کا سبب ہوئے، یہ حصہ مرزا محمد علی خان "تربیت" کا مرتب کردہ ہے

جسکی براؤن نے ترجمے اور حواشی سے تکمیل و تزئین کی ہی، ان جرائد کی تعداد ۳۷۱ تک پہنچتی ہی،

دوسرا حصہ جدید شاعری کا مرقع ہی جو حریت اور وطنیت کی روح ہے، جسے دیکھنے

کے بعد یورپ کے متعلمین فارسی کا یہ خیال صحیح نہین معلوم ہوتا کہ ایرانی شاعری چارسٔو

برس ہوئے دقتہً دورِ آخر کے شعراے طبقۂ اولین" یعنی جامی اور ان کے ہمعصر دولت شاہ

پر ختم ہو گئی، اور پھر اس نے کوئی کروٹ نہین لی، سچ یہ ہے کہ کسی نے تحقیق و مطالعہ
کی تکلیف نہین اٹھائی، ورنہ میکدون کی اب بھی کمی نہین، مے کہن ہو کہ نئے ساغرون
مین پڑی چھلک رہی ہے،

براون کو افسوس ہو کہ سیاسی وجوہ سے یورپ اور ایشیا کے لٹریچر مین کبھی وہ
اتحاد نہین ہو گا جس کی ضرورت تھی ورنہ "شرکت کی ہانڈی چورا ہے مین"! غریب ایران
کی نسبت ہم یہ نہ سنتے کہ وہ فنا کے درجے طے کر رہا ہو، کیونکہ دراصل پچھلے ۴ برسون مین
اس نے کافی آثار زندگی کا ثبوت دیا ہے اور اگر "دوستون" کی نیک نیتی عملاً شریک
حال نہ ہوتی اور وہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو وثوق کے ساتھ یہ کہنا ممکن تھا کہ ملک
کی اخلاقی اور مادی ترقی قطعی اور یقینی تھی، ان کا خیال ہے کہ سچی انشا پردازی،
عصری جذبات و خیالات کا آئینہ ہوتی ہے، گذشتہ چند برسون مین ایران کو بیم
یاس و امید کے جن طبقاتِ مختلفہ سے ہو کر گذرنا پڑا ہے، اس کا عکس موجودہ لٹریچر مین
دیکھ لیجیے، اور یہی وجہ ہے کہ خیالات کے دو زبردست آلہ ہاے محرک یعنی صحافت
اور شاعری کے متعلق جہان تک ممکن تھا معلومات بہم پہنچائی گئین،

پیام دوش ام از پیر مے فروش آمد — بنوش بادہ کہ یک ملتی بہوش آمد
ہزار پردہ ز ایران دریدہ استبداد — ہزار شکر کہ "مشروطہ" پردہ پوش آمد

دور جدید کی شاعری پر شعراے ایران اور ٹرکی کے خیالات کے اقتباسات
نہایت دلچسپ ہین، اس پر براون کی لطیف قلم کاریان! بس یہ معلوم ہوتا ہو شراب

کچھ کچھ گرد و آلُشتہ ہو گئی ہے، یہ حصہ بجاے خود مستقل عنوان چاہتا ہے لیکن مین یہان جو کچھ لکھ رہا ہون صرف اورون کے ابھارنے کے لئے، مذاقِ صحیح ہو تو یہ کام پورے پورے سہارے سے کرنے کے ہین، مجھے اتنا موقع نہین، دوسرون کو "کلامِ غالب" پر دیباچے لکھنے لکھانے سے فرصت نہین، ایک صاحب "نقاد" سے متقاضی ہین کہ دیباچہ لکھواؤ! "یہ دیباچہ" کیا بلا ہے؟ آجتک میری سمجھ مین نہ آیا، اگر "مقدمہ" سے غرض ہے تو سیدھے مولوی عبدالحق کے پاس حیدرآباد جائیے، تنقید و تبصرہ منظور ہے تو مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اس کا دور ختم ہو چکا! غالب پر رائے زنی کم سے کم ملتے جلتے اہلِ کمال کا حق ہے، جسمین مصنف سے زیادہ وسعتِ نظر نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ اس کی بات سمجھ لے یعنی نکاتِ شاعری جو مقصودِ شاعر ہون ان پر اس کی نظر حاوی ہو، یہ ایک جداگانہ بحث ہو گی کہ مقصودِ شاعر من حیث الفن کہانتک حاصل ہوا! یا اہلِ زبان اس کے لٹریچر کو کہان تک تسلیم کر سکے؟ میرا خیال ہے جو کچھ لکھنا تھا یا لکھنے کے لائق تھا پروفیسر آزاؔد لکھ چکے، کچھ کسر تھی وہ حاؔلی کی شاگردی نے لائقِ ادب اُستاد کی "یادگارِ غالب" مین پوری کر دی، اس لئے آجکل کے جدت پسند شیدائیانِ کمال کو نیک نیتی سے صرف یہ صلاح دی جا سکتی ہے کہ اُن ہی کتابون کو استفادۃً پیشِ نظر رکھئے!۔

مین ایران کی سیاسی اور وطنی شاعری کا ذکر کر رہا تھا، درمیان مین یہ فقرہ معترضہ آگیا، براؤن نے کثرت سے جدید شعرا کے کلام کے نمونے بہم پہنچائے ہین، شاعرون کی عکسی تصویرین بھی شامل کی ہین، جابجا ترجمہ اور حواشی سے رونق بڑھائی ہے، اور

اور کیمبرج کے خوبصورت، جدید اوضع نسخی ٹائپ کی جلوہ گری سے تو یہ حصہ بالکل مرصع اور زرنگار ہو رہا ہے، نمونۃً ایک نظم کے چند اشعار لیجئے، مزید اقتباسات سے کتاب کا لطف کھونا نہیں چاہتا

در پردۂ افشار

نمی دانم چرا ویرانہ گشتی ؟ وطن
مقامِ لشکرِ بے گانہ گشتی ! وطن
تو شمعِ جمعِ ما بودی وطن جان چرا ؟
بہ شمعِ دیگراں پروانہ گشتی ! وطن
خوشا روزے کہ بودی شاد و خنداں وطن
شکستی خصم را چنگال و دنداں وطن
تو بودی سر بلند افسوس افسوس وطن
در افتادی بہ حالِ مستمنداں وطن
وطن جان اے وطن جاں اے وطن جاں من
پرستارِ من و گہوارہ جنباں من
زجورِ دشمناں ویرانہ گشتی ؟ وطن
بہ فرزندان چرا بیگانہ گشتی ؟ وطن
(پروانہ گشتی وطن ۔ ویرانہ گشتی وطن)

مکرر

یہ سادی نظم جس حدتک جذبات مین ڈوبی ہوئی ہے، مین اہلِ نظر کے مذاق
پہ چھوڑتا ہون، کبھی کبھی افراطِ سادگی غایتِ نزاکت اور آرایش کا کام دیتی ہے
لیکن ہندوستان مین بیٹھ کر اس کا اندازہ ممکن نہین، یہان بیکار تغزل کے سوا
(جس مین کوئی خاص جذبہ یا سلسلۂ خیال نہین ہوتا) شائقینِ نظم (جنھین مین شاعر
کہنا نہین چاہتا) کچھ اور جانتے ہی نہین، اور یہ لٹریچر کی بڑی سے بڑی حق تلفی ہے
جو اس فرقہ کے ہاتھون ہو رہی ہے لیکن خوش ہون کہ اس ادبی بے نظمی مین ایک
فرمانروائے سخن یعنی "اکبر" اعظم موجود ہے جو فطری شاعر ہے اور جس کا کام عصری
جذبات و خیالات کا مرقع ہوتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ بے غایت نہین ہوتا
آپ دفتر کے دفتر کہہ جائیے اور بدنصیبی سے میری سمجھ مین نہ آئے تو میرا قصور نہین،
کیونکہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ سرے سے آپ کو کچھ کہنا ہی مقصود نہین تھا،
کسی خاص ردیف و قافیہ کے ساتھ چند الفاظ جو اتفاق سے کھپ سکے، اس کی
پیوندکاری سے دو مصرعون کی تیاری اگر شاعری ہے تو مین بلا خوفِ تردید یہ عرض
کرنا چاہتا ہون کہ "این بجوے نمی ارزد" لیکن بجائے اسکے کہ آپ میرے سر ہون میری
خاطر سے مان لیجئے کہ وقت کا اقتضا کچھ اور ہے، محدود دائرہ سے باہر نکلئے اور
دیکھئے اعلیٰ تر لٹریچر کے حقوق کیا چاہتے ہین؟ ورنہ یاد رکھئے نظم تو آپ کی جان کو

روچکی نثر کو ایک دن آپ روتے رہ جائین گے، ہان! مین یہ کہنا چاہتا تھا کہ اکبر کے خیالات دراصل شاعرانہ لٹریچر کے انتقاداتِ عالیہ (یعنی ہائر کریٹی سزم) کا درجہ رکھتے ہین، وہ جہان شاعر ہین ادیب بھی ہین، اور ادیب بھی اس پایہ کے کہ معمولی صحبتون مین جو فقرے ان کی زبان سے نکلتے ہین، انشا پردازی کے جواہر ریزے ہوتے ہین اس قدرتی موزونیت کے ساتھ جب شوخی لٹریچر کی بلائین لے رہی ہو، مین نہین جانتا کہ اس شعر کے پتلے کی موزونیت کے لئے کیا باقی رہا؟ لیکن اکبر کا فضل و کمال ضمنی اظہار خیال نہین چاہتا، کبھی مستقلاً دیکھئے گا، بہرحال ملک کی عام وبا سے بدمذاقی مین ایک آپ شاعرانہ شخصیت ایسی ہے جس پر ہم ناز کرسکتے ہین، اور جو اپنے مذاقِ خاص کے لحاظ سے نئے اور پرانے خیال والون کی ملکِ مشترک ہے،

لیکن اس آفتابِ شاعری کے گرد ضرورت تھی کہ بہت سے ثوابت[1] اور سیارے حلقہ زن ہوتے، ثوابت کی تو ماشاء اللہ کمی نہین، مدّت سے ایک نقطہ پر ٹھہرے ہوئے ہین، لیکن تعجب ہے کہ سیارے کافی نہین، "اکبر" ہمیشہ ایک ہوگا لیکن افسوس ہے اگر ہم متعدد "اقبال" پیدا نہ کرسکے،

مین سلسلے سے پھر الگ ہوگیا، لیکن منھ پر آئی ہوئی بات رکتی نہین، ایران کی شاعری کی داد لینا چاہتا تھا کہ اپنی "شامتِ اعمال" یعنی یہان کے بیکار مشغلۂ نظم

---

[1] ثوابت حرکت نہین کرتے، یہان ان سے قدیم شاعری کے دلدادہ مراد ہین، برخلاف اس کے سیارے چلتے پھرتے رہتے ہین ان کو نئی شاعری کا نقیب سمجھئے،

کا رونا لے بیٹھا، لیکن میرے لئے یہ کچھ ناگزیر سا ہے، آپ اسے خارج از موضوع نہ سمجھئے ورنہ دھوکے مین رہئے گا، براؤن کی تقریب کی علتِ غائی بھی اتنی ہی ہے کہ آنکھین کھول کر دیکھئے دوسرے کیا کر رہے ہین اور آپ کو کیا کرنا ہے؟ ورنہ ساری دردسری بیکار جائے گی!

ایران کے دورِ جدید کی شاعری کا ایک نمونہ آپ کے سامنے ہے، اب مین براؤن کے فارسی دیباچہ کے چند اجزا، کہین کہین سے دکھاؤن گا جس سے معلوم ہوگا کہ اُنکو زبان پر کس قدر قدرت ہے؟ ہندوستان مین بہت سے اہلِ کمال پیدا ہوئے جو فارسی نظم و نثر یعنی لٹریچر مین دادِ سخن دیتے رہے لیکن معلوم نہین "یا بو انگلش" کی طرح اُن کی فارسی اہلِ زبان کی نظرون مین کہانتک لائقِ تسلیم رہی؟ ہم اس زمانہ مین دیکھتے ہین کہ بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ جس نے ہندوستان مین اعلیٰ درجہ کی ڈگریان لی ہون دو فقرے بھی انگریزون کی طرح بول یا لکھ نہین سکتا، یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ ہندیون کی گذشتہ فارسیت جس کا ایمان بالغیب کی طرح لوہا مانا جاتا ہے، اہلِ زبان یعنی ایرانیون مین کہانتک وقعت حاصل کر سکی، شبلی نے غالبًا اس موضوع پر قلم آزمائی نہین کی، ورنہ یہ بحث ہمیشہ کے لئے طے ہو جاتی، بہرحال ایران کی نئی زبان بالکل ایک جداگانہ چیز ہے اور ہندوستان مین سنجیدہ خیال علما، کو رشک ہوگا کہ براؤن اتنی اچھی فارسی لکھ سکتے ہین، فاضل پروفیسر کہتا ہے!-

مقصودِ اصلی از جمع و نشرِ این اشعار آنست کہ برای برخی از مبتدیین ادبیات

ایران که اغلب منکرِ وجودِ روحِ ادبی در ایرانِ کنونی بوده، وجودِ شعر و شاعری را
درین قرونِ اخیره در آں سرزمین معدوم می پندارند، ثابت نمائیم که آن طبعِ گہربار
ایرانی که اشعارِ آبدارِ قدیمه بوجود آورده نموده است!!

"ہنوز گویندگان ہستند اندر عراق که قوتِ ناطقه مدد از ایشاں برد، که از زیر
آں ہمه ابرہاے تاریک که صفحاتِ این مملکت را فرا گرفته باز آں روحِ فنا ناپذیر
مانندِ آفتابے که زیرِ ابر نہفته پس از چندے بایک پرتوِ عالم فروزِی دیگر جلوه گر گشته است!!"

"اغلب مستشرقین کز زحمتِ تتبعِ ادبیاتِ جدیدهٔ ایران را بخود نداده اند، چنیں
تصور می کنند که طوطیِ شکر گفتارِ شعرا و ادباے اعصارِ گذشته ایران از نطق فرو مانده
و چندیں قرن است که دریں چمنِ خزاں دیده بلبلے به ترنم نیامده و شاید ہم ہیچ
نخواہد آمد، ولے ایں جانب که از سی و سه سال بدیں طرف عمرِ خود را صرفِ تحصیل
ایں زبان کرده بواسطهٔ کثرتِ معاشرت با آقایانِ ایرانی با اندازهٔ با شعار و ادبیاتِ
جدیده مربوط شده چاشنیِ آں را چشیده با ایں عقیده اشتراک ندارم و قبول دور از
انصاف و حقیقت می دانم و کسانے را که بر حسبِ عدمِ اطلاع چنیں عقیده اظہار
می دارند معذور می دارم، و "عدمُ الوجدان لیس دلیلاً علی عدمِ الوجود" را متذکرم

ذوقیست درین باده که مستاں دانند

اینک نمونه از ادبیاتِ وطنی و سیاسی را که آں ثمرهٔ انقلابِ اخیرِ ایران باید شمرد
برائے اثباتِ عقیدهٔ خود بنظرِ اربابِ تتبع می رسانم تا ہیچ شکّے که بخودی خود بوید آنچه را

کہ من ہنوز نگفتہ در دل دارم بزبانِ خود بگوید"

"این نمونۂ ادبیاتِ جدیدہ بخوبی ثابت می کند کہ روحِ شعر و طبعِ سخن پروری
در ایران معدوم نشدہ سہل است کہ بواسطۂ سوق این انقلاب اخیر رونقِ تازہ
یافتہ و تاثیر بزرگی در آئینۂ این ملت بظہور خواہد آورد، اگر درست وقت کنیم
خواہیم دید کہ این اشعار جدیدہ دارائے دو صفتِ ممتازہ است کہ در ادبیاتِ
قدیمہ موجود نبودہ و بہمان نسبت شاید تاثیر آنش در طبقۂ عامہ بیشتر باشد"

اس دعوی کے بعد کہ ایرانیون مین جذباتِ شاعری بدستور زندہ ہین، براون
پرانی شاعری پر نئی شاعری کو جن وجوہ سے ترجیح دیتے ہین ان پر اچھی طرح غور کیجئے!

"اولاً از حیث موضوع، موضوعِ اشعارِ قدما تقریباً عبارت بود از مدایحِ پادشاہان
و بزرگان و غزلیات و اخلاق و فلسفہ و تصوف، و آنچہ راجع با وضاع و احوال
معاشیہ برشتۂ نظم در آوردہ اند نسبتہً کم است، اگرچہ ہمین ادبیات مدارِ افتخارِ ابدی ایران
بودہ و زبان فارسی را تا امروز نگاہ داشتہ است، و لے از جہت تاثیر خارجی در
اوضاعِ اجتماعی مردم گویا چندان ثمر ندادہ است زیرا کہ دائرۂ انتشارِ آن محدود
و منحصر بطبقۂ عالیہ و عالمۂ ملت بودہ و فوائدش تعمیم نداشتہ است" تجاربِ تاریخی
و جریانِ اوضاع اجتماعی ملل درین قرونِ اخیرہ بخوبی نشان می دہد کہ مؤثرِ حقیقی
در گردانیدن چرخِ حیات اجتماعی یک ملت، عامہ یعنی طبقاتِ اواسط و ادانی
آن ملت است و چنانکہ امواجے کہ روئے دریا را بتلاطم آوردہ و بزرگترین کشتی ہا را

بازیچهٔ طوفانِ خود می سازد، همانا امواجے است که از قعرِ دریا و طبقات پائین آن بالا می آید، همین طور است در انقلابات سیاسی انقلابے که ثمرهٔ خوب می دهد انقلابے است که در سایهٔ جنبشِ طبقهٔ عامهٔ ملت بظهور رسیده والا انقلابے خواهد بود، فارس و تا بهنگام و سطحی که مانند امواجِ سطحی دریا هرگز آں قوت را نخواهد داشت که بنیاے استبداد و خرافات متراکمهٔ چندین قرن را از بیخ براندازد،

ازیں رو طبقهٔ عامهٔ ملت بیشتر از طبقاتِ دیگر باید منظورِ نظرِ اربابِ سخن و واعظین و مخصوصاً شعرا و ادبا باشند و من چنین تصور می کنم که در عالم ملتے نیست که بقدر ملتِ ایران مجذوبِ شعر باشد، و شعر در طبیعت ایرانی جاذبهٔ مخصوص دارد که کمتر نظیرآں در سائر اقوام دیده شده است ازیں نقطهٔ نظر شعراے که اصلاحِ حال طبقهٔ عامهٔ ملت را در نظر دارند مرجح بر دیگراں می باشند و میانِ ایشاں و سائرین که جز مدح و اخذ صلهٔ هنری ندارند، همان فرق است که میانِ زاهد خود پرست و عالم دانش پرور، و ما می بینیم که ادبا و شعراے عصرِ حاضر بدیں نکته پی برده اند یعنی آبکار معانی را ازاں دائرهٔ محدود بیروں آورده و خوانِ الوانِ نظم را پیشِ خاص و عام گسترده، طبقهٔ عامه را ازاں برخوردار کرده اند، و اغلب موضوعاتِ ایں ادبیات را از وقائع یومیه و راجع بمسائلِ معاشی و اجتماعی گرفته اند که هریک از افرادِ ملت می تواند بدون صعوبت درک نماید، و اگر همیں اشعار را که از ابتداے انقلابِ ایران تا امروز انشاد شده جمع آوری کنند

تقریبًا تاریخ منظوم انقلاب را تشکیل خواہد داد[1]"

"از فوائد کثیرۂ انقلاب سیاسی ہمیں بس کہ چنیں ادبیات بکری بوجود آوردہ است کہ در سایۂ آں یک خلق جدید و یک استقبال پر امید ظہور خواہد یافت"

دورِ جدید کی شاعری کی ترجیح میں براؤن یوں مزید گلفشانی کرتے ہیں،

"ثانیاً از حیث اسلوب نیز ایں ادبیاتِ جدیدہ یک تازگی و اہمیتِ مخصوصی دارد و آں این است کہ در اغلب اشعارے کہ دریں دورِ جدید سرودہ اند، حقیقت را برائے اینکہ ہمہ کس نتواند فہم نماید در لباس ہزل و مزاح جلوہ دادہ اند و با یکے از پردہ ہائے موسیقی ہم آہنگ ساختہ اند تا بآسانی قبولِ عامّہ بہم رساند"

"بدیہی است کہ شخص ہر قدر دارائے اخلاقِ حمیدہ و تہذیبِ نفس باشد باز دے را شنیدن عیوبِ خود بے پردہ چنداں خوش آیند نخواہد بود، و حقیقت گوئی درو ے تاثیری چنداں نخواہد کرد، ولی در شکلِ ہزل و مزاح آں را بمیل و رغبت خواہد خواند و البتہ بے تاثیر ہم نخواہد ماند"

[1] اس طرز ادا میں آپ "سہ نثرِ ظہوری" کے ٹھاٹھ نہ ڈھونڈھیے نہ انشا سے مادھو رام کا خاکہ تلاش کیجیے، آجکل کا معیارِ بلاغت یہ نہیں ہے کہ کثرتِ الفاظ میں سرے سے مفہوم غائب! بے معنی الفاظ کا انبار ہے کہ لگا ہوا ہے اور نفسِ مطلب کا پتہ نہیں، ایران کی خالص زبان کو فردوسی کی نظم اور سعدی کی نثر میں دیکھیے جس کا تتبع سلیقۂ غیر یعنی باہر والوں سے کبھی نہ ہو سکا، آجکل کی فارسی مغربی زبانوں کی طرح شستہ، رفتہ، تکلفات سے معرّا، اور ایک دم سے ادائے مطلب پر اس حد تک قادر ہے کہ ہم کو اس کے اندازہ کیلئے بھی ایک زمانہ چاہیئے

شعرائے این دورہ کہ این اسلوبِ مرغوب را پیش گرفتہ اند بمنزلۂ طبیبِ حاذق می باشند کہ مزاجِ مریضِ خود را بدست آوردہ و موافقِ آن ادویۂ تلخ را با شیرینی آمیختہ بمریض می خورانند و یا مانند واعظے کہ درجۂ ادراکِ مستمع را درک کردہ بقدرِ فہمِ او بسادگی تمام مقاصدِ خود را ادا می نماید و عامۂ ملت خواندہ و بحقیقت مسائلِ سیاسی و وطنی و معاشی واقف شوند، چنانکہ غزلیات و قصائدِ عارف و اشرف و ملک الشعرا بہار و غیرہم در سایۂ این اسلوبِ مرغوب از قراری کہ می نویسند امروز در نزدِ خاص و عام مشہور است و در محافل میخوانند و بآلاتِ موسیقی می نوازند۔

"این جانب بترتیبِ این نمونۂ مختصر از ادبیاتِ وطنی و سیاسی فارسی نظرِ دقتِ مستشرقین و متتبعینِ ادبیاتِ فارسی را جلب نمودہ و ملتِ ایران را نیز از صمیمِ قلب تہنیت می گویم کہ چنین نوعروسِ بکرِ معرفت بمنصۂ ظہور جلوہ آوردہ است، و از خداوند خواہانم کہ امثالِ ایشان را بیفزاید[1]"

مین امید کرتا ہون، اقتباسِ بالا ناظرین کی گران خاطری کا سبب نہ ہوگا مسلمانون کے جب دن اچھے تھے تو فارسی اُن کے گھر کی کنیز تھی، مدت ہوئی، پچھلی صحبتین درہم برہم ہوگئین، نہ وہ خیالات رہے، نہ اظہارِ خیال کے گذشتہ وسائل رہے، اب تو یہ حالت

---

[1] یاد رکھئے! فارسی میں یائے مجہول اور واوِ مجہول کی آواز نہیں ہے، برخی، چندی، خیلی، تاثیری، دلی کو کسی موقع پر ہو، برخے، خیلے، تاثیرے، و لے نہ پڑھئے،

اسی طرح نوش، پوش، افسوس کو بھی اس طرح ادا کیجئے، جیسے "جاسوس" کو

(جن حرفوں میں اضافت زیر ہو، ان کو یوں پڑھئے گویا آخر میں (ی) لگی ہوئی ہے، ورنہ براؤن کی رُوح کو صدمہ ہوگا، اور ناطقۂ ایران علیحدہ آپ کا شاکی ہوگا،

ہے کہ "روزمرہ" زبانِ غیر ہو رہا ہے،

"قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا"

لیکن جس فارسی کے براؤن دلدادہ ہیں، وہ اب بھی زندہ ہے اور وہ کمال شیفتگی سے اُسے زندہ ہی دیکھنا چاہتے ہین اور یہی شرافتِ نفس ہے جس کی وجہ سے مین اس زبردست مستشرق کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہون، ملک کے جرائدِ عصریہ مین بہت کم ایسے ہین جو اس فاضل پروفیسر کو جانتے ہین یا جاننا چاہتے ہین، یہ غنیمت ہے کہ "نقاد" کے ذریعہ سے تقریب ہو گئی، کارنامے پھر دیکھئے گا، چند فقرے اور لیجئے! اور ان ہی پر خاتمہ ہے،

براؤن کا خیال ہے جس طرح یونانیون نے یورپ مین نسلِ انسانی کے دماغی اور صنعتی تمول مین اضافہ کیا ہے، اور وہ ہماری ہمدردی کا خاص حق رکھتے ہین یہی حال ایران کا ہے، تمام اقوامِ قدیم مین جن کے نام سے ہم آشنا ہین ایران ہی ایک ملک ہے جو اب بھی اپنی حدود مین ایک خودسر سیاسی وجود رکھتا ہے: گو اس کا رقبۂ حکومت دارائے اعظم کے باجگذار صوبون کی لمبی چوڑی فہرست کے مقابلہ مین جو باغستان یا بیستون پر کندہ ہے بہت کچھ گھٹ گیا ہے، تاہم اس مین ایک ایسی قوم آباد ہے جو ہر طرح کی آفات اٹھانے کے بعد بھی اپنے اسلاف سے حیرت انگیز اشتراکِ خصائل و اوصاف رکھتی ہے،

ایران پر بار بار چڑھائی ہوئی، یونانی، مغل، ترک، تاتار، باری باری اٹھے، اور اسے

پامال کرتے رہے جس سے یہ عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوتی رہی لیکن یہ
ہمیشہ ان آزمائشون سے بچ بچا کر ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے جو خاص طرح
کے خصائص کا مجموعہ ہو، اپنا وجود انفرادی قائم رکھ سکی براؤن کہتے ہین کہ ان کو
ایران کی سیاسی ہستی سے اتنی غرض نہین جس قدر اس کے دماغی اثر پر اصرار ہے اور
ان کا دعویٰ ہے، کہ ایران نے جس قدر دنیا کے دماغی اور اخلاقی اُفق کی توسیع کی ہے
اس کے اندازے کے لئے ہم کو تاریخ کے ہزارہا صفحے الٹنے پڑین گے، وہ مذہب زرتشت
کے ذکر کے بعد جس سے مذاہب عالم مین ایک دلچسپ اضافہ ہوا، خود اسلام کی
"خیال آفرینیون" کی شاخہائے متعددہ کا نام گنواتے ہین صوفیہ، اسماعیلیہ، بابیہ،
حروفیہ یہ سب کی سب ایرانی جدت پسند دماغ کی مابعد الطبعی موشگافیان ہین اسلام
کے وسیع دور مین عربون کی سیدھی سادی زندگی صرف عجمیون کی بدولت آشنائے
تمدن ہوئی، ایک لٹریچر ہی کو دیکھئے! اگر عجمیون سے قطع نظر کر لیجائے تو عربون
کے پاس فخریہ قصائد کے بعد ایک ظریف کی رائے کے مطابق صرف اونٹ
کی مینگنیان، اور ان کی تشبیہاتِ متنوعہ رہ جائینگی!

عجمیون کے طفیل مین ہم کو فردوسی، سعدی، اور حافظ اور پچھلے دنون اینگلو
سیکسن اقوام کو عمر خیام سے شاعر ملے جو دنیا کے شعرائے طبقۂ اعلیٰ مین شمار ہونے کے
لائق ہین، موجودہ سائنس ایران کا منت کش نہین ہے، لیکن "ابن سینا" کا نام
ہی اس بات کے یاد دلانے کے لئے کافی ہے کہ ازمنۂ متوسطہ کے یورپ اور

ایشیا کو فلسفہ اور طب کے لئے جو اس وقت تک دنیا کو معلوم تھا، کہاں تک ایک فرزندِ ایران کا ممنونِ احسان ہونا پڑا،

آہ شبلی! ایرانی لٹریچر کے دورِ جدید کا ذکر ابھی ہو ہی رہا تھا کہ غیر متوقع صدمہ یہ پہنچا کہ علامہ شبلی نعمانی نے ترکِ رفاقت کی، آہ! یوں سمجھئے کہ اردو لٹریچر کی ناک نہ رہی، روحِ تاریخ نکل گئی، اور علم مر گیا، مجھ پر معلم شبلی کی رحلت کا اس قدر سخت اثر ہے کہ پڑھنے لکھنے کا مشغلہ باقی رہتا معلوم نہیں ہوتا جسے میں لٹریچر سمجھتا تھا، یقین کیجئے مرحوم کے ساتھ دفن ہو گیا اور میری ادبی لذتوں کا ہمیشہ کے لئے ایک دم سے خاتمہ، جی چاہتا ہے، مرثیہ نثر لکھوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے قلم اپنی رفتار بھول گیا، گھنٹوں غائب رہتا ہوں، خیال عبارت آرائی تو خیر معمولی ترتیب الفاظ سے بھی عاری ہو رہا ہے، ملک میں اب کوئی نہیں رہا جس کے نتائجِ فکر پر میں لٹریچر کا اطلاق کر سکوں جس کے بل بوتے پر جیتا تھا اور ایک دنیا کو حرفِ غلط سمجھتا تھا وہ میرے ذوقِ ادب کو اپنے ساتھ پیوندِ خاک کر چکا، شبلی! ہائے شبلی کو کہاں سے اٹھا لاؤں؟

یوں تو تمام عمر شبلی کی یاد میں آنکھیں خشک نہیں ہونگی لیکن ہائے سب سے زیادہ غم یہ ہے کہ سیرۃ نبوی کی تکمیل اب قیامت تک ہو چکی! خدا جانے کس عالم میں مولانا سے مرحوم نے یہ پیشین گوئی کی تھی جو آج حرف بحرف پوری ہوتی معلوم ہوتی ہے،

فرشتون مین یہ چرچا تھا کہ حالِ سرورِ عالم —— دبیرِ چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامین لکھتے
صدا یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی —— کہ یہ ہے اور ہی کچھ چیز، لکھتے تو ہمین لکھتے

زندگی مین اس مردِ مسلمان کی یہ قدر کی گئی کہ اسے "کافر" بتایا گیا، جس پر شمس العلما علم و کھئیے! مولانا شرر کو کہنا پڑا "یہی کافر ہے مسلمان سچا" آج کون ہے جو مرحوم کے خاتمہ بخیر ہونے سے انکار کی جرأت کرسکتا ہے، آخری شعر جو مرنے والے کی زبان سے نکلا تھا، جسے ضامنِ مغفرت سمجھئیے!

صلّوا علی النّبی واصحابہ الکرام —— اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا

فہرست تصنیفات و تالیفات

ایڈورڈ براؤن پروفیسر عربی و فارسی یونیورسٹی "کیمبرج"

۱	ایک سیاح کی سرگذشت، متعلق فرقہ بابیہ"	اصل فارسی مین ہے، معہ ترجمہ انگریزی مقدمہ و حواشی ۲ جلد ۔ ۵ شلنگ
۲	ایک سال ایرانیون مین،	ایرانیون کی زندگی، ان کے خیالات و عادات و خصائل کا مرقع، ایران مین ایک سال رہ کر یہ کتاب لکھی ۔ ۲۱ شلنگ،
۳	تاریخِ جدید یعنی تاریخ مرزا محمد علی باب،	معہ ترجمہ و حواشی وغیرہ ۔ ۱۰ شلنگ ۶ پنس،

۴	فہرست مسوداتِ عربی، (کتبخانہ یونیورسٹی کیمبرج)	۱۵ - شلنگ ،
۵	فہرست مسوداتِ فارسی، (کتبخانہ یونیورسٹی کیمبرج)	۱۵ - شلنگ
۶	ایران کی ادبی تاریخ،	نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے، اسلامی لٹریچر کے متعلق اتنا بڑا سرمایہ کسی زبان مین یکجا نہین ملیگا، نہ کسی نے مسلمانون کی دماغی تاریخ اس طرح لکھی، سچ یہ ہے براؤن نے کچھ نہین چھوڑا، کتاب کے نام مین ایران کی تخصیص غالبًا عجمی عناصر کو ابھار کر دکھانے کے لئے ہے، براؤن کو عربی الفاظ اور نامون کی صحت کا اس قدر خیال ہے کہ ان کا طے کردہ نصاب یورپ مین رائج ہوگیا ہے، یہ ایک سخت مشکل تھی جو انگریزی کے حرکات بالحرف نے طے کردی، اس کتاب مین ہر طرف اس کے قیمتی

		آثار ملین گے، ہزارہا نام تھے جن کے صحیح اعراب کا پتہ کسی عربی لغات سے بھی نہین چلتا تھا، غیر عربی دانی کے ساتھ بھی یہ حق حاصل تھا کہ مفہوم کے جاننے سے پہلے الفاظ کا صحیح تلفظ ممکن ہو، اب ہمارے لئے صرف اس کتاب کا انڈکس کافی ہی، ۲ جلدین۔ ۲۵ شلنگ،
۷	مختصر تاریخ طبرستان، (مصنفہ محمد بن حسن بن اسفندیار)	
۸	انقلاب ایران سنہ ۱۹۱۰-۹ء	دونون کتابین "عروس جمیل و لباس حریر" مصنف کے عالمانہ خیالات کے ساتھ
۹	ایرانی صحافت اور شاعری کا دور جدید، سنہ ۱۹۱۴ء	صنعت کا بہترین نمونہ ہین، نہایت کثرت سے عکسی تصویرین ہین، بعض کارٹون ہین جن سے ایرانی زندگی کا کوئی دلچسپ رخ آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، مین صرف ایک کا ذکر کرونگا، "قبل عہد لزفاف" (یعنی ہون)

		آغا یعنی شوہر نوعروس کی پیشوائی کیلئے گھر سے باہر نکل آیا ہے اور سامنا ہوتے ہی کشیدہ قامتی، جھک کر رسم خیر مقدم ادا کرتی ہے"؛ بعد عہد الزفاف" آغا صاحب کے ایک ہاتھ مین ڈنڈا ہے اور دوسرے ہاتھ مین" گلبنۂ احترام" کی کاکل عنبرین! جس دروازے سے آئی تھی اُسی طرف سے نکال رہی ہین بعض قدیم کتبون کے عکس مین جنکی اہمیت کے اندازے کیلئے براؤن کے سے تبحر علمی کی ضرورت ہی، جلد شوخ سرخ، حاشیۂ بالائی اور نام کے حروف مطلا، معہ طغرائے زرکار، قیمت ۱۵ و ۱۲ شلنگ

۲- ایران کا سلسلۂ تاریخی

جو براؤن نے اپنی اڈیٹری مین شائع کیا

۱	تاریخ الشعرا (دولت شاہ سمرقندی)	۷ شلنگ ۶ پنس

۲	لباب الالباب (مصنفہ محمد عوفی)	قدیم ترین تذکرۂ شعرائے فارسی جو ۱۲۲۱ سال بعد مسیح مرتب ہوا تھا، ۲ جلد، ۱۵ شلنگ
۳	تاریخ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطّار)	۲ جلد ۱۵ شلنگ،

۳- فارسی کتابیں

جو گب میموریل کیلئے تنہا یا باعانت مرزا محمد قزوینی، پراون نے شائع کیں

۱	مرزبان نامہ (مصنفہ سعد الدین وراوینی)	کتاب القصص - ۸ شلنگ
۲	المعجم فی معائیر اشعار العجم	فارسی میں عروض کا ایک نایاب اور قدیم نسخہ جو شمس الدین محمد بن قیس الرازی نے لکھا تھا، ۸ شلنگ،
۳	چہار مقالہ (مصنفہ نظام العروضی سمرقندی	معہ ترجمہ مقدمہ وحواشی، ۸ شلنگ
۴	تاریخ گزیدہ (مصنفہ حمد اللہ مستوفی قزوینی)	۱۳۳۰ برس بعد مسیح کی تصنیف، مسودات اصلی کا عکس معہ ترجمہ وحواشی - ۲ جلد ۲۵ شلنگ

۵	کتاب نقطۃ الکاف (مصنفہ حاجی مرزا جانی کاشانی)	فرقۂ بابیہ کی قدیم تاریخ جو ۱۸۵۰ برس بعد لکھی گئی، ۸ شلنگ،
۶	تاریخ جہان کشا مصنفہ علاء الدین عطا ملک جوینی	۲۶۰ سال بعد مسیح کی تصنیف ہی، جلد اول شائع ہوچکی، دوسری پریس مین ہی، تیسری زیر ترتیب ہی، فی جلد ۸ شلنگ،

۴۔ مضامین

جو براؤن نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ میں وقتاً فوقتاً لکھے

۱	ایران کا فرقۂ بابیہ،
۲	بابی لٹریچر پر انتقاد،
۳	فہرست مع تصریحات متعلق ۲۷ مسودات فرقۂ بابیہ،
۴	ایک قدیم فارسی تفسیر القرآن کا تفصیلی بیان،
۵	ایران کی تکلمی زبانون پر انتقاد،
۶	یادداشت ذاتی متعلق واقعۂ فرقۂ بابیہ ۱۸۵۰ء بمقام زنجان،
۷	ایران کی گبری زبان کا نمونہ،
۸	فرقۂ حروفیہ کے لٹریچر اور اُن کے مسلّمات پر اظہار خیال،
۹	ماخذ دولت شاہ،

۱۰	کچھ اور روشنی عمر خیام پر،
۱۱	چہار مقالہ،
۱۲	نہایۃ الارب فی اخبار الفُرس والعرب،
۱۳	تذکرۂ شعرائے فارسی،
۱۴	تاریخ اصفہان کے ایک نایاب نسخہ کا بیان،
۱۵	تاریخ سلجوق کے ایک نایاب نسخہ کا بیان،
۱۶	مضامین تاریخ جہان کشا پر انتقاد،
۱۷	ناصر خسرو بحیثیت شاعر اور سیاح،
۱۸	مسعود سعد سلمان مصنفہ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی،
۱۹	مزید انتقاد لٹریچر فرقۂ حروفیہ اور ان کا تعلق بکتاشی فرقۂ درویشان سے،
۲۰	جامع التواریخ مؤلفہ رشید الدین فضل اللہ کے نسخۂ کامل کی تحریک اشاعت،

۵- سیاسی رسائل

(متعلقہ ایران)

۱	سرگذشت مختصر واقعات عصریۂ ایران،
۲	ایرانی مصائب دسمبر ۱۹۱۱ء،
۳	سانحۂ تبریز معہ فوٹوگراف متعلق واقعات دسمبر ۱۹۱۱ء اور جنوری ۱۹۱۲ء،

۶۔ مضامین

جو یورپ کی پرشین سوسائٹی کیلئے لکھے اور شائع کئے گئے،

۱	ایران کا لٹریچر،
۲	ایرانی مطبع اور ایرانی صحافت،

۷۔ ترکی شاعری کی تاریخ

معرکہ کی تصنیف ہے، جو یورپ کے مصنفین کے لئے دلیل راہ بنی، مسٹر گب نے ۶ جلدون مین لکھی تھی، ساتوین جلد جس مین دور جدید کے شعرا کا تذکرہ ہے، ڈاکٹر رضا توفیق نے بڑھائی، پرفیسر براؤن نے اس کی بعض جلدین نظر ثانی کے بعد بڑی آب وتاب سے شائع کی ہین، کچھ زیر ترتیب ہین، متن معہ ترجمہ وحواشی، قیمت بہ لحاظ اختلاف، ضخامت ۲۱، اور ۱۲ شلنگ ۶ پنس،

نوٹ۔ براؤن کے نتائج فکر کی یہ غیر معمولی تفصیل "بھرتی" کی حیثیت سے نہین ہے، بلکہ میری غایت یہ ہے کہ ملک کے اچھے لکھنے والون کی جنبش قلم کے لئے کوئی ایسی واغ بیل ہاتھ آسکے جو بلحاظ سنجیدگی فاضل پروفیسر کے دماغی آثار سے ملتی جلتی ہو، میرا

میرا خیال ہے یہ تصریحات ایک کافی حد تک رہبری کرین گی،

ہمارے ہان دو چار معزز مستثنیات کے سوا عموماً اہل قلم صحیح قوت فیصلہ نہین رکھتے یعنی اپنی استعداد کا مصرف صحیح نہین جانتے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی پیداوار دماغی بلحاظ اوصاف و مقدار عموماً دوم درجہ کی ہوتی ہے معلومات کی اتنی کمی نہین جس قدر انضباط خیال اور قوت اجتہادی کی ضرورت ہے، اور یہ اسی کی پھٹکار ہے کہ ایک مصنف اپنے مادۂ فطری سے وہ کام نہین لے سکتا جو اس کی قابلیت کا اقتضاے طبعی ہے،

یہ تو مستقل مصنفین کی حالت ہے صحافت یعنی مضمون نگاری اس سے بھی گئی گذری ہے غیر ذمہ دار لٹریچر کی ایک مقدار کثیر ہے جو جرائد عصریہ کے ہاتھون ملک مین تقسیم ہوتی رہتی ہے، اور چونکہ لکھنے والے کسی موضوع پر تیار نہین ہوتے یعنی قلم اٹھانے سے پہلے پڑھتے نہین ہین اس لئے ان کے خیالات و مقالات کا زیادہ تر حصہ سطحی ہوتا ہے نتیجہ معلوم ہے، اور اس کے سوا ہوتا بھی کیا ہے؟ کہ جس پرچہ کو دیکھئے نذر بے قدری ہو رہا ہے! عوام کو دلچسپی نہین، خواص اس لئے نہین دیکھتے کہ اس مین کچھ ہوتا نہین، بہرحال ضرورت ہے کہ ملک مین اعلیٰ تر لٹریچر کی طرف توجہ کی جائے، اور اس کی صورتین یہی ہین جو کبھی کبھی مختلف عنوانون سے آپ کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہین،

(نقاد سنہ ۱۹۱۴ء)

شررؔ، نازک خیال شررؔ نے بھولا ہوا افسانہ یاد دلایا اور دل سے ایک آہ نکل گئی،
قوم جبتک صحیح المذاق تھی، ہمارے جذبات وخیالات یعنی متعلقات زندگی کے
جتنے لطیف صیغے ہوسکتے ہیں اُن کا مرکز یہی "بنتِ عم"[1] ہوتی تھی، عنفوانِ شباب کی

---

[1] ایک سال سے زیادہ ہوا حضرت شررؔ نے "نقاد" میں ایک لاجواب مضمون لکھا تھا جس میں عربی معشوقہ کی حیثیت سے "بنت عم" یاد کی گئی تھی، انگریزی میں "بنتِ عم" اور "ابن عم" دونوں کو "کزن" کہتے ہیں، اور یہ رشتہ اس قدر پیارا ہے کہ اکثر ایک کی ذات دوسری یا دوسرے کے لئے تمام دلچسپیوں کا جو خیال میں آسکتی ہیں مرکز خاص ہوتی ہے،

"بنت عم" کی تقریب سے خیال تھا دعیانِ ادب اور ہمارے شعرا اس عنوان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے لیکن آجتک کہیں سے کوئی آواز نہیں آئی، اور تو خیر، نیازؔ و دلگیرؔ نے دو مصرعے بھی موزوں نہ کئے،

ایک فرنچ مصنف نے حال میں ایک کتاب لکھی ہے جس کے موضوع کا ماحصل یہ ہے کہ اخلاق کی تکمیل کی پہلی شرط یہ ہے کہ سوسائٹی کا ہر فرد کثرتِ فواحش سے محفوظ رکھا جائے اور چونکہ ضایعات کی تلافی نہیں ہوسکتی، اس لئے مالحیات کا تحفظ فرائض انسانی میں سرفہرست ہونا چاہیئے، اس کا خیال ہے کہ یہ مقصد صرف پاک جذبات سے حاصل ہوسکتا ہے یعنی ہم شروع سے کسی ایک کو اس طرح چاہیں کہ وہی ہماری زندگی کا نصب العین ہو اور دنیا کی تمام دلچسپیاں صرف اسی کے دم سے ہوں،

مصنف نے پہلے اخلاق کے شہوانی حصہ کو لیا ہے اور دکھایا ہے کہ ایک تندرست اور خوبصورت لڑکی اگر پاکباز ہو ہمارے شہوت انگیز جذبات کی پوری روک تھام کرسکتی ہے بشرطیکہ ہم اُسے دل سے چاہیں

خوش فعلیون کے لئے خوبصورت کنیزون کے آئین مقررہ (سسٹم) نے راستہ صاف کر رکھا تھا آج بھی ٹرکی ہین کوہ قاف کی پریان یعنی سرکیشیا کی حور وش دوشیزہ لڑکیان "حرم" کے ناگزیر لوازم سے ہین، جن کی تربیت مغربی اصول پر ہوتی ہے، اور فنونِ لطیفہ کی وہ شاخین جو نسائیت کی جان ہین، ایک ایک کر کے ان کو سکھائی جاتی ہین،

شام کے لباسِ چست مین نیم برہنہ سینہ اور شانۂ عریان کے ساتھ جب ایک زہرۂ شب، عالمِ رقص مین برقی روشنی کی ضیا کو اپنے حسنِ شفاف کی تڑپ سے شکست دیتی ہے تو نوجوان آقا کے دل سے پوچھئے کہ "خیام" کی طرح "وعدۂ فردا" (یعنی بہشت) سے کہان تک ایک دم سے قطعِ نظر کر لینے کو جی چاہتا ہے!

آج "یہ کنیز" جو اسلامی اخلاق کا ایک حکیمانہ عنصر تھی، ہمارے لغات العیش کا ایک متروک الاستعمال لفظ ہے، لیکن "بنت عم" جو ہماری زندگی کی رفاقت اور تکمیل کے لئے کبھی ضروری تھی آج بھی ہے، زمانہ کی بدمذاقی دیکھئے، ہماری شاعری نے ایک اور "جنسِ مشترک" ایجاد کر رکھی ہے، یعنی سبزہ رخانِ ہند کو محرم، کر تی ہی گنگھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) اور وہ ہمارے عشق ازدواجی کا ایک ایسا قوی تخیل ہو جس کے سوا ہم کو کسی اور کا خیال تک نہ آئے، عشق اکتسابی جسے تعشق ازدواجی کہنا زیادہ صحیح ہوگا فی نفسہ کتنا ہی مفید ہو لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کو یورپ کی طرح موقع کہان حاصل ہے، لیکن مین تو "خیالی بنت عم" سے کام چلاؤن گا، گو ڈرتا ہون کہ "مارہرہ" اور "لکھنؤ" کی پن چکی سے کوئی آواز مخالف نہ آئے،

چوٹی سے آراستہ کرکے ہونٹوں میں مسی مل دی یا سانولے رنگ کی کھپت کیلئے
نمک کی گنجایش نکالی! عملاً کسی نے کچھ اور ترقی کی تو کرایہ کے ظرف یعنی ٹوٹے
پھوٹے ٹھیکروں پر آرہے، اور ساری زندگی اس جنسِ رائج الوقت یعنی شاہدانِ
بازاری میں سے کسی کے نذر کر دی، اس میں اچھے، برے، بڑے، چھوٹے کی
تخصیص نہیں، مذاق عام ہے، اور چونکہ نیچر بے قاعدگی سے انحراف کرتی ہے اس لئے
جدھر دیکھئے، قوائے فطری قبل از وقت جواب دے رہے ہیں، طبیبوں کی
گولیوں پر ہوس کا دار رہ گیا ہے، لیکن میں آپ کو حسنِ صبیح کا ایک پاکیزہ اور بالکل
جداگانہ مرقع دکھانا چاہتا ہوں، سنیئے! عذرا یعنی "بنتِ عم" کا عاشق کیا کہہ رہا ہے؟

(عالمِ خیال میں)

میرے جذبات ہمسایہ اور پڑوس کی لڑکیوں کی اٹھان کے ساتھ ساتھ بڑھے
ہیں، ایک ایک کو جانتا تھا اور سب کی خبر رکھتا تھا، ہر جوانی پر آئی ہوئی لڑکی
یہ معلوم ہوتا تھا میری نشاطِ ہستی میں کچھ نہ کچھ حصہ رکھتی ہے، لیکن دنیا دیکھنے کے
لئے ہے برتنے کے لئے نہیں، میری زندگی کا اصلی تخیل صرف میری "بنتِ عم" تھی،
ان دونوں لفظوں میں خدا جانے کیا جادو تھا کہ میں ان پر جان دیتا تھا، چھریرے
جسم کی گوری چٹی، کشیدہ قامت لیکن وہ دبلی لڑکی میری آنکھوں میں پھرا کرتی تھی،
میں سمجھتا تھا، بڑھتی ہوئی عمر کا دبلا پا کیا؟ جوانی میں بھر کر اس کا حسن چودھویں کے
چاند کو نہ دبائے تو بات ہے؟ آخر وہ وقت آہی گیا، عذرا ۱۹ سالہ عذرا خیر سے نہایت

تندرست ہے، اور جوانی تو پھٹی پڑتی ہے، اس کا مقیاس الشباب میرے جذبات
عشق کا گویا "مجسمہ" ہے جس سے جوانانہ خوش فعلیاں میری بے لوث زندگی کا پاکیزہ
مقصد ہونگی، مدتیں اسی انتظار میں کاٹی ہیں، اب تو ضبط نہیں ہوسکتا!

ایک فلسفی کا خیال ہے کہ حکومت کی تمام اقسام میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ
اقتدار ہے جو ایک صحیح القویٰ نوجوان کو اپنی نازنین محبوبہ پر حاصل ہوتا ہے، عذرا پر
شاہانہ فتوحات میرا اور صرف میرا حصہ ہوں گی، اسی کا تخیل تھا جس نے ۲۵ برس تک
مجھے دنیا کی آلائشوں سے الگ تھلگ رکھا، ہاں پیاری "بنت عم"! میں تجھ سے
شرمندہ نہیں ہوں، جس طرح تو "اچھوتی صحنک" اور میری اور صرف میری ہے، کیا
ایک "جنس غیر" کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے کہ وہ بھی تیرا اور صرف
تیرا ہونے کی پوری قابلیت رکھتا ہے یعنی اس کا جسم مس کردہ غیر نہیں ہے، یہ صرف
تیرے پاک تخیل کا نتیجۂ اضطراری تھا، مجھ پر ایسا وقت گذرا ہے کہ خواہشات نفس نے
مسلسل مجھے بےچین رکھا ہے لیکن موجبات ترغیب سے ہمیشہ بچتا رہا، سیر و شکار، ورزش
جسمانی اور کتب بینی، بہتیرے مشغلے تھے جن سے الجھتا رہتا تھا لیکن سخت سے سخت
"تحیر جنسی" میں بھی مجھ کو صرف تیری ضرورت محسوس ہوتی تھی، دہکتے ہوئے شعلوں
کو دبی چنگاریاں بنا کر رکھا صرف اس لئے تھا کہ ایک دن جس طرح چاہتا ہوں تجھ پر
قابو حاصل کرسکوں،

کچھ معلوم بھی ہے، صرف ایک قوت کے مغلوب کرنے کے لئے مجھے کتنی تکلیف

قوتوں سے مقابلہ کرنا پڑا؟ آہ! اس کشمکش میں مرمر گیا ہوں، اس سے پاکبازی جتانی منظور نہیں، بلکہ یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ دریا کو کوزہ میں بند رکھنا اور نفسِ سرکش پر قابو حاصل کرنا فوق الفطرت قوتِ انضباط چاہتا ہے، شکر ہے کہ تیری امانت بالکل محفوظ ہے، اور کبھی تصرف کی نوبت نہیں آئی، ہائے میرے عالمِ خیال کی فضائے بسیط جس کی ہوا بھی دنیا کو نہیں لگی، کس قدر پاکیزہ اور اچھوتی ہے، عذرا! کیا کوئی امر تیرے بیوی بننے میں مانع ہے؟ کیا تیرا ہاتھ کسی اور کو . . . . "

عالمِ خیال کا دوسرا مُرقّع

سنجیدہ اور پاکباز عذرا اپنے عاشق کے پاس کھڑی ہوگئی ہے لیکن نہیں جانتی کیوں آئی، چہرے کی افسردگی، پاک جذبات اور دھڑکتے ہوئے دل کی غمازی کر رہی ہے، ڈوپٹہ کا آنچل سر اور شانہ سے ہوتا ہوا، پوری آستین کے شلوکہ پر اس طرح پڑا ہے کہ "رازِ سربستہ" کی کہیں سے پردہ دری نہ ہو، محوِ شوق نگاہ کے لئے آرایش کا کچھ اہتمام نہیں، یہاں تک کہ بالوں پر بھی کافی توجہ نہیں کی گئی، تاہم چرائے چھپائے جسم کی خوش ترکیبی کچھ کہہ رہی ہے، ہائے وہ قیمتی ساعتِ زندگی! اتنا وقت کہاں تھا کہ ترسی ہوئی آنکھیں تصویرِ خموشی کا جائزہ لے سکتیں، دونوں بُت بنے ہوئے تھے دفعتہً ایک نے بلائیں لیں، اور دوسری عشقِ ناکام کا ایک نیا سبق اور ٹھنڈی سانس بھرتی ہوئی جدا ہوگئی!

عالمِ خیال کا تیسرا مرقع

عذرا تصویر شباب بنی ہوئی ہے، لانبے بال جن میں اچھی طرح کنگھی کی گئی ہے عاشق کی پھانس کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں اچھیے ہوئے لباس نے دبانے پر بھی جوبن کی سرکشی پردہ پردہ میں دکھائی ہے، آنچل سامنے کچھ اس طرح ڈالا گیا ہے کہ انداز کہہ رہا ہے پردہ داری مقصود نہیں، بلکہ گول اور بھرے بھرے برہنہ شانے اور جوانی کے "فتنہ طناز" یعنی "حسنِ پردہ نشین" کا بانکپن دکھانا منظور ہے، سینہ کا حصہ افقی بالکل کھلا ہوا ہے، اور اودی اودی رگوں کے پیچ و خم و اعصاب کی کھینچ تان بتا رہی ہے "سرکشی" لباس کی ممنون نہیں بلکہ لباس خود سانچہ میں ڈھل گیا ہے، نہایت باریک ریشم کی ساری آنچل کے مروجہ حیثیت زیر سایہ زیب کمر ہے، نرم اور لچکدار جسم کے ساتھ قلم کا رساق بلوریں ساخت پردوں میں بھی پاکباز شوہر کے تار نظر کا مرکز بنی ہوئی ہے،

یہ سراپا بے جوش افزا کہہ رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "کہ نیت تم اپنے پیارے شوہر سے ہم آغوش ہو چکی ہے" آنکھوں میں شب آرزو کا خمار مستی ہے، اور ہنستے چہرے کی شگفتگی بتا رہی ہے جو دونوں کا مقصد تھا وہ پورا ہو کر رہا ہے وہ پاک اور اچھوتا تعلق جنہیں ہماری ہر قسم کی آزادیاں حسنِ عمل قرار پائیں شوہر کے بیباکانہ اور جوشیلے جذبات نے عذرا کی فضا سے لذت میں ایک آگ سی لگا دی، اور وہ سمجھی نئی زندگی کی خوشیوں میں سب سے زیادہ کس صیغہ پر زور رہیگا، اور دل ہی دل میں اس خیال سے خوش تھی!

(نقاد دسمبر ۱۹۱۳ء)

نظام الملک طوسی

ملک میں غیر ذمہ دار لٹریچر کی اس قدر افراط ہے کہ ہجوم عام میں خاص لٹریچر بھی غائب ہوجاتا ہے، اس لاجواب کتاب کی اشاعت میں جس قدر دیر ہوئی اس سے زیادہ ادبی گروہ کی طرف سے اسکی تقریب میں تاخیر ہورہی ہے کسی نے ایک آدھ کے سوا تنقید تو خیر خلوص سے چند سطریں بھی نہ لکھیں، ظلم ہوگا اگر "نقاد" باوصف ادعاے ادبیت خاموش رہے،

علامہ شبلی نے (ابھی "مرحوم" لکھنے کو جی نہیں چاہتا) "رائل ہیروز آف اسلام" سے اس سلسلہ کی بنیاد ڈالی، اور "خلافت" باستحقاق اپنے ادبی کارناموں کے لئے محفوظ رکھی لیکن مولوی عبدالرزاق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاک میں تھے، یہ دفعۃً منظر عام پر آئے ابھی نگاہیں اٹھنے بھی نہ پائی تھیں کہ یہ "وزارت" پر قابض ہو چکے تھے، اور انصاف یہ ہے کہ یہ اپنا درجہ قائم رکھ سکے "البرامکہ" کے بعد جو ان کا نقش اول ہے ان کی نظر انتخاب نظام الملک پر پڑی جو عہد سلجوقیہ کا نائب السلطنت اور مدبر اعظم ہے یہ انتخاب بجائے خود اس امر کی ضمانت ہے کہ مؤلف صحیح مذاق تصنیف رکھتا ہے اور استحقاق سے پہلے اس نے اپنا کام شروع نہیں کیا،

آجکل جمہوریت کا عنصر اس قدر غالب ہے کہ کسی زبردست شخصیت کی داستان کی طرف

اس وقت تک توجہ کرنا نہیں چاہتے جب تک مستقلاً اس تمدن کا خاکہ ہماری آنکھوں کے
سامنے نہ آجائے اور اسباب و نتائج کی تفریعات فلسفیانہ سے یہ نہ دکھایا جائے کہ کسی
گذشتہ قوم کے حالات عصریہ موجودہ دور کی خلاقی میں کس حد تک بالذات یا مؤثر
بوسائط ہیں، مثلاً عہد عباسیہ یا سلجوقیہ کو لیجئے، دیکھنا یہ ہے کہ ہم کو ان سے کیا ملا؟ یہ ارتقائی
زنجیر کی وہ کڑیاں ہیں جنکا تسلسل ہم کو ان اکتشافات سے قریب تر کردیگا جن پر ہماری
آیندہ تقدیرات کا انحصار ہے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ اب صرف "افسانۂ یاران کہن" نہیں
رہی بلکہ اس نے ایک مستقل فن یعنی فلسفہ کی صورت اختیار کر لی ہے اور کیا تعجب ہے ایک
وقت آئے کہ جس طرح "حال" "ماضی" کا نتیجہ اضطراری ہوتا ہے "مستقبل" کو ہم خود پیدا کرنے لگیں
یہ ایک نازک اور دقیق بحث ہے جسے میں یہاں پھیلانا نہیں چاہتا مقصود صرف یہ تھا کہ
اصناف لٹریچر میں فلسفۂ تاریخ جس قدر اہم ہے اس سے زیادہ اسکی تالیف کی ذمہ داریان سخت
ہیں، خاصکر جب اسکی تدوین آجکل کے ترقی یافتہ اور مغربی ضوابط تنقید کے ساتھ ہو،

موجودہ زمانہ میں تاریخ پر قلم آزمائی کا معیار قابلیت یہ ہے کہ مواد گذشتہ کو تصرفات کے
بعد ایک خاص حسن ترتیب سے اس طرح جلوہ گر کیجئے کہ عہد متعلقہ کا ایک صحیح مرقع پیش نظر
ہوجائے یعنی قانون شہادت کی اصطلاح میں جہاں "واقعات مؤثرہ" کی تفصیل چھوٹنے
نہ پائے "حشو و زوائد" یعنی "امور غیر مؤثرہ" سے بالکل غرض نہ ہو، غور کیجئے کہ یہ نزاکت تالیف
کیا چاہتی ہے؟ صرف ایک خاص طرح کا مادۂ اختراعی نہیں بلکہ صدیوں کے الجھے ہوئے
روابط علت و معلول کی عقدہ کشائی، اور یہ کس قدر مشکل ہے! ایک تراشیدہ پیر جب کسی دست

نازک کی زینت بڑھا رہا ہو کس قدر خوش ضیا، اور نفیس چیز ہے؟ لیکن پتھرون کے خورد و انبار سے ریزہ چینی آسان نہین، اسی طرح تاریخ کے ہزار ہا اوراق کی الٹ پھیر کے بعد جستہ جستہ مقامات سے واقعات کا پتہ لگانا جس سے قدیم لٹریچر کا ہیولی ایک مستقل تذکرہ کی صورت پیدا کرلے مؤلف کی قوت آخذہ کے ساتھ اس کی جامعیت اور کمال اجتہاد کی دلیل ہے،

اس تمہید کے بعد نظام الملک طوسی کو پیش کرنا چاہتا ہون، لیکن مضامین کی غیر ضروری تفصیل سے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ فہرست ترتیبی (انڈکس) دیکھیے جو دیباچہ اوصاف ہے، جس طرح ایک نازنین کا چہرہ مہرہ اور باریک آنچل کی شکنون کا ناقابل بیان رکھ رکھاؤ دیکھتے ہی اس کے اعضا سے متناسبہ کی خوش ترکیبی سمجھ مین آجاتی ہے، یہی حال انڈکس کا ہے کہ گوشوارہ پر ایک نظر سب کچھ دیکھ لیجئے، اوراق مابعد کی اچھائی برائی راز نہین رہتی لیکن ناظرین کو ایک چھب تو دکھانی ہوگی، اس لئے تصریحات کی جگہ صرف اشارون سے کام لون گا،

مؤلف نے کتاب کے دو حصے کیے ہین، حصہ اول مین طوس کی مختصر تاریخ، خواجہ کی ولادت اور ابتدائی حالات، تعلیم و تربیت، طالب علمانہ سفر، وزارت کا آغاز، خانگی زندگی، عام اخلاق و عادات، فضل و کمال، تصنیفات، علما اور مشاہیر وقت کی قدر دانیان، صوفیانہ اور ادبی صحبتین، تدریجی عروج اور اس کی تکمیل کے ساتھ دفعۃً سامان قتل جس سے دنیا کی بے وفائی کا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے، غرض لگے لپٹے واقعات جس قدر تھے

ایک ایک کرکے دکھائے گئے ہین جن سے خواجہ کی زندگی کے تمام مظاہر نگاہ کے سامنے آجاتے ہین اور جن کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نظام الملک وزارت اسلام مین کسی سے "دوم درجہ" پر نہین ہے،

دوسرا حصہ نہایت مہتم بالشان اور مرعوب کن ہے، اور نہین سے ہمارے لائق مؤلف "مولوی" نہین رہتے، عہدِ سلجوق کی سیاسیات پر جس قدر مواد یکجا کیا گیا ہے میرا خیال ہے کسی زبان مین اتنا سرمایہ یکجا نہین ملیگا، یہ بات کسی یورپ کی زبان مین ہوتی تو بڑے بڑے پروفیسر حوصلہ افزا تنقیدین لکھتے لیکن ہندوستان مین یہ دستور نہین اور شاید کبھی ہوگا بھی نہین، اسی سلسلہ مین مؤلف نے دکھایا ہے کہ دولت سلجوقیہ کے قیام وعروج کا باعث خواجہ تھا، اس کے وسیع کارنامے بتاتے ہین کہ جس قدر ترقیان اس عہد مین ہوئین ان کے لحاظ سے یہ سلطنت کا دست راست اور قوت عامل تھا سب سے زیادہ قابلِ قدر خواجہ کا "سیاست نامہ" اور "کتاب الوصایا" یعنی دستور الوزراء کا مجموعہ ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا نظام عصریہ خلافت اور وزارت کے لئے کس قسم کے "فردِ عمل" (پالیسی) کو جائز رکھتا تھا،

یورپ مین اس قسم کی چیزین تلاش کرکے پیدا کی جاتی ہین اور نوٹ وحواشی کے ساتھ بڑی آب وتاب سے ان کی اشاعت ہوتی ہے، مؤلف نے اگر اسے کتاب مین شامل نہ کیا ہوتا تو ایک قابلِ افسوس کمی رہ جاتی، آپ دیکھین گے نظام الملک کس قدر صحیح سیاسی دماغ رکھتا تھا، اور ان الجھاؤ کے سلجھانے پر کس حد تک قادر تھا جن پر کسی

سلطنت کی بقا یا فنا منحصر ہوتی ہے،

سیاسیات کے بعد خواجہ کے علمی ذوق کے تحت میں ہم علوم وفنون کی اشاعت، صیغۂ تعلیم کی اولیات اور اس وقت کے مذاق ادب کے ساتھ علما اور شیوخ کا مفصل تذکرہ پاتے ہیں، مؤلف نے کچھ نہیں چھوڑا، ادب عصریہ میں امیر معزی اور لامعی کا کلام فارسی لٹریچر کے شائقین کی ضیافت طبع کے لئے دیکھنے کے لائق ہے، اسی طرح "نظامیۂ بغداد" پر عربی زبان میں بھی کوئی مستقل مضمون نہیں لیکن مؤلف نے جس شرح وبسط سے تصریحات کی ہیں، واقعہ نگاری کا حق ادا کیا ہے، ایک خاص جدت یہ ہے کہ نہایت کثرت سے اضافی تصریحات (یعنی فٹ نوٹ) سے متن کی تزئین کی گئی ہے جس سے لائق قدر تالیف کے موضوع اصلی میں بہت کچھ وسعت پیدا ہو گئی ہے اور وہ صرف ایک "تذکرہ" (یعنی لائف) نہیں بلکہ عہد سلجوق کا ایک ایسا جامع لٹریچر ہے جس پر میرا خیال ہے کوئی معتدبہ اضافہ نہ ہو سکے گا،

خواجہ صوفیانہ اور شاعرانہ رنگ میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں، ان کی مجلسوں میں شیخ ابو اسحٰق فیروزی، امام الحرمین جوینی، ابو القاسم قشیری، ابو علی فارمدی ایسے بلند پایہ اصحاب جہان رونق بزم ہیں، ایک حلقہ مشاہیر شعرا کا بھی ہے جس میں امیر معزی، معین الدین طنطرانی، سید شریف نظام الدین اور قاضی شمس الدین بالتخصیص لائق ذکر ہیں، خواجہ کی جامعیت دیکھئے، ایک طرف صوفیانہ دائرہ ہے جس میں بڑے بڑے جبہ ودستار کا وزن گران "سنجیدگی" کی وقعت افزائی کر رہا ہے، دوسری طرف رندمشر

شعرائے عصر ہین اور شراب ادب" یعنی شاعری کا دور چل رہا ہے،

مؤلف نے خواجہ کے گاڑھے دوستون یعنی حسن صباح بانی فرقۂ اسماعیلیہ اور عمر خیام کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے، حسن صباح کو پروفیسر براؤن نے بھی اپنی کتاب" لٹریری ہسٹری آف پرشیا" مین وضاحت کے ساتھ جگہ دی ہے، اور ضرورت تھی کہ فاضل مستشرق سے موازنۂ خیالات کیا جاتا، لیکن آجکل کی آب وہوا ایک ایسے فلسفۂ سیاسی پر جو خطرناک حد تک عملی ہو رائے زنی کے لئے چندان موزون نہین شعلون کی بھڑک سے دبی چنگاریان باکیف ہوتی ہین،

خیام پر مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اردو لٹریچر پر پہلا احسان ہے جو اس حیثیت سے کیا گیا، اتنا مفصل ریویو جس مین خیام کی شاعری کے ساتھ اس کے تمام حکیمانہ کمالات آگئے ہین، غالبًا ایشیائی لٹریچر اس سے خالی ہے، یورپ نے خیام کی شاعری پر جس حد تک توجہ کی ہے، مؤلف نے اس پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے، اور صرف یہ حصہ اس قدر دلچسپ ہے کہ کتاب مین اگر کچھ اور نہ ہوتا تو یہی کافی تھا،

ضمیمہ مین ملک شاہ کا تذکرہ ہے جس سے عہد سلجوق پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کا پھر موقع مل جاتا ہے، مؤلف نے جہان تک ممکن تھا اس کتاب کی تکمیل کے لئے نہایت مستند ماخذون سے فائدہ اٹھایا ہے، اور یہ ان کی غیر معمولی خوش نصیبی ہے کہ ملکی لٹریچر مین اپنی دوسری تالیف سے ایک لائق رشک اور قیمتی اضافہ کر سکے، یہ چند سطرین کتاب کی تجدید تقریب یعنی محض یاد دہانی کی حیثیت سے ہین تنقید وہ بھی ایک عالمانہ تالیف کی فرصت

و لیاقت چاہتی ہے، جو قابل تر اصحاب کے لئے زیادہ تر موزون ہو،

کتاب ساڑھے سات سو صفحون پر قابض ہے اور آیوری کاغذ پر نہایت خوشخط چھپی ہو، جیسے حضرت آزاد کے دست ضعیف کا آخری کارنامہ سمجھنے، تصویرین اُسے نقشے دیکھنے کی چیزین ہین، اور لوح کی صنعت کاری تو بالکل ناقابل بیان ہے، جلد ولایتی، پشت پر سنہرے حروف مین نام، غرض مؤلف نے جو ابھی میری طرح جوان رہنا چاہتے ہین حُسن سیرت کے ساتھ اچھی صورت کے اہتمام مین پوری قوت صرف کر دی ہے، یہ لائبریری ایڈیشن اس لائق ہے کہ جو حضرات پڑھنے کے شائق نہین ہین وہ بھی آرایشاً اسے اپنے پاس رکھین،

یہان تک تو اوصاف کا ذکر تھا، نظر بد سے بچانے کیلئے کوئی ایسی بات پیدا کرنا چاہتا ہون جس سے تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے، لیکن غور کرنے پر بھی کوئی بات نہین ملتی، سوا اس کے کہ سیاست نامہ اور کتاب الوصایا ضمیمہ مین منتقل کیے ہین، مقصود یون بھی حاصل رہیگا، اور نکتہ چین یہ نہین کہہ سکیگا کہ حجم بڑھایا گیا ہے، اسی طرح دونون حصّون کے مضامین مشترک کی تقسیم پر نظر ثانی حسن ترتیب کو بڑھائے گی، یہ سب طبع ثانی مین (اگر نوبت آئے) ممکن ہے، لیکن میری ایک شکایت کا میرے لائق دوست کے پاس غالباً کوئی علاج نہین، یعنی بوڑھے "وزیر" کی سرگذشت مین کسی "عباسہ" کا پتہ نہین چلتا، جس سے فی الجملہ مجھے مایوسی ہوئی،

(نقاد ۔ سنہ ۱۹۱۴ء)

اُردو لٹریچر کا نقشِ اوّلین

اگر اردو لٹریچر کی ارتقائی تاریخ جہاں تک نثر سے تعلق ہے کبھی لکھی گئی تو جو
مرقع دفعۃً آنکھوں کے سامنے آئیگا وہ طبقۂ اوّل کے لکھنے والے ہونگے جن کو میں نے
"عناصر خمسہ" کی حیثیت سے کہیں دکھایا ہے، اور جو سرسید کے زمانہ سے پیدا ہوئے
آزاد کی زبردست شخصیت گو ایک حد تک سرسید کی تبلیغ سے بے نیاز معلوم ہوتی
ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہمعصری کی عزت ان کو بھی حاصل تھی، اور مذاقِ سخن کے لحاظ
سے وہ ادھر جھک پڑے جو سرسید کے لٹریچر کا خاصۂ امتیازی تھا، نذیر احمد جس حد تک
مستغنی رہ سکے ان کے خیالات و مقالات کا بہت بڑا حصہ خود اس فیصلہ کیلئے
کافی ہے، رہے حالی و شبلی کچھ شک نہیں کہ یہ تمام تر سرسید کے پیدا کردہ ہیں،

میں اس وقت طبقۂ ثانی کے اہلِ قلم سے قطع نظر کئے لیتا ہوں جو میرے دائرۂ
تحریر کے موضوع سے الگ ہیں، ورنہ اردو لٹریچر جب تک باقی ہے ریاض، احمد علی،
شوق، شرر اور سرشار ہمیشہ محبت آمیز عزت کے ساتھ یاد کئے جائیں گے، موجودہ لٹریچر
کی خلاقی میں یہ داہنے ہاتھ نہ سہی بائیں ہاتھ کی حیثیت قطعاً رکھتے ہیں، آج ریاض اور

شوق کی لطافت نثر گذشتہ تاریخ کا ایک بھولا ہوا سبق ہے لیکن کل کی بات ہے جب یہ دونون اپنے وقت کے بہترین پرچون مین داد سخن دے رہے تھے، آیندہ دنیا ان کو زیادہ سے زیادہ مٹی ہوئی شاعری کی حیثیت سے جانے گی لیکن سچ یہ ہے کہ نظم کے ساتھ یہ نثر کے بھی "آقا" تھے، دونون جوان تھے، جوبنون پر آئی ہوئی زبان بھی پری بنی ہوئی تھی "صحافت" رہ رہ کر جنبشِ قلم کی بلائین لیتی تھی، عورت کیسی ہی نازک ہون لیکن چھڑون کی دھیمی آواز مین جو کیفیت ہے اونچی ایڑی کے بوٹ کی کھٹ کھٹ مین نہین، آجکل کی کھڑی اردو کے مقابلہ مین ان کی زبان مین ایک خاص لچک اور نزاکت تھی شستہ، رفتہ محاورات کی برجستگی اور موقع موقع سے روزمرہ کی پیوند کاریان کس طرح دکھاؤن، دل کی بیچینی سطحِ کاغذ پر پھیلتی جاتی ہے لیکن حق ادا نہین ہوتا مختصر یہ کہ جس طرح دل نہین رہے، دلون کے اکسانے کا سامان نہین رہا، زمانہ کی ترقی کے یہ معنی ہین کہ بعض اجزا، ساتھ ہی ساتھ اس طرح مٹتے گئے کہ بجھے ہوئے چراغون کی طرح نہین پڑے ہین، لیکن جو آنکھین برقی خیرہ گری کی عادی ہو رہی ہین انھین فرصتِ ذوق کہان کہ ایک نگاہ ادھر بھی ڈالین، شرر و سرشار کی نسبت کچھ کہنا نہین چاہتا کہ یہ اپنی بقا کے آپ ضامن ہین، یعنی ایسی لائقِ رشک ہستیان رکھتے ہین جو مرنے کے بعد بھی فنا ہونے والی نہین،

مین پھر سلسلہ سے علحدہ جا پڑا، ہان تو یہ کہنا تھا کہ طبقۂ اول کی پاک روحون نے جو سرمایہ ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ کتنا ہی لائقِ ادب ہو لیکن سوال یہ ہے ان کے مرتبہ

کے لحاظ سے اس کی کیا حالت ہے، یعنی ہر مصنف نے اپنی تصنیفات مین کہانتک اپنا درجہ قائم رکھا؟

بادش بخیر، شبلی کے سوا مجھے خوف ہے، سب کم وبیش وہ نہین کرسکے جو انکی قابلیت کا بہترین مصرف تھا، پروفیسر آزاد کی فارسیت، اہل زبان سے دبتی ہوئی نہین تھی لیکن وہ اپنی نہایت قیمتی تالیف یعنی "جامع اللغات" کی تکمیل نہ کرسکے جو ان کی ساری عمر کی کمائی تھی، اسی طرح "تذکرہ شعراے فارسی" بھی جو خاص ان کے مذاق کی چیز تھی، مسودہ سے آگے نہ بڑھ سکا،

مولانا نذیر احمد کو اپنی اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ "قاموس الاسلام" (انسائیکلو پیڈیا) کے لکھنے کا خیال نہ آیا، وہ اس پیمانہ کو گھٹا کر کم سے کم "لغات اسلام" لکھ سکتے تھے اور یہ پھر بھی ایسی چیز ہوتی کہ یورپ اپنی فلسفیانہ تحقیق و تدقیق کے ساتھ ان سے آگے نہین جا سکتا تھا، آیندہ نسلون کے لئے قیمتی وراثت موجودہ مصنفین کی باقی رہنے والی یادگارون مین سب سے زیادہ پیش بہا ہوتی،

حالی، خوش صفات حالی سے ہم کو چندان شکایت نہین، "مسدس" کے "مقدمہ دیوان" اور "حیات جاوید" کے سوا اگر وہ کچھ نہ لکھتے تو ان کی بقا کے لئے اس سے زیادہ ضرورت نہ تھی، گو اس کا افسوس ہے کہ ان کی صحت اور عمر نے اتنا موقع نہ دیا کہ ان کی وسیع المشربی اور فلسفیانہ نکتہ سنجیان ان کے نتائج افکار کی تعداد مین کچھ اور اضافہ کرتین جس کی اس لئے زیادہ ضرورت تھی کہ ان کے بعد ان کے رنگ مین کوئی

قلم اٹھانے والا معلوم نہین ہوتا،

خاتم المصنفین شبلی نے ہمارے لئے کم و بیش ۵ ہزار صفحون کا ذخیرۂ ادب چھوڑا ہے، یہ لٹریچر کی وہ قیمتی صنف ہے جسے آجکل اصطلاح مین "تنقیدات عالیہ" (ہایر کریٹی سزم) کہتے ہین، آپ تو ہے کے چنے کہئے، اور میرا خیال ہے اسلام کے متعلقات مین اتنا بڑا سرمایہ اور وہ بھی اس قدر گرانمایہ کسی زبان مین موجود نہین ہے شبلی مین ایک خاص طرح کا مادۂ اختراعی تھا،

وہ ایک ہی وقت مین اعلیٰ درجہ کے مورخ، اعلیٰ درجہ کے ناثر، اعلیٰ درجہ کے شاعر، غرض مشرقی زبانون مین مختلف اصناف سخن کے پورے مالک تھے، اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یورپ کے مستشرقین کی طرح ان کا معیار تصنیف اتنا بلند تھا کہ میرا خیال ہے سیکڑون برس بعد بھی ان کی تصنیفات ٹکسال باہر نہین ہونگی، ایسا جامع حیثیات مصنف غالباً اب پیدا نہین ہوگا، ان کے تفصیلی کارنامے انشاءاللہ "دار المصنفین" دکھائے گا، لیکن مرحوم نے سب کچھ کیا، آنحضرت صلعم کی لائف کی تکمیل نہ کرسکے جس کا داغ ہمارے ساتھ وہ بھی لیتے گئے، اسی طرح مسلمانون کی عام تاریخ نہ لکھی جس کی سخت ضرورت تھی نہ "شعر العجم" کی طرح عربی لٹریچر کی تاریخ لکھنے کی نوبت آئی، اور سلسلے بھی ناتمام رہے جن کی تکمیل اب قیامت تک ہوچکی،

بات یہ ہے کہ جب ہمارے ہان محرکات مین اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ "ہر شغل خود اپنی مکافات ہے" تو ان اساتذہ سے جو کچھ ہمین ہاتھ آیا وہ بھی ہمارے استحقاق سے

کہین زیادہ تھا،

علی گڑھ ایک تاریخی قوم کی مرکزیت کا مدعی ہے، لیکن لاکھون روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی قوم نے کوئی دائرۃ التالیف قائم نہین کیا، نہ ان عناصر کو جن کے نام بار بار گن تا رہتا ہون وہ کبھی تصنیف و تالیف کے لئے یک جا کر سکا، اردو لٹریچر کا اطلاق صحیح معنون مین صرف ان ہی حکماے ادب کی دماغی پیداوار پر ہو سکتا ہے، اگر آپ کو اس سے اتفاق نہ ہو تو اسے اپنی قاصر النظری اور قوم کی "شامت اعمال" پر محمول کیجئے جس کو اتنا بھی احساس نہین کہ تصنیفی دور آخری تاجدارِ سخن یعنی شبلی کے ساتھ ہمیشہ کیلئے پیوندِ خاک ہو گیا،

سب تو سب حیدر آباد سی شایستہ ریاست کو یہ خیال نہ آیا کہ سید علی، آزاد، نذیر احمد اور حالی و شبلی کو جن مین آزاد کے سوا سب اس کے خوانِ نعمت کے خوشہ چین تھے، صرف تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیا جائے، یہ لوگ معقول وظیفون پر ایک جگہ رکھے جاتے اور یہ طے کیا جاتا کہ لٹریچر کی فطری ضروریات کے لحاظ سے کون کون کام ترتیباً زیادہ اہم ہین اور ان پر عالمانہ کتابین لکھوائی جاتین، سید علی سا ہمہ دان جہان موجود ہو، وہان "اکبری نورتن" کی طرح "پنجتن آصفی" کا عالمِ وجود مین نہ آنا ایک ایسی بدنصیبی ہے جس کی تلافی اب کبھی نہین ہو سکتی، "سلسلۂ آصفیہ" اگر برائے نام نہ ہوتا اور فرمانروائے وقت کو کچھ بھی دلچسپی ہوتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ "عہدِ عباسیہ" جہانتک ادبی فتوحات کا تعلق ہے نئے سر سے واپس آگیا ہے، لیکن گذری ہوئی بات کا رونا کیا، ہین پھر

یاد دلانا چاہتا ہون کہ ملک کا تصنیفی دور ہمیشہ کے لیئے ختم ہوگیا بیشک کتابین آیندہ بھی لکھی جائینگی لیکن میری غرض ردیات سے نہین اعلیٰ لٹریچر سے ہے جس کی فصل ایک دم سے ہمیشہ کے لیئے ختم ہوگئی،

ثبوت لیجئے اعلیٰ گڑھ کالج ۴۰ سالہ جد وجہد کے بعد ایک مصنف بھی اس وقت تک نہ پیدا کرسکا آپ جانتے ہین یہ کس بات کی کھٹکا رہے؟ نری انگریزی دانی سے خواہ وہ کسی پایہ کی ہو مشرقی طبائع مین مادہ نہین ہوتا۔ لڑکون کو یہ موقع نہین ملتا کہ وہ انگریزی سے پہلے یا ساتھ ساتھ عربی فارسی کی تحصیل کرسکین جس پر انکی مادری زبان کی ترقی کا انحصار ہی زبان عربی مین کتنی ہی دستگاہ ہو لیکن اس طرح لکھنا پڑھنا مشکل ہے کہ اہل زبان کو اس مین لطف آئے نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی ٹکسالی ہونے سے رہی اردو مین یہ اظہار خیال کرنا نہین چاہتے، یا صاف کیون نہ کہون ان کو آتی ہی نہین اور چونکہ اردو لٹریچر سے بیگانگی کو یہ اپنا شرف امتیازی سمجھتے ہین اس لیئے ان کے ہاتھون ابھی مدتون ہم کو اردو ادب مین کسی اضافہ کی امید نہین کرنی چاہیئے، اگر یہ صحیح ہے کہ کوئی قوم دنیا مین اپنے مجموعۂ خصائص سے علیحدہ ہوکر ترقی نہین کرسکتی تو صرف یہی نہین کہ آجکل کے نوجوانون کے لیئے مادری زبان کا رونا ہے بلکہ ایک وسیع حد تک ان کے مستقبل کی طرف سے بھی مایوسی ہے،

یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ جو بساط ابھی دیکھتے دیکھتے اٹھ گئی، یعنی لٹریچر کے جو حقیقی مالک تھے وہ قریب سب ایسے تھے جنھین مشرقی تعلیم نے پیدا کیا تھا، اور جنکو

"مغربیت" کچھ یونہی سی چھو گئی تھی لیکن ان کی قوتِ اجتہادی کا مظہر وہ معرکۃ الآرا بیش بہا ادبی
ادب ہے جو ورثہ مین وہ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہین، بہرحال نوجوان طبقہ کی بیگانہ وشی
بہت ہی لائقِ افسوس ہے لیکن دنیا مین کوئی کلیہ نہین جس مین استثنا نہ ہوا ہو، مین
دیکھتا ہون اس طبقہ مین ایک شخص ایسا پیدا ہوگیا ہے جو اورون کی ناک رکھ لیگا،
میری غرض لائق عبد الماجد سے ہے جو انگریزی کی تکمیل کے ساتھ اردو لٹریچر کا نہایت
صحیح مذاق رکھتے ہین، اور آج اُن کے قلم کے سایہ مین دو فلسفیانہ کتابین ایسی موجود
ہین جن پر ادبِ اُردو ناز کرسکتا ہے، چونکہ شروع ہی سے پیمانۂ تصنیف اونچا اختیار
کیا گیا ہے اس لئے آیندہ ہم کو ان سے بہت سے توقعات ہین، مین ابھی زیادہ
کھلنا نہین چاہتا کیونکہ ان کو نظر بد کے اثر سے بچانا ہے،

شبلی کا مطمحِ نظر ایسی ہی تعلیم تھی جس مین انگریزی کے ساتھ مشرقی زبانون کی
بھی تکمیل ہو اور آج ہم دیکھ رہے ہین، کہ "دار المصنفین" جو چند نوجوانون کے ہاتھ مین ہے
مرحوم کے خیالات کی تصویر مرئی ہے، جس قابلیت کے ساتھ مولوی سلیمان ندوی
ایک مختصر علمی جماعت سے کام لے رہے ہین اور جس پیمانہ پر وہ تالیف و تصنیف
کے صیغہ کو وسعت دینا چاہتے ہین، میرے دعویٰ کے ثبوت مین ہے کہ نری انگریزی
دانی کسی درجہ کی ہو قوم و ملک کیلئے جہانتک دماغی مشاغل کا تعلق ہے ایک بیکار
سی چیز ہے، "معارف" کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ رفقاے "دار المصنفین" کیا کرنا چاہتے
ہین اور خیر الاخلاف ہونے کی ان مین کہان تک اہلیت ہے، میرا خیال ہے

تصنیفی افق جو ایک دم سے تاریک ہو گیا تھا دفعتہً امید افزا ہو چلا ہے، اور اگر موجودہ رفتار بھی قائم رہ سکی تو اس علمی جماعت کی متفقہ کوشش سے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا جسکی نہایت سخت ضرورت ہے،

انجمن ترقی اُردو سے چندان اُمید نہین، لائق سکریٹری ہر سال چند بے غایت رسائل کی اشاعت کو فرض کفایہ سمجھتے ہین، لیکن اس قسم کی بے اصول اور خودرو اشاعت سے زبان کی ترقی نہین ہوتی، مین نہین جانتا اس وقت تک کوئی لائقِ ذکر کام کیا گیا ہے جس سے کسی حد تک زبان کا دائرہ وسیع ہوا ہو، مین "فلسفۂ تعلیم" کے بعد "فلسفۂ جذبات" اور "فلسفۂ اجتماع" کی اہمیت سے ناواقف نہین ہون لیکن ان کو چھوڑ کے محض طالبعلمانہ رسائل جن کا آئے دن اعلان ہوتا رہتا ہے، اور جن مین اظہارِ خیال کی حیثیت سے مجتہدانہ روح نہ ہو کس کام کے ہین، انجمن کو سرے سے یہی نہین معلوم یا وہ جاننا ہی نہین چاہتی، کسی زبان کی ترقی کے عناصر ترکیبی کیا ہوتے ہین، یہ بات حیدرآباد یا لکھنؤ مین چند افراد کی خودرائی سے طے نہین ہو سکتی، یورپ کے کسی مستشرق سے پوچھیے جو دنیا کے مختلف لٹریچر کے نظاماتِ طبعی پر غائر نظر رکھتا ہو تو وہ بتائے گا، دراصل آپ کے کرنے کے کام یہ ہین

(۱) جامع اللغاتِ اُردو،

(۲) محاورات،

(۳) لغات الاصطلاحات،

(۴) لغاتِ فارسی، جہان تک اُردو کی تکمیل کا تعلق ہے،

(۵) لغاتِ عربی،		بہ ترتیبِ جدید،

(۶) ادب العالیہ، (اُردو)		۱۲ ضخیم جلدون مین،

(۷) جامع القواعد، (اردو)

(۸) عقلیات (یعنی فلسفہ اور سائنس کی ہر شاخ پر ایک مستقل کتاب)

(۹) اردو انسائیکلو پیڈیا،

ارتقاے زبان کی قدرتی ترتیب یہ ہے کہ اس مین صالح لٹریچر کا کافی سرمایہ موجود ہو، حسنِ اتفاق سے ہمارے پاس ایسا ذخیرہ موجود ہے کہ ہم دنیا کی اور کلاسیکس (ادب القدما) کے مقابلہ مین اسے بے تکلف پیش کرسکتے ہین، اس کے بعد اُردو لغات کی تدوین و ترتیب ہے جس کی اہمیت اس قدر طے شدہ ہے کہ جبتک آپ اُسے ختم نہ کرلین کسی دوسرے موضوع پر ادھوری طبع آزمائی نیک نیتی کے ساتھ بھی دھو کا دینے سے پہلے دھوکا کھانا ہے، اردو لغات کے سلسلہ مین "فرہنگ آصفیہ" کو یاد نہ کیجیے جو حشو و زوائد سے بھری ہوئی ہے جسے کاغذی کاسۂ گدائی سمجھیے جس کی تدوین آجتک ختم نہ ہوئی، اور جس کے اجزا، ہزارون روپیہ ضائع کرنے کے بعد بھی یک طرحی او ہمرنگی نہ پیدا کر سکے، بہرحال سب سے پہلے آپ کو لغت تیار کرنا ہے، اور ایک ہی سانس مین روزمرہ اور محاورات کو یکجا کرنا ہے، جن سے زبان کی آرایش ہی نہین ہوتی بلکہ اسکی تزاکتین زبان کے حسن اور اسکی کیفیت کو بڑھاتی چڑھاتی رہتی ہین، آپ کو شاید یہ معلوم نہین کہ اردو اپنے ذخیرۂ محاورات کے لحاظ سے نسبتہً دوسری زبانون سے دوم درجہ پر نہین ہے،

اس نے دنیا کی اور کلاسیکس یعنی زندہ اور مستند زبانون سے جو کچھ لیا، اس کے سوا ذاتی سرمایہ بھی اتنا رکھتی ہے کہ مانگے تانگے کی ضرورت نہین لیکن سرمایہ کا بہت بڑا حصّہ جو امانت دار تھے ان کے ساتھ ضائع ہو چکا، بچے کھچے، بکھرے ہوے موتی دلّی لکھنؤ مین کچھ اب بھی مل جائینگے، ان کو سمیٹئے اور گلے کا ہار بنایئے،

جذبات عشق نے دنیا مین ہمیشہ مشقِ سخن کی ہے، اور نازک سے نازک پیرایۂ اظہار خیال پیدا کئے ہین، آج کسی کو فرصت و لیاقت ہو تو مشرق کو مغرب سے ٹکرا کر ایسی آگ پیدا کی جا سکتی ہے جو دلون کو جلائے گی نہین صرف گرمائے گی، لیکن جنکو گھر کی خبر نہین وہ غیرون کی نکتہ آرائیون سے کہان تک لطف اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہین، سرسری طور پہ دو مصرعے لیجئے جو جذبات مین ڈوبی ہوئی اس سے کہہ رہی ہے جس کے دل کی مالک ہی،

کر چکے تم تو دشت پیمائی — مجھ سے گھر بیٹھے خاک چھنوائی

اور دنیا کی کسی زبان مین یہ بات دکھا دیجئے جو ان نہایت سلیس لیکن فصیح مصرعون مین ادا کی گئی ہے، یہی وہ خصوصیت ہے جس سے آپ کی اردو بڑی بڑی آبرو دار زبانون پر فوقیت رکھتی ہے، ہزارون محاورات ہین جو دلّی اور لکھنؤ والون کے روزمرہ مین داخل ہین اور جن پر جان دینے کو جی چاہتا ہے، محاورات تو پھر بھی ایک چیز ہین، لیکن اس کے توابعِ مہمل بھی اتنے دلکش ہین کہ یہ کہین اور نہ دیکھئے گا، بیشک اردو فنا ہونے والی نہین اور وہ اس وقت تک زندہ رہے گی کہ بیویان تو خیر، گھر کی ایک ماما بھی

چمک کر "توج" کہنے والی موجود ہے، لیکن میری غرض یہ ہے کہ ایسی خوبصورت، ایسی خوش سیرت، ایسی لطیف و نکتہ خیز زبان اگر آپ کے ہاتھون اپنی عزت نفس کو قائم نہ رکھ سکی تو اس کا ہونا گویا نہ ہونا ہے،

ہان تو مین کہنا یہ چاہتا ہون کہ لغاتِ اردو کے بعد اصطلاحات کا درجہ ہے، یہ پہلی شق سے کم نہین ہے، مغربی لٹریچر کو اگر آپ اردو قالب مین ڈھالنا چاہتے ہین تو اس کے لئے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مصر سے ذخیرۂ الفاظ منگوائیے، میری غرض علوم و فنون سے زیادہ کمالِ انشا پردازی سے ہے، ہم اچھے سے اچھے خیال کو اردو مین اس لئے نہین لے سکتے کہ الفاظ نہین ملتے اس لئے دل کا ارمان پورا نہین ہوتا، یعنی ہم ایک خاص طرح کے گونگے ہین کہ سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کسی خیال کو اپنی زبان مین ادا نہین کر سکتے سکریٹری صاحب انجمن اردو نے اپنی ایک رپورٹ مین علم ہیئت کے مصطلحات کے جمع کرنے کی بشارت دی تھی، لیکن ممدوح کو یاد نہین رہا کہ "کار زمین" کی تکمیل سے پہلے "با آسمان پرداختن" ایک غیر طبعی بلند پروازی ہے، جس سے بجائے اس کے کہ لٹریچر کے مختلف زاویون کی توسیع ہو اس کی حق تلفی ہوتی ہے، اور یہی غیر منطقی ترتیب ہے جس سے آج تک صرف اتلافِ قوت ہوتا رہا، اور کوئی کام کی بات نہ ہوئی،

قوم مین لکھے پڑھے (صحیح معنون مین) تھوڑے ہین، ان مین بھی تھوڑے ہی ایسے ہین جو صحیح قوتِ فیصلہ رکھتے ہین، یا جن کے دماغ مین لٹریچر کے نازک مسائل کے جذب کرنے کی صلاحیت ہے، لیکن تعجب یہ ہے کہ نہایت موٹی باتین بھی ان

لوگون کی سمجھ مین نہین آتین جو ایک مخلوق بے غایت یعنی ۱۰ کروڑ "حشرات الارض" کی ادبیات کے نقیب بننا چاہتے ہین یقین کیجیے، ان دماغون کی ساخت دنیا کی علمی معلومات مین اضافہ کریگی جن کو ترکِ "فرائض" کا احساس نہین لیکن "نوافل" پر اصرار ہے" آپ کہتے ہین "البیرونی" اور "مقدمات الطبیعیات" پڑھو، جن مین ایک حرف مجتہدانہ نہین، مجھے نہایت ادب سے یہ عرض کرنا ہے کہ ان کے پڑھنے کے بعد بھی مین اتنا ہی کورا رہا جتنا استفادہ سے پہلے تھا، دوسری بیکار گئی جس کا افسوس ہے،

مین یہ لکھ رہا ہون اور عنقریب علی گڈہ مین دوم درجہ کی تالیفات کی دوسری کھیپ یا اس کا اعلان، ماہتِ حسنِ کارگذاری کا دفتر بڑھا رہا ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ لٹریچر صرف سادے کاغذ پر سیاہی پھیلانے سے کہان تک حقیقی فوائد حاصل کر سکتا ہے؟ وقت کا فیصلہ تو کچھ اور ہے، وہ صاف کہہ رہا ہے،

"این بجو ـــــــ مانمی ارزد"

بہر حال مصطلحات اردو اس قدر ضروری ہین کہ ان کے ہوتے کسی اور کام کو شروع کرنے کی ضرورت نہین، لغاتِ جدیدہ جس مین ایک فاضل مؤلف نے ۴۰ ہزار الفاظ جمع کر دیئے ہین آنکھ رکھکر نہ دیکھنے والون کی چشم نمائی کے لیئے کافی ہین، کم سے کم اس کے پانچسو صفحے تو ہون، خیالات کا سلسلہ ہے کہ ختم نہین ہوتا، اور مجھے ابھی کچھ اور کہنا ہے، کسی زبان کے ابتدائی نشو و ارتقا سے تدریجی کے لئے جس قسم کے وسائل ترتیبی کی ضرورت ہے ایک یورپین مستشرق کے خیال کے مطابق جستہ جستہ عرض کر چکا ہون، اور یہ وہ منطقی تر

ہے کہ اگر واقعی اردو لٹریچر کو زندہ رکھنا ہے تو ایک منٹ کے لئے بھی اس سے قطع نظر نہین ہو سکتی، مگر مشکل یہ ہے کہ کرنے والے کہان سے آئین گے، جو لوگ کر سکتے تھے وہ آج منون مٹی کے نیچے دبے پڑے ہین، علی گڈہ کی مقتدر جماعت نصف صدی کی مشق و مہارت کے بعد بھی اس لائق نہین کہ زبان کے مسئلہ پر اس حیثیت سے غور کرے کہ بقاے قوم کیلئے (اگر اسکی ضرورت ہو) سب سے زیادہ قوی عنصر یہی ہے، کانفرنس اس قسم کی تضیع اوقات پسند نہین کرتی، وہ ایک عملی چیز ہے، سر سید کے وقت مین ایک آدھ لکچر ایسے ہو جاتے تھے جن پر انشا پردازی کچھ دنون اترائی رہتی تھی، اب فرطِ سنجیدگی نے یہ سلسلہ بھی باقی نہین رکھا،

قوم مین بہیئتِ مجموعی جہانتک نفس لٹریچر کا تعلق ہے کوئی روح اجتماعی نہین، امرا کو صرف اسی کا شوق نہین، ملک مین کبھی کبھی خارجی اسباب سے عارضی تحریک پیدا ہو جاتی ہے، لیکن وہ باسی کڑھی کا ایک اُبال ہوتا ہے کہ آیا اور گیا، لٹریچر کا مذاقِ صحیح نہ پہلے تھا نہ اب ہے، یہ وہ راز ہے جس کی بے نقابی لٹریچر کے ساتھ مٹنے والی قوم کے مستقبل کو صدیون پہلے دفعتًہ ہمارے پیش نظر کر دیتی ہے، جس طبقہ سے بڑی امیدین تھین وہ "بالغ العلوم" ہونے کے بعد بھی اپنی زبان سے ناآشنا سا رہتا ہے جس کی خوش بیانی اور لطافت کا اُسے بالکل احساس نہین،

عورت کتنی ہی حسین ہو، لیکن چاہنے والا اسکی خوش ادائی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تو آرزوون سے بھرے دل پر کیا گذریگی، ایسا سہاگ کس کام کا جو جیتے جی بیوگی سے کبھی

گیا گذرا ہو، غرض اردو کی طرف سے یہ بے التفاتی ایک قومی مسئلہ ہے جس پر ملک کے شایقین ترقی کو اپنی سب سے پہلی فرصت مین توجہ کرنی چاہیئے،

مین پھر اعادہ کرتا ہون کہ تصنیفات کا دور ختم ہو چکا لیکن جو کتابین پڑھنے کے لائق ہین ان کو بھی لوگ نہین پڑھتے، اس سے زیادہ خراب حالت صحافت کی ہو جو رایج الوقت لٹریچر کو وقف عام کرنا چاہتی ہے، اخبار اور رسالے عالم وجود مین آنے کے بعد ایک وقت خاص تک آپ ہی آپ چلتے ہین یعنی شایع کرنے والون کی وضعداری اُن کو جاری رکھتی ہے لیکن آخر کبتک؟ بہار سے پہلے ان کے حصہ مین خزان آتی ہے، اور ان کی عنایت ہوتی ہے جنکی دماغی تفریح کے یہ جرائد ذمہ دار ہوتے ہین، خریدارون مین مشکل سے دو چار کو آپ زیر کفن پائینگے، ورنہ حصہ غالب ادائے قیمت کو ایک طرح کی شکست سمجھتا ہے،

تجارتی لٹریچر سے قطع نظر کیجئے، اچھے اچھے اخبار اور رسالے صرف چار دن کی چاندنی ہین کہ آئی اور گئی، بہتیرے بند ہو ہو گئے، کچھ سسک سسک کر چل رہے ہین، ایک آخری ہچکی کے ساتھ یہ بھی رخصت! یہ مادیت کا دور ہے، ہر چیز اپنی قیمت چاہتی ہے، نرے توکل سے کام نہین چلتا جسے آجکل فاقہ کا مرادف سمجھئے، ہمارے ہان جس طرح پڑھنے کا دستور نہین ادائے قیمت بھی شایستہ زندگی کا کوئی اصول نہین، اسلئے مدتون یہ امید نہین کہ صحافت ہماری زندگی کی رونق بڑھائے، اور جب سرے سے دو وقت کی روٹیون ہی کے لالے ہین تو سمجھ مین نہین آتا ایک فاقہ مست طبقہ خون جگر سے کہانتک ہمارے ادبی مذاق کی شادابی کو قائم رکھ سکتا ہے،

بہرحال اُردو کانفرنس ہو یا انجمن ترقی، اسٹیج کی خوش بیانی سے زیادہ ضرورت
اس کی ہے کہ ہم اس امر پر غور کریں کہ موجودہ نسل کو کس طرح اُردو دان بنایا جائے جس کی حالت
اس بگڑی ہوئی عورت کی سی ہے جو شوہر کے ہوتے "بوسے غیر" کی شایق ہو، اور وہ کون سے
وسائل ہیں جن سے طبائعِ عام کی بے التفاتی میں ترغیب و تشویق کی رُوح پیدا ہو سکتی ہے

یہ مسئلہ فی نفسہٖ اس قدر اہم بالشان ہے کہ اسے صرف اردو لٹریچر نہیں بلکہ قوم کی
زندگی سمجھئے، اگر اسے آپ سلجھا سکے یعنی قوم کے وجدان و مذاق میں جہاں تک زبان کا
تعلق ہے کوئی مستقل تغیر پیدا ہو سکا تو میرا خیال ہے فضائے تاریک بتدریج صاف ہوتی
جائیگی، اور جن تالیفات کی ضرورت دکھائی گئی ہے، ان کی ترتیب ہم کو اپنے مقاصد کی تکمیل
سے قریب تر کر دے گی، دنیا میں کوئی قوم دکھا دیجئے جس نے اپنی مادری زبان سے
علیحدہ ہو کر ترقی کی ہو، آج یہ طے شدہ ہے کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک اتحاد
مذہب کے ساتھ اس میں اتحادِ خیال اور اتحادِ زبان نہ ہو، مذہبی اتحاد کو تو تیرہ سو برس کافی
نہ ہوئے، اسی طرح امید نہیں کوئی قومی تخیل قوم کی مشترک خواہشات کا مرکز ہو،
لیکن زبان کی یہ حالت نہیں، مدت کی منھ لگی اور اختیاری ہے، فلسفہ کا یہ مسئلہ کہ
ہمیشہ ماضی اور حال کا نتیجہ اضطراری ہوتا ہے قریب قریب سائنس یعنی یقینیات کی حد
تک پہنچ گیا ہے، جو دور ابھی ختم ہوا ہے وہ لٹریچر کا "عہدِ زرّین" تھا، آپ کو صرف یہ
کرنا ہے کہ کسی طرح عہدِ موجودہ کو سنبھال لیجئے تو حصولِ کامیابی چنداں دور نہیں،
لیکن جس پیمانہ پر آپ آجتک چلتے رہے اس کی خود روی منزل بے غایت کی

ایک بھول بھلیاں ہی جس کے چکر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی آپ کو مقصود سے
ہمیشہ دور رکھیں گے اب بھی وقت ہی کہ پچھلی حماقتوں کی تلافی کیجیے، اور سوچ سمجھ کر
طے کر لیجئے کہ جہاں تک اردو لٹریچر کی ترقی نوخیر ابقا کا تعلق ہی دراصل ہم کو کیا کیا کرنا ہی،
میں پھر آپ کے ہاتھ میں سوسوا سو صفحوں کا ایک نامکمل رسالہ دیکھ رہا ہوں جسکو آپ دل ہی
دل میں اُردو کی لائق رشک فتوحات میں سمجھ رہے ہیں، مگر یہ میری چڑھ ہی آپ کی
خودرائی بزعم خود تعلیم یافتہ دماغ کی ایک اُپج سہی لیکن مجھ کو اگر آپ کی مجتہدانہ قابلیت
میں شک ہو تو لائق معافی ہوں، میں نہیں مانتا کہ آپ کی نظران نکات پر حاوی ہی جو
کسی زبان کی قدرتی ترقی کے عناصر مؤثرہ یعنی ایسے اجزاے ترکیبی ہیں جن پر قوائما دور
براہ راست زبان کا بننا بگڑنا منحصر ہے اس لئے بلاخوف تردید پھر کہنا چاہتا ہوں کہ
جبتک اردو کے پاس ایک ضخیم جامع اللغات اور محاورات و اصطلاحات کا پورا
دفتر نہ ہو آپ کی ناقص اور اوعائی گوشنشین نادان دوست کے خلوص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں
آپ شاہراہ سے کترا کر تنگ گلیوں اور ناہموار راستوں سے قطع منازل چاہتے
ہیں اور یہ جہاں تک کمالات علمی کا تعلق ہے ایک غیر حکیمانہ روش ہی، لٹریچر کا آخری
نوٹس یہ ہے جسے یاد رکھئے کہ

"عمارت کی ترمیم ہوگی یا عمارت خود نہ ہوگی"

(نقاد ۱۹۱۴ء)

ارتقائے ادبِ اُردو

بخدمت جناب اڈیٹر صاحب "معارف"

جناب من! مین نے اردو لٹریچر کے "نقش و رین" کے عنوان سے حال مین ایک مضمون لکھا تھا جس سے بعض حلقون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ "پرستاران شبلی" کے مقابلہ مین دراصل اس سے انجمن اردو کی تنقیص مدنظر تھی لیکن واقعی بات یہ نہین ہے مین نے انجمن کو اس کی اہم ذمہ داریون کے لحاظ سے ٹوکا تھا، یعنی توقعات زیادہ ہوتی ہین تو فروگذاشت کسی حیثیت سے ہو مایوس کن ہوتی ہے،

"انجمن" جو کچھ کر رہی ہے مین اسے قوم کی عام بے التفاتی کے لحاظ سے بہت قابل قدر سمجھتا ہون، اسی طرح مجھ کو "دارالاشاعت" لکھنؤ سے پوری ہمدردی ہے جو انجمن کے کارنامون کی مقدار کے ساتھ اس کی صفات کو بھی گران وزن کر رہا ہے، اور گو ایک غیر ذمہ دار حلیف "لطیف" نے "ظفر الملک" سے ایک موقع پر کیفیت نہین بلکہ جواب طلب کیا تھا، لیکن یہ بڑی ناشکری ہوگی اگر "ترقی اردو" کے آلہ محرک (لور) سے ایک منٹ کے لئے قطع نظر کیجائے، تاہم مین نہین مانتا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ قدرتی طور پر ہماری ضرورتیا

کے مطابق ہے،

ملک کی کسی تعلیم یافتہ جماعت نے کبھی اس پر غور نہین کیا کہ ہر چیز ایک نظامِ طبعی رکھتی ہے اور اردو زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین ہے کانفرنس ہو یا انجمن ترقی اردو زبان کا مسئلہ کبھی اس حیثیت سے پیشِ نظر نہین رہا، یہانتک کہ ان لائقِ ادب افراد نے ذہن کے دل و دماغ کے نتائج آج اردو کا بہترین سرمایۂ ادب ہین) منفرداً یا استفساً کبھی یہ جاننے کی کوشش نہین کی کہ لٹریچر کی فطری ضروریات کے لحاظ سے کون کون سے کام ہین جنپر نسبتاً سب سے پہلے توجہ ہونی چاہیے، اور دراصل ترقی اردو کے نظامِ ترکیبی کا اقتضائے طبعی کیا ہے

یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ ملک مین جہانتک مختلف اصنافِ سخن کا تعلق ہے لٹریچر کا ذخیرہ بڑھ رہا ہے لیکن کیا یہ انتشارِ عمل کسی قاعدہ کلیہ کے تحت مین ہے، یا ہم اس سے کسی حقیقی فوائد کے متوقع ہوسکتے ہین؟

مین نے اسی خیال سے پروفیسر "براؤن" آف کیمبرج کو جو آجکل کے مستشرقین یورپ مین ایک زبردست شخصیت رکھتے ہین، اور جن کو مشرقی لٹریچر سے خاص دلچسپی ہے، لکھ کر دریافت کیا، ممدوح کی راے کے مطابق ہم کو ترقیِ زبان کے لئے سب سے پہلے تالیفاتِ ذیل مرتب کرنی ہونگی،

(۱) جامع اللغاتِ اردو،

(۲) محاورات،

(۳) لغات الاصطلاحات،

(۴) لغاتِ فارسی، جہانتک اردو کی تکمیل کا تعلق ہے،

(۵) لغاتِ عربی، بہ ترتیبِ جدید،

(۶) ادب الاساتذہ، ۱۲ ضخیم جلدون مین،

(۷) جامع القواعد اُردو،

(۸) عقلیات، یعنی فلسفہ اور سائنس کی ہر شاخ پر ایک مستقل کتاب

(۹) اُردو انسائیکلو پیڈیا، جو ضابطِ علومِ عصریہ ہوگی،

کسی زبان کو سرمایہ دار اور با اصول کرنے کی یہ قدرتی ترتیب ہے جس سے "براؤن" کی رائے کے مطابق قطعِ نظر نہین ہو سکتی، ہم کو محض بے غایت رسائل کی اشاعت سے خواہ وہ فی نفسہ مفید بھی ہون، صرف مطبوعات کی تعداد بڑھانی نہین ہے، بلکہ ان وسائل کی تکمیل کے ساتھ جو زبان کی ترقی کے لئے لازم ہین، یہ بھی دیکھنا ہے کہ نا آشنایانِ سخن کو کس طرح زبان کا دلدادہ بنایا جائے،

اس کے لئے فاضل پروفیسر کی رائے ہے کہ کثرت سے "صالح لٹریچر" کی اشاعت کی جائے، اسی طرح ضخیم لغات کی ترتیب کے بعد اردو، فارسی اور عربی کی لاکھون جلدین "لغات المبتدی" کی حیثیت سے مرتب کی جائین اور اس کثرت سے شائع کی جائین کہ بچہ بچہ کے ہاتھون مین ہون،

میرا خیال ہے، پروفیسر براؤن کی یہ اسکیم نسبتہً اس قدر ضروری ہے کہ اس کا ذکر اگر آپکے وسیع پرچہ مین نہ آئے تو لٹریچر کی حق تلفی ہوگی،

(معارف ۱۹۱۶ء)

شبلی سوسائٹی

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا ــــ کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

حیدرآباد کی "بزم ادب" چاہتی ہے کہ ایک شبلی سوسائٹی قائم کی جائے جس کے مقاصد ہلکے ہوں یعنی شبلی اکیڈمی کی طرح سخت اور ٹھوس نہ ہوں، لیکن قبل اس کے کہ میں اس قسم کی سوسائٹی کی ضرورت پر نظر ڈالوں، مجھے دیکھنا ہے کہ جس کی یادگار قائم کرنی ہے وہ کس پایہ کا شخص تھا،

کم و بیش ۲۰ برس ہوئے مولانا نے مشرقیات پر طبع آزمائی کے لئے جہانتک اسلامی علوم کا تعلق ہے ایک اسکیم تیار کی تھی جو خواص تک محدود رہی اور جس کی عام طور پر اشاعت نہیں کیگئی، اس کی تفصیل ممدوح کی زبان سے سنئے، مولانا فرماتے ہیں:-

تھوڑی دیر کے واسطے یہ فرض کرنا چاہئے کہ زمانہ اپنی موجودہ ضرورتوں کے ساتھ قائم ہے لیکن بجائے موجودہ نسل کے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا میں آگیا ہے، اس حالت میں غور کرو، اس گروہ کے علمی مہمات کیا ہوں گے؟ اس سوال کا جواب قیاسی اور فرضی نہیں بلکہ اصول تجربہ کے موافق دیا جاسکتا ہے، علما سلف

اوران کے علمی کارنامے دونون ہماری آنکھ کے سامنے ہین، نیز ہر شخص جانتا ہے کہ دولت عباسیہ کے زمانہ تک تمام اسلامی علوم بالکل سادگی اور یک رُخی کی حالت مین تھے، دولت عباسیہ کے وجود کے ساتھ جب نئی ضرورتین پیدا ہوئین تو دفعۃً ایک انقلاب ہوگیا، سب سے پہلے علمار کا ایک گروہ پیدا ہوا جس نے یونانی، فارسی، سریانی، کالدی، ہندی، اور قبطی زبانون کے علوم وفنون ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان مین منتقل کردیئے ایک دوسرے گروہ نے ان نمونون کو سامنے رکھکر اسلامی علوم کے سادہ ایوان پر مینا کاریان اور نقش آرائیان کین، عقائد نے علم کلام کی صورت اختیار کی، عربیت نے رنگ (معانی وبلاغت) کا قالب بدلا، اصول فقہ مین منطقی استدلالات پیدا ہوگئے، تفسیر مین فلسفہ کی آمیزش ہوگئی، فرائض مین علم حساب کے دقیق اصول شامل ہوگئے، ان باتون کے ساتھ علوم قدیمہ کی غلامی نہین کی، بلکہ جو کچھ کیا آزاد وخود مختار بنکر کیا، جہان غلطیان دیکھین، اصلاح کی، جو فضول حصہ تھا اس کو الگ کردیا، پریشان اور غیر مرتب مسائل نئے سرسے درست کئے جس قدر حصہ اسلامی علوم مین تحلیل ہوسکتا تھا، تحلیل کیا، جو بالکل جدا تھا اس کو مستقل حیثیت سے قائم رکھا،

مولانا مزید گہرافشانی یون فرماتے ہین :-

آج بعینہ اسی قسم کی حالت اور اسی قسم کا موقع ہے، یورپ نے تمام علوم فنون کا قالب بدلدیا ہے، فلسفہ نے بالکل نئی صورت اختیار کی ہے، منطق مین نئے

برگ وبار پیدا ہوئے ہین، معانی و بلاغت کا اسلوب بدل گیا ہے، تاریخ ایک قسم کا فلسفہ بن گئی ہے، مذہبی مباحث کے نئے نئے پیرایے نکل آئے ہین،

اسی گذشتہ مثال کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ آج اگر اسلاف موجود ہوتے تو علوم و فنونِ جدیدہ کو پیشِ نظر رکھ کر وہی کرتے جو انھون نے علومِ قدیمہ کے ساتھ کیا تھا علم کلام کو فلسفۂ جدیدہ کے مقابلہ مین مرتب کرتے تاریخ اور واقعہ نگاری کا انداز بدلتے، مسائلِ جدیدہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھتے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام علوم و فنون کے متعلق قدیم وحال کی تحقیقات کا موازنہ کرتے، اور دونون کے عیب و ہنر دکھا کر فیصلہ کرتے کہ کیا چیزین کس حد تک قبول کے قابل ہین، اور نئی تحقیقات کو علومِ قدیمہ کے ساتھ کیونکر پیوند دیا جاسکتا ہے، یا ان کے نمونہ پر علومِ قدیمہ کی روش کیونکر بدل سکتی ہے، یہ سچ ہے کہ آج قوم مین "غزالی" و "رازی" موجود نہیں لیکن ان کی تصنیفات آج بھی موجود ہین، اور وہ ہمارے لئے چراغِ راہ بن سکتی ہین، ان کی روشنی مین ہم اس قدر معلوم کر سکتے ہین کہ نئے راستہ مین کیونکر قدم اٹھانا چاہیئے، اور قدیم وجدید راہیں کہان جا کر مل جائین گی،

ان موضوعاتِ ابتدائی کے بعد مولانا کے خیال مین ان کامون کی تفصیل جو اس زمانہ مین اسلاف کے نمونے پر کئے جاسکتے ہین حسب ذیل ہوگی،

(۱) فلسفۂ حال کے اصول اور اس کا معتدبہ حصہ ملکی زبان مین لایا جائے،

(۲) یہ بتایا جائے کہ فلسفۂ حال کے کون کون سے مسائل مذہب کے خلاف ہین،

پھر ان مسائل کو یا رد کیا جائے، یا مذہب سے تطبیق دی جائے،

(۳) جس قسم کے مضامین پر آجکل یورپ میں تصنیفات ہو رہی ہیں اور جن پر اسلامی تصنیفات بھی موجود ہین، ان میں موازنہ کر کے بتایا جائے کہ مسلمانون کا طرزِ تصنیف کیا تھا اور یورپ کا طرزِ تصنیف کیا ہے، مثلاً تاریخ اسمار الرجال معانی وبلاغت تحقیقات مذہب میں عربی زبان میں کثرت سے تصنیفات موجود ہین، ان ہی مضامین نے یورپ میں نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہیں، موازنہ کر کے بتانا چاہئے کہ دونون کے مختلف خصوصیات کیا ہین، اور کس کو کس حیثیت سے ترجیح ہے،

(۴) خالص اسلامی علوم مثلاً کلام، فقہ، اصول تفسیر وغیرہ کی تاریخ اور ان پر ریویو لکھا جائے یعنی یہ کہ یہ علوم کب پیدا ہوئے، کیونکر بڑھے، کس کس زمانہ مین کیا کیا باتین ان پر اضافہ ہوتی گئین، اور کن اسباب سے ہوئین، ان کا کس قدر حصہ صحیح ہے، کس قدر تنقید اور اصلاح کا محتاج ہے،

(۵) فارسی اور عربی شاعری اور انشا پردازی کی تاریخ لکھی جائے،

(۶) جن نئے عنوانون پر یورپ میں مضامین لکھے جا رہے ہین، اردو زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے لائے جائین،

(۷) مسلمانون کی تہذیب و تمدن پر تاریخانہ مضامین لکھے جائین، مثلاً انتظام عدالت انتظام محاصل، پبلک ورکس، تعلیمات، تجارت، فوجی نظم ونسق، معاشرت، غرض اس قسم کے تمام امور کی نسبت مورخانہ طور پر لکھا جائے کہ مسلمانون نے ان چیزون

ہیں کہاں تک ترقی کی، اور کس کس عہد مین کیا اضافہ ہوا؟
ظاہر ہے کہ مقاصد جو دکھائے گئے ہین ان کی تکمیل ایک دو شخص کا کام نہین بلکہ ایک مجمع العلماء کا کام تھا لیکن مولانا اپنی زندگی مین جو کچھ کر سکے اسکو پھیلانا اور تفصیل سے دکھانا "دار المصنفین" کا کام ہے، ہمارے سبک مقاصد کے لئے صرف اتنی ہی ضرورت تھی کہ اس جامع الحیثیات مصنف کی دماغی وسعت کا ایک سرسری خاکہ ہماری آنکھون کے سامنے ہو اور بھولا ہوا سبق یاد آجائے،

ہم کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ پرستاران شبلی مولانا کو غزالی اور شاہ ولی اللہ سے کم نہین سمجھتے لیکن منحرف طبائع کو معلوم نہین کہ آجکل کے دور مادیت مین کسی کی عظمت کے لئے محض خوش عقیدگی کافی نہین، فوقیت کا راز ان دماغی تصرفات مین ہے جو صرف حکماے ادب کا حصہ ہوتے ہین، ہم ان صاحبون کو ایک حد تک "غیر مکلف" سمجھنے کے لئے تیار ہین جن کے نظام عصبی کا مستقر سر سے ان مسائل کے ادراک کی قابلیت نہین رکھتا، یا جن کی نفسیت غیر شاعرہ ہمارے زاویۂ نگاہ کا ساتھ نہین دے سکتی لیکن اس کے ساتھ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ قوم سخت بدنصیب ہے جو اپنے مصنفین کے (جو صرف انگلیون پر گنے جا سکتے ہین) نتائج افکار پر فخر نہین کر سکتی، ہم شبلی کو صرف اس لئے چاہتے ہین کہ وہ خالص ادیب تھے اور اپنے اونچے معیار تصنیف کے لحاظ سے متاخرین ادبا مین کسی سے دوسرے درجہ پر نہین تھے یعنی ان کی عظمت جو کچھ ہے ان کی ادبی اور تاریخی تصنیفات کی بنا پر ہے،

بہرحال ہم کو اس شریفانہ جذبہ کے لئے جہاں تک لٹریچر کی تحسین شناسانہ کا تعلق ہے، معذرت کی ضرورت نہیں ہے، اور ہم بلا خوفِ تردید مولانا کے وسیع ذخیرۂ ادب سے صرف "شعر العجم" کو لیتے ہیں جو تنقید عالیہ (ہائر کریٹی سزم) کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے جس پر دنیا کی کوئی زبان ناز کر سکتی ہو یہی کتاب ہے جو "خیام کلب" کی طرح ہماری سوسائٹی کو ایک متحد الغایۃ نظام کے تحت میں لا سکتی ہے، جس طرح "فٹز جیرلڈ" کی ملہمانہ شاعری نے خیام کو یورپ میں زندہ کر رکھا ہے، اور آج خیام کے پرستارون کا بہت بڑا حلقہ پیدا ہو گیا ہے "شعر العجم" مین بھی بالخاصہ یہ کہربائیت موجود ہے کہ وہ کم سے کم تعلیم یافتہ طبقہ کے منتخب افراد کو کسی ایک مرکز پر لا سکتی ہو، مجھ کو اصرار ہے کہ صرف اردو لٹریچر مین نہین بلکہ مشرق کی کسی زبان مین اس پایہ کی تصنیف موجود نہین ہے

فارسی زبان کی لائقِ ذکر خصوصیات مین جن کی تفصیل کا یہ موقع نہین، اس کا وسیع ذخیرۂ الفاظ، شستہ، رفتہ طرز بیان اور اداے خیال کی بہتری جدت آمیز نزاکتین ہین، جن کی بنا پر آج بھی وہ زندہ زبانون مین کسی سے پیچھے نہین، ایسی لچکدار زبان کی شاعری جو جذباتِ انسانی کی برانگیختہ کرنے والی ہو، اور جس مین خود نفسِ انسانی مخاطب صحیح ہو آپ سمجھ سکتے ہین کہ کیا پایہ رکھتی ہے، نثر کو اگر "ضروریاتِ زندگی" مین رکھئے تو شاعری اپنی اداے خاص کے مابہ الامتیاز کے رو سے اُن "تکلفات" کا نام ہے جن سے کوئی شایستہ اور متمدن قوم قطعِ نظر نہین کر سکتی، بہرحال "شعر العجم" دنیا کی سب سے شیرین زبان کے جذباتی لٹریچر کا ایک مرقع ہے جس مین مصورِ فطرت شبلی نے اس

طبقہ کو زندہ کیا ہے جو مرنے کے بعد بھی غیر فانی ہونے کا مستحق تھا، اور ہم ایسے شخص کی یادگار مین کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہین جس کی تفصیل آگے آتی ہے،

شعر العجم کا چوتھا حصہ جس مین مولانا نے شاعری پر عام تنقید کی ہے پوری کتاب کا روح روان ہے، مولانا کے کمالِ انشا پردازی اور سخن آفرینی کا یہ حصہ اصلی جولانگاہ ہے جس مین انھون نے اپنا زورِ قلم دکھایا ہے، فردوسی[1] پر جس طرح نظر ڈالی ہے اس کے کمال کی باریکیان جس جس طرح ابھار کر دکھائی ہین، سچ یہ ہے کہ اس سے پہلے ادھر ذہن بھی منتقل نہین ہوسکتا تھا اور یہی نکتہ سنجی کی آخری حد ہے جس مین وہ اپنے معاصرین سے علانیہ ممتاز نظر آتے ہین، لیکن یہ حصہ صرف مثنوی پر ختم ہوگیا ہے، بقیہ اصنافِ شاعری یعنی تشبیب و غزل، قصائد و رباعیات وغیرہ کے سلسلہ مین مولانا نے عشقیہ، صوفیانہ اور فلسفیانہ شاعری کے مستقل عنوانون سے دادِ سخن دی ہے، جو حضرات لٹریچر کا مذاقِ صحیح رکھتے ہین وہ اس حصہ کی "عطریات" کا اندازہ کرسکین گے، مین ان اجزا کو اس قدر اہم سمجھتا ہون کہ کتابی سلسلہ سے علیحدہ جہانتک شاعری کی ماہیتِ نفسی (سایکالوجی) کا تعلق ہے دونون حصے بجاے خود ایک مستقل چیز ہین، لیکن افسوس ہے کہ پانچوان حصہ جسکا مسودہ موجود ہے، اس وقت تک پریس مین نہ جاسکا،

---

[1] فردوسی کو اپنے کلام کی داد زندگی مین نہ مل سکی، لیکن مولانا نے جس طرح اسکی تلافی کی ہے اچھے اچھے اہل قلم کو اس پر رشک آئیگا، پروفیسر براؤن بھی جو طبقۂ اعلیٰ کے لکھنے والون مین ہین تحقیق کے ساتھ مذاقِ سخن کہان سے لاتے، ان کی تاریخ الادب اس حیثیت سے بہت پھیکی رہی،

بہت کم لوگ ہین جنھون نے شعر العجم پڑھنے کی تکلیف گوارا کی ہوگی، ان مین بھی
تھوڑے ہی ایسے ہین جن کو شاید یہ علم ہو کہ شبلی کی آخری تصنیف کا سب سے آخری حصہ[1]
اس وقت تک شائع نہ ہو سکا، اور ایسا تو ایک بھی نہین ہے جسے اسکی اشاعت
کی ضرورت کا احساس ہو، "معارف" کا خیال ہے کہ طبقۂ متوسط مین فرض شناسی کا
احساس پیدا ہو گیا ہے، لیکن امرا مین نہین، اگر تھوڑی دیر کے لئے اس سے اتفاق
ممکن ہو تو علمی دنیا کے لئے یہ بالکل نیا اکتشاف ہوگا، جہانتک اردو انشا پردازی
کے مذاق کا تعلق ہے کوئی روح عامہ موجود نہین ہے، دو چار کام جو ہوئے ہین وہ محض
اس لئے کہ ان مین امرا کا "طلائی ہاتھ" ایک حد تک شریک ہے، لیکن یہ فیاضی
بھی اضطراری ہے، احساسی نہین،

مختصر یہ کہ پانچوان حصہ نہایت دلچسپ ہے، اس مین صوفیانہ شاعری کی ارتقائی
حالت کے سوا عشقیہ شاعری کے تفصیلی ریویو مین عرب اور عجم کے جذبات کے دقیق
امتیازات دکھائے گئے ہین جس کا ایک حصہ "معارف" مین نکل چکا ہے، ناظرین آنکھ
اٹھا کر ایک نظر دیکھ لین، یہ نزاکتِ خیال، یہ خوش بیانی اب کہان؟

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

اسکی اشاعت "شبلی سوسائٹی" کے فرائض مین سرفہرست ہونی چاہئے، ورنہ فارسی

---

[1] تین سال سے یہ کتاب پڑی ہوئی ہے، اس کے طبع کرنے مین زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ روپیے صرف ہونگے مگر کیا
شبلی سوسائٹی مین ۳۰ ارکان بھی ایسے نہین مل سکتے جو دس دس روپیہ اس کیلئے جیب سے نکال سکین،

شاعری کی سائیکلو پیڈیا ناتمام رہ جائے گی،

مولانا کے مضامین یعنی "مقالاتِ شبلی" پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ہوگی جس کی ترتیب میرا خیال ہے نظرِ ثانی چاہتی ہے، جہانتک مین استقصا کر سکا، کم و بیش ۳۶ مضامین اور ہین، جن سے مقالات کی دوسری جلد تیار ہو سکتی ہے، ان چھوٹے چھوٹے خطبہ ہا سخن مین مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہین، مثلاً "فلسفۂ یونان و اسلام"[1] جس کے متعدد نمبر ہین

تاریخ کا یہ ایک اہم سوال ہے کہ مسلمانون نے اپنے دور مین فلسفہ و سائنس پر کچھ اضافہ و ترمیم کی یا نہین، یا جیسا بارہا کہا گیا ہے "وہ ارسطو کی گاڑی کے صرف قلی تھے" یورپ کے جن مستشرقین کا فیصلہ ہمارے حق مین ہے وہ بھی اس لحاظ سے چندان وقیع نہین کہ یہ فیصلہ اجتہادی نہین، بلکہ عربی فلسفہ کی سرسری واقفیت پر مبنی ہے، بلکہ مولنا نے دکھایا ہے کہ مسلمانون نے فلسفۂ یونان کو کس حالت مین پایا، ان مین کیا کیا تصرفات کئے، اسی طرح "فلسفۂ اسلام" مین علومِ جدیدہ سے بحث کیگئی ہے، یعنی یونانیون کا فلسفہ کیا تھا، فلسفۂ حال کیا ہے؟ مسلمانون کے فلسفہ کو دونون فلسفون سے کیا نسبت ہے؟

یہ معرکۃ الآرا سلسلہ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ناتمام رہا، ابن رشد کا مضمون بھی

---

[1] فلسفۂ یونان و اسلام نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵
(۲) فلسفۂ اسلام نمبر ۱، ۲،
(۳) الاسلام نمبر ۱، ۲، ۳
(۴) ابن رشد نمبر ۱، ۲، ۳
(۵) شعر العرب نمبر ۱، ۲، ۳، ۴

الغائیتہ ۴ - ایک ہی خاندان کی شاخین ہین، جن سے ایک مستقل رسالہ تیار ہوسکتا ہے، اگر رسائل شبلی اور مقالات کے مضامین یکجا کر دیئے جائین اور "عالمگیر" کا مضمون بھی شامل کر لیا جائے تو دو نہایت ضخیم جلدین تیار ہوسکتی ہین،

نہایت ضروری ہے جس کے فلسفہ پر یورپ مدتون جیتا رہا، گو مولانا اس کی تصنیفات اور اجتہادات پر ریویو نہ کرسکے "شعر العرب" کے چار نمبر شعر العجم کے مقابلہ مین ہماری قابلِ افسوس ناداری کے لحاظ سے پھر بھی غنیمت ہین،

ایک کام جو دراصل شبلی سوسائٹی کے کرنے کا تھا اس کی اوّلیت دار المصنفین کے حصہ مین رہی، میری غرض مکاتیبِ شبلی کی دو جلدون سے ہے، جو مولانا سید سلیمان کی تہذیب (ایڈیٹری) مین نہایت نفاست سے شائع ہوئین، عہد جدید مین کوئی مثال ایسی نہین ہے جس مین کسی مصنف کے نجی خطوط جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور جس کے اجزا چھ سو صفحون پر پھیلے ہون جس طرح آجکل خوش لباسی کی شرط یہ ہے کہ اس مین کم سے کم پیدا کردہ بیساختہ پن[1] ہو، یعنی کہین سے اہتمام نہ پایا جائے، لٹریچر کا وہ حصہ بہت دلچسپ ہوتا ہے جس مین آمدِ سخن یعنی برجستہ ادائے خیال کی حیثیت سے تکلف مقصود و اہتمام کو کچھ دخل نہین ہوتا، یہ بات صرف پرائیوٹ تحریرات مین ہوسکتی ہے جس کا وقتی اظہار مافی الضمیر کے سوا یہ نہین ہوتا کہ وہ گھونگھٹ سے باہر آئین، لکھنے والے کو بالکل خبر نہین ہوتی، لیکن اسکی سرسری جنبشِ قلم غیر ارادی طور پر اس کا روزنامچۂ زندگی مرتب کرتی جاتی ہے جس مین اس کے اصلی جذبات و احساسات کے خط و خال دیکھ لیجئے، یہ بھی ایک طرح کی مرقع نگاری ہے، جس مین نزاکت یہ ہے کہ انشا پرداز اپنی تصویر خود اپنے قلم سے کھینچتا ہے،

---

[1] LTUDIED NEGLIGENCE

ایک دوست کی جو مغربیات کا نہایت صحیح مذاق رکھتے ہین، خواہش تھی کہ اس مجموعہ کی ترتیب تاریخی حیثیت سے ہوتی تھی لیکن یہ اس لئے نہین ہوسکا کہ موادِ ترکیبی ایک وقت مین پیش نظر نہین تھا، مدتون ان بکھرے ہوئے موتیون کے لئے لائق اڈیٹر کو جانے کہان کہان کی خاک چھاننی پڑی، اس کے سوا مختلف اشخاص سے مولانا کے روابط کی نوعیت بھی جداگانہ تھی، کسی ایک سلسلہ یا موضوع خاص کی تحریرین تاریخی ترتیب سے "خواب پریشان" کی طرح منتشر ہوجاتین جس سے وہ موزونیت جو اب ہے باقی نہین رہ سکتی تھی، بہرحال اُردو لٹریچر مین میرا خیال ہے یہ ایک قیمتی اضافہ ہے اور چونکہ مولانا کی تصنیفات کی طرح ان مین بھی "انشا پردازانہ فصاحت و بلاغت" موجود ہے، اس لئے دارالمصنفین کے "خوانِ ادب" کا یہ وہ لطیف حصہ ہے جسے آپ لائٹ لٹریچر کہہ سکتے ہین، اس مین ابھی بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے، اور ہم امید کرتے ہین، ہماری سوسائٹی تیسری جلد کے سامان کی فراہمی مین کافی دلچسپی کا اظہار کرے گی،

اسی سلسلہ مین ایک اضافی کام اور ہمارے کرنے کے لائق ہے، یعنی ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے شبلی کی یادگار مین ہم کو خیام کی رباعیات کا ایک نفیس ایڈیشن شائع کرنا ہے، ہم کو "خواجہ حافظ" کے ساتھ بڑھی ہوئی حسن عقیدت کے مقابلہ مین غریب خیام کے وجوہ حق تلفی پر غور کرنا ہوگا، مشرقی اقوام نے مذہب سے علیحدہ ہوکر کبھی زندگی پر نظر نہین ڈالی، خیام کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے صرف اس

حصہ سے غرض رکھتا ہے جو "از گہوارہ تا گور" سے آگے نہیں بڑھتی، کیا یہ الحاد ہے؟ قطعاً
نہیں! مذہبی مذاق بالخاصہ موجودہ زندگی کو اگرچہ حرفِ غلط نہیں سمجھتا تھا تاہم اس کا میلان
طبعی یہ ہے کہ اصلی زندگی کا آغاز قبر کے اس سانچے میں ڈھلنے کے بعد ہوتا ہے، لیکن خیام
جو کچھ سامنے ہے یعنی مادّی زندگی سے قطعِ نظر کرنا نہیں چاہتا، اس کا دائرۂ موضوع
ہستی موجودہ یعنی "نقد" ہے "ادھار" نہیں، یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ اپیکورین فلسفہ کی کورانہ
تلقین یعنی صرف ایک طرح کی خوش عیشی سکھاتا ہے، اخلاقی تعلیم کی بڑی سے بڑی غایت
یہ ہے کہ وقتِ موجودہ سے جہانتک ممکن ہے جائز استفادہ کا کوئی پہلو رہ نہ جائے
خیام بھی یہی کہتا ہے کہ "کل" جو گذر گئی، بیکار سی چیز ہے، جو آئے گی وہ غیر اختیاری ہے
زندگی "آج" اور صرف آج کا نام ہے،

ایشیا نے خیام کے ساتھ افراطِ سنجیدگی سے ہمیشہ بے اعتنائی کی، بیچارہ یورپ کے
ہاتھوں جی رہا ہے، ہم کو اس سرد مہری کی تلافی کرنی ہے، سب سے پہلے "فٹز جیرلڈ" کی
نظم کو اُردو میں لینا ہوگا، ہمارے پاس کافی مواد موجود ہے جس سے ہم یہ بتلانے
کے لائق ہونگے کہ اس کے خیالات کا ماخذ کیا ہے، یعنی خیام کے سوا اس نے اپنے
سلسلۂ خیال میں اور کس کس سے فائدہ اٹھایا ہے، اصلی کام یہ ہوگا کہ خیام کا آکسفورڈ ایڈیشن
جو غالباً سب سے قدیم نسخہ ہے، اور جس میں رباعیات کا فوٹو لیا گیا ہے، اردو ترجمے اور
حواشی کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کیا جائے، اس اشاعت کی امتیازی خصوصیت
یہ ہوگی کہ خیام کے فلسفۂ زندگی پر، سوسائٹی کے "عالمِ نفسیات" کا تفصیلی ریویو ہوگا، ا

کیا تعجب ہے اس سلسلہ مین ہم اس پر بھی غور کر سکین کہ خیام کی شرابِ انگوری کھنچ کھنچ کر شرابِ معرفت کیون بنی؟ اس پہلو سے ہم تصوّف کے ان مسائل پر ایک نظر ڈال سکین گے جو براہِ راست علم النفس کی زد پر ہین، اور کچھ نہ کچھ اس راز کی عقدہ کشائی ہو سکیگی جس کی وسیع الکیفی کی لائق رشک خصوصیت یہ ہے:-

«مشکِ مے بودن و ہم رنگِ مستان زیستن»

سب سے آخر مگر دراصل کسی سے پیچھے نہین، مولانا کی فارسی اور اُردو نظم کو یکجا کرنا ہے جو باوقاتِ مختلف ٹکڑے ٹکڑے یا پارچے ہو کر چھپتی رہین، بہت سی پھول پتیان ہین جنکے اجزا سے پریشان بکھرے ہوئے ہین اور جنمین کوئی ہیئتِ مجموعی نہین،

کسی نازنین کی زلفِ عنبرین جو شانون پر بکھرتی ہوئی حسنِ انتشار کے ساتھ کمر سے نیچے جا پڑی ہو، کیفیت سے خالی نہین ہوتی لیکن "گرہِ شب"[1] یعنی جوڑے کی بندش اس سے زیادہ دلکش اور خوش ترکیب ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ اوراقِ منتشر کا ایک گلدستہ بنایا جائے

لمبنی کی نازک خیالیان گویا میری جوانی کے قصے ہین جو مولانا کی زبان سے ادا ہوئے"[2] آپ داد دین یا نہ دین، شاعر کو بالکل اس کا احساس نہین اس کا عالمِ خیال خود ایک دنیا ہے، ذرا جذبات کا تموج دیکھئے گا، سمندر کے کف سے ایک پری نکلی، لیکن بالکل عریان جس کے بالون سے قطراتِ آب موتی کی طرح ٹپک رہے ہین، اس کے

---

[1] بہم کردہ موئے بصد پیچ و تاب — گرہ داد شب را بسر آفتاب

[2] "مصنف کی داد" یہ خیال ایک نہایت حسین مرقع کے ذریعہ سے ادا کیا گیا ہے جسمین مغربی آرٹسٹ نے اپنا کمالِ فن دکھلایا ہے،

نازک سے ہاتھ میں ایک ساغرِ شراب ہے، وہ شاعر کی طرف بڑھتی ہے عنبر بکھیرتی ہوئی، یاقوتی ہونٹھوں پر ایک معنی خیز تبسم ہے نازک خیالی جس کی بلائیں لے رہی ہے، ذرا شاعر کی کافرادائی دیکھئے، شراب کبھی منھ سے نہیں لگی صرف زبان پہ چڑھی تھی، لیکن اس نے چھلکتا ہوا جام دفعۃً خالی کردیا!

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمھارے شباب کی

کہیں یہ "آبِ حیات" تو نہیں تھا؟

بہرحال جس نازک خیال اور نفیس المذاق نے عجم کی شاعری کو اپنے زورِ قلم سے زندہ کیا ہو، اس کے کلام کی ترتیب کم ضروری نہیں، یعنی کلیاتِ شبلی کے ایک خوبصورت اڈیشن کی اشاعت ناگزیر ہے، اس میں وہ اخلاقی اور سیاسی نظمیں بھی ہوں گی جو "کشافیات" کے پردہ میں "الہلال" میں وقتاً فوقتاً نکلتی رہیں یہ ترتیب تاریخی حیثیت کی ہوگی، جس سے مولانا کی شاعری کی تدریجی رفتار اور اس کے ارتقائے نفسی کا اندازہ ہو سکے گا،

یہ خیالات جن کے اظہار میں جلدی کر رہا ہوں "شبلی سوسائٹی" کے دائرۂ مقاصد سے باہر نہیں ہیں، ابھی اصل مسئلہ کی طرف توجہ کرنی ہے، میری غرض ان تحریکات سے ہے جن سے کسی طرح تعلیم یافتہ طبقہ اردو کا شیدائی بنایا جا سکے، تصنیف و تالیف کی چنداں فکر نہیں کہ نہیں نہیں پر بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے "انجمن اردو" نے بعض لاجواب اور قیمتی کتابیں شائع کیں، اور اس کا آیندہ نظامِ عمل (پروگرام) بھی وسیع لائنوں پر ہے،

"دار المصنفین" بھی اپنا درجہ قائم رکھنا چاہتا ہے، اور خواص کی پیاس کے لئے "لقمہ ماہی" تیار رکھتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ ان اُوسون پیاس کا بجھنا آسان نہین یعنی ہماری علمی تشنگی کے لحاظ سے برف مین لگی ہوئی چند بوتلین کافی نہین تھین، مگر اب کہ "ہز رائل[1] ہائنس فرمانروائے دکن" کے سایۂ عاطفت مین "عثمانیہ یونیورسٹی" قائم ہو رہی ہے، اردو کا دائرۂ اثر بہت بڑھ جائے گا، یہ فیاضانہ اسکیم اگر "سرخ فیتے" یعنی جن کے ہاتھون مین انتظام ہے آشنائے فن ہو کر خوش سلیقگی سے چلا سکے تو باوصف اس کے کہ ابتداءً ایک مقامی تحریک ہوگی، اردو کی وسیع قلمرو مین اس کا اثر برقی رَو کی طرح دوڑ جائے گا، اور یہ ایسا چشمۂ جاریہ ہوگا جس کی شاخین ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہون گی، بشرطیکہ ہم وقت سے فائدہ اٹھا سکے اور اس وسیع الاثر تجویز کے نتائج کو مستقل کوشش سے وقعتِ عام کر سکے،

آج ہم مین بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ صرف خوش وضعی (فیشن) پر جان دیتا ہے، اس کا لباس منتخبہ (کوٹ پتلون) اس کی امتیازی زندگی کا ایک ایسا مظہر ہے جس سے وہ باوصفِ کم استطاعتی قطع نظر نہین کر سکتا، اس کی لطافتِ خیال نئی وضع کے دھرے کالرین ریشمی ٹائی کی چھپتی ہوئی نشست سے آگے نہین بڑھتی، گلے کی

۱؎ آمدِ سخن کا ایک اضطراری تصرف ہے، لیکن اگر رائلٹی یورپ کی اودی اودی رگوں کی روانی خون کے ساتھ مخصوص نہین ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ "مشرق کے سب سے بڑے شہزادے" کے لئے جو اپنے وسیع ذرائع مالی و اقتصادی کے ساتھ اپنے لائق رشک سن وسال کے لحاظ سے دنیا کے بہتیرے تاجدارون سے کم نہین ہے، ہم "شاہی" انتساب کو کیون نہ جائز رکھین،

"بندش" کا ترجمہ اگر کہیں ہم رنگ موزے اور رومال سے ہو گیا، پھر تو اس کے تخیل کی
تکمیل کے لئے موجودہ دنیا میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی، آپ یہ نہ سمجھیں
میں اس خوش لباس حیوانِ ناطق کو اول درجہ کے معیار سے گرا کر آدم کی ابتدائی پوشش
پر لانا چاہتا ہوں، میری غرض صرف یہ ہے کہ یہ طبقہ جس طرح ظاہری ٹھاٹھ کا گرویدہ
ہے، دماغی آرائش بھی اس کا مطمحِ نظر ہوتی، اور یہ اردو لٹریچر سے اتنا مانوس ہو سکتا کہ
ادبی رنگ رچ کر نکھر جاتا جس سے قوم دنیا میں آبرودار ہو کر رہتی،

آج ہماری سیاسیات کی جو کچھ حالت ہے ظاہر ہے، ہماری "اقلیت"
انتشار ورات کی حیثیت سے قومی تر عناصر میں بتدریج جذب ہوتی جاتی ہے اور
ہم ظاہرا بہت کچھ ابھرتے نظر نہیں آتے، بیشک جو مطالبے گورنمنٹ سے کئے جاتے
ہیں وہ ملک کے قدرتی حقوق ہیں لیکن جبتک فاتح و مفتوح کی زبان و مذہب اور
قومیت ایک نہ ہو، گورنمنٹ کے فرد عمل (پالیسی) میں ہمارے جذبات کی کہاں تک
رعایت ہو سکتی ہے، لیکن خیر اس کی مشکلات سے قطع نظر کیجئے، کیا اس بدنصیب
برِاعظم میں سیاسی مصالح کی بنا پر بھی کوئی متحدہ قومیت کی روح موجود ہے، یا کبھی
ہو سکتی ہے؟

مسلمانوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ آئے تھے حکومت کرنے لیکن اس طرح
جم کر رہ پڑے، جیسے کوئی خانہ برباد پردیس میں، اگر بات بگڑ گئی تو دیس پہنچ جاتے،
اس غلطی کی تلافی تو اب ہو چکی لیکن سوال یہ ہے کہ سات کروڑ اشرف الموجودات

جنہیں کوئی ہیئت مجموعی نہیں، ہمارے کس کام کے ہیں؟ ہندوستان کی اصلی قوم ہم کو اضافی اور خارجی عنصر سمجھتی ہے، غیر جگہ ہمارے پھیل پڑنے سے یہی نہیں ہوا کہ ہم نے اپنی اصلیت اور یکرنگی کھوئی، بلکہ اپنے ساتھ ان کو بھی لے ڈوبے جن کا یہ اصلی وطن ہے اور جو ان کی مختص التوع اغراض کے لحاظ سے دراصل ان کے لیئے خلاصۂ دنیا تھا،

آج آپ ایک جداگانہ قوم (؟) کی حیثیت سے اپنی گذشتہ روایات (؟) کی بنا پر خاص خاص مراعات چاہتے ہیں، لیکن اگر اصلی قوم میں گھل مل بھی جائیے یعنی خوش ذائقہ "بریانی" سے دستکش ہو کر "کچی رسوئی" پر آرہیئے تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہونا ہے کہ شرکت کی ہانڈی چورا ہے میں! بہرحال فضا سے امید کسی رُخ سے دیکھئے غیر حوصلہ افزا ہے،

لیکن اس دورِ حریت میں اگر آپ اپنا ادب (لٹریچر) بھی کھو بیٹھے تو تاریخ آگے چل کر آنکھیں دکھائے گی کہ ترقی تو خیر، جس نقطہ پہ ہم کو اپنی روایاتِ سابقہ کی بنا پر قائم رہنا تھا وہاں بھی نہ ٹھہر سکے "آجکل کی جنگی اصطلاح میں" ادبی حیثیت سے ہماری یہ "شاندار پسپائی" آئندہ دنیا کے لیئے واقعۂ عبرت ہوگی،

کس قدر غیر منطقی خیال ہے کہ ہم برادرانِ وطن سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اردو کو ہماری طرح اوڑھنا بچھونا بنائیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ کوئی قوم اس وقت تک اپنے لیئے مستقبل نہیں پیدا کر سکتی جب تک اس کی ابتدائی رفتار کی بنا سے اساسی منازل ارتقائی کے سلسلہ میں اس کی گذشتہ عظمت پہ نہ رکھی گئی ہو، یہی گذشتہ عظمت ہے جو کسی قوم

مین ہیئت مجموعی پیدا کرتی ہے، ہندی کے قومی زبان بنانے کا راز یہی ہے جو بھولے
مسلمانون کی سمجھ مین نہین آتا، خوب یاد رکھئے! ہندی مسئلہ کی تجدید چند تاریک خیال
دیہاتیون کے مخروطی دماغ کی جدت آمیز اختراع نہین ہے، بڑے سے بڑا روشن
خیال، اور تعلیم یافتہ ہندو بھی اس زبان سے دست بردار نہین ہوگا جس کو وہ اپنی قوم
کی "اسپرٹ" دیکھنا چاہتا ہے، یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد اس کی متحدہ قومیت
کے تمام مفردات ایک ایک کرکے حلقہ زن ہون گے،

مسلمانون کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ فریمسنون کا ایک راز ہے جو سینہ بسینہ منتقل
ہو رہا ہے، اور پاس کے پاس ہم کو کچھ خبر نہین ہوتی، ہندی[1] کی دبے پاؤن مگر نہایت
مستقل ترقی دراصل اردو کے گلے کی چھری ہے جو ایک دن اس کا خون کرکے رہیگی،
حکومت بھی رنگِ غالب کا ساتھ دیگی، اس لئے مین عرض کئے دیتا ہون کہ اگر مسلمانون
کی یہی غفلت رہی تو زیادہ نہین پچاس برس کے بعد آپ جانتے ہین کیا ہوگا؟ اردو
کا وہی رنگ ہوگا جس کا ایک دھندلا سا خاکہ حال مین "ہمدم" کے لائق اڈیٹر نے پیش
کیا تھا، کفر وہ بھی کعبہ مین! لکھنؤ اردو کا گہوارۂ طفلی نہین بلکہ اس کا عشرت کدۂ شباب
رہا ہے، لیکن وقت کی بات ہے، جس چیز پر ہم کو ناز تھا، جو ہمارے لئے گرمیِ محفل
کے سامانون مین نہین بلکہ شرطِ زندگی تھی آج سرے سے اس کا وجود ہی معرضِ خطر

[1] مین یہ لکھ رہا ہون دفعتہً "ہندی لٹریری کانفرنس" کی خبر آئی، جس کی پہلی نشست مین صرف ایک
رئیس نے دس ہزار روپئے، مقاصد کے نباہنے کو دئے، اسے ناگری پرچارنی سبھا کا تختِ روان سمجھئے،

مین ہے اگر ہندی نے رفتہ رفتہ ہاتھ پانون نکالے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے وضعدار بیویون مین بڑے پانچون کی جگہ جو خوش ادائی سے کھونسے جاتے ہین گاڑھے گزی کی ساریون کو رواج دیا جائے، جسے دیہات کی کثیف عورتین نصف ساق تک لپیٹ لیتی ہین،

منہ پر آئی ہوئی بات رکتی نہین، اور مین سلسلۂ گفتگو مین آپ سے جانے کیا کیا کہنا چاہتا ہون، خاصکر اس خیال سے کہ جہان آواز کی رسائی نہین تحریر مقاصد دلی کی وکیل بن سکتی ہے، مختصر یہ کہ یاران وطن نے اردو کو لنگوٹی بندھوا دی ہوتی لیکن کثرت یاس کبھی امید کا پیش خیمہ بنجاتی ہے، دفعتہً واقعات نے کروٹ لی، اور اردو جو کل تک کس مپرسی کی حالت مین تھی آج شاہی دائرۂ نظر مین ہے، جھونپڑون کی رہنے والی اور محلون کا خواب! بات بنتے کچھ دیر نہین لگتی اس غیر متوقع اعزاز کے ساتھ اس کی آبرو کا نباہ جیسا بار بار کہہ چکا ہون ہمارے نوجوانون کے ہاتھ مین ہے، اس کی چلتی ہوئی تدبیر یہ ہے کہ جدید تالیفات کے سوا جو پڑھنے کے لائق ہون حکماے ادب کی تصنیفات[1] ایک ایک کرکے پیش نظر رکھئے جس طرح صوفیہ کو تزکیۂ نفس کے لیئے ریاضات شاقہ کے سلسلہ مین بہتیرے "مقامات" طے کرنے پڑتے ہین، آپ کے وظائف عمل کے لئے "عناصر خمسہ"[1] کے اکھڑون پر نظر

---

[1] میری غرض آزاد و سر سید و نذیر احمد اور حالی و شبلی کی تصنیفات سے ہے، متاخرین میں یہی ارواح قدسیہ ہیں جنکو موجودہ لٹریچر کی خلاقی میں جہانتک طبقۂ اعلیٰ کا تعلق ہے، سب سے زیادہ دخل ہے،

کا ایک دفعہ جما لینا کافی ہوگا، اسی لئے سب سے پہلے آپ کو "فلسفۂ عشق" یعنی "شعر العجم" کی چاٹ
پر لگانا چاہتا ہوں، یہ تو فرائض ہوئے، نوافل میں "معارف" کا ورود ناہموار ناگزیر سا ہو
اور "شبلی سوسائٹی" کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ہوگی،

آجکل کے دورِ سر فروشی میں کیا سات کروڑ میں سات لاکھ نہیں، سات ہزار نہیں،
سات سو "رضاکار" فدایانِ سخن بھی نہیں مل سکتے جن کی زندگی کا بہترین تخیل "معشوقۂ
ادب" کی پرستش کے سوا کچھ نہیں، جس کا حسنِ افسردہ سفارشی ہے، کہ بے التفاتی کی جگہ
گرمجوشی سے پیش آئے، یہ جہان چاہنے والے کے گلے کا ہار بننے کو تیار ہے، ہر شخص
کے قابو میں آنے والی چیز نہیں، اس پاکیزہ وشی کے ساتھ جدت یہ ہے کہ بوڑھی
ہونے والی نہیں یعنی شراب کی طرح کہ جتنی پرانی ہو با کیف ہوتی ہے، اسے بہار
بیخزاں سمجھئے، اس سے زیادہ آپ کے جذبات کی رعایت کیا ہوگی،

کل کی بات ہے، مسلمان اپنے ادب (لٹریچر) کے سب سے زیادہ دلدادہ تھے
یہ جذبہ متوارث آپ نے کہاں کھویا! کیا یہ آپ کی عزتِ نفس پر حرف لانے والی بات
نہیں کہ "انجمن ترقی اردو" اور "دار المصنفین" کی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) تصنیفات کی دو چار سو
جلدیں بھی سال میں نہیں نکل سکتیں، اور گرد خوردہ اوراق الماریوں کی چھاتی کا بوجھ
بنے رہتے ہیں، دنیا کی تاریخ میں آپ کوئی قوم دکھا سکتے ہیں جس نے مانگے تانگے کی
نہیں، اپنی مادری زبان سے بے نیاز رہ کر کبھی ترقی کی ہو، ترقی تو خیر مجھے کہنا چاہیے
دنیا میں باقی رہی ہو، ان نکات کو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں، ضرورت جو کچھ ہے

یہ ہے کہ آنکھیں کھول کر دیکھئے، وقت کا فتویٰ کیا ہے، ضائعات کی تلافی گو آسان نہین، لیکن تریاقِ غلط کاری کو آزما تو دیکھئے اس گئی گذری حالت مین بھی اگر آپ دل پر رکھ لین تو اپنی گذشتہ روایات کا زندہ کرنا بڑی بات نہین،

ذوقِ علمی شراب کا سا چسکا ہے کہ ایک دفعہ جہان منہ لگی پھر نہین چھوٹتی، مین آپکے لیئے اسے حلال کیئے دیتا ہون، خود شوق کیجئے اور اپنے اپنے حلقہ ہاے اثر مین اس مذاق کو چمکائیے، صرف شرط یہ ہے کہ ایک کے ہو رہیئے، اور اس طرح اس شغلہ کو چھیڑیئے کہ اغیار بھی کہہ اٹھین :-

خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشان کا
جو آنکھین ہون تو نظارہ ہو ایسے سنبلستان کا

"خیام" کا "شبلی" ایڈیشن جب شائع ہوگا، ہوگا! اس کے الفاظ یاد رکھئے کہ زندگی آج اور صرف آج کا نام ہے،

"شبلی سوسائٹی" کے مقاصد کی باقاعدہ تفصیل، اس کا نظامِ ترکیبی، اور وہ جزئیات جن سے "خیام کلب" کی طرح ارکانِ سوسائٹی ادبی اخوت کی سلکِ ریشمی مین منسلک ہو سکین، "حیدر آباد" کی بزمِ ادب کے لائق افراد کا موضوع آیندہ ہوگی،

(معارف ۱۹۱۸ء)

حیدرآباد کی بزمِ ادب

پیارے ایڈیٹر! مین نے نہایت افسوس کے ساتھ ان مناقشات کو دیکھا جس کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے، اور مجھے خوف ہے کہ "بعض نادان دوستوں کی وجہ سے ریاست کے اعزاز کو غیر ذمہ دار اشخاص کی لائقِ نفرت جنبشِ قلم سے نقصان پہنچے گا،

آجکل بیرونی دنیا پر یہ اثر پڑ رہا ہے کہ اگر کسی نے وہان یہ کہہ دیا کہ "طائرِ شوخ رنگ" کان لے گیا، تو ایک دم سے نگاہین فضا سے آسمان پر اٹھ جاتی ہین لیکن پاس کے پاس دستِ شوق اپنے اپنے کانون کا جائزہ نہین لیتے،

مسٹر عبدالماجد پر جو لے دے رہی، وہ قطعِ نظر اس کے کہ قومی بدنصیبی کی ایک نمایان مثال ہے، اس کا ایک رخِ تاریک یہ بھی ہے کہ سوسائٹی کے اونچے طبقات کو علمی مذاق سے ایک حد تک ناآشنا ثابت کیا جائے، لگاؤ بجھاؤ کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب سننے والے مین مادۂ اجتہادی کی کمی ہو، یعنی وہ تشکیلِ رائے پر قادر نہ ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ ایک یا چند آوازِ مخالفت کوے کی کائین کائین سے زیادہ

یا وقعت نہین ہے،

ناجد صاحب کا سوا اس کے کچھ قصور نہین ہے کہ انھون نے فلسفہ کی ایک شاخ
یعنی "نفسیات" پر جو کچھ لکھا خالی الذہن ہو کر لکھا، بیشک ایک ایسی قوم مین جو مذہب
سے علٰحدہ کر کے کسی چیز کے دیکھنے کی عادی نہ ہو یہ ایک نئی آواز تھی، لیکن بیسوین صدی
مین بھی اگر عقلیات کو ہم خارجی متاثرات سے آزاد نہ کر سکے تو یہ ایسی ہی غلطی ہوگی جیسی
خلفاے عباسیہ کے وقت مین مسلمانون سے اس سے پہلے ہو چکی ہے،

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانون نے اپنے عہد زرین مین بھی عقلیات
پر خالص علمی حیثیت سے توجہ نہین کی، یا اس قدر کم توجہ کی کہ اس کا ہونا نہ ہونے کے
برابر ہے، مین متکلمین کی جدت آمیز نکتہ آفرینیون سے ناواقف نہین ہون لیکن جن
عقائد وخیالات کی بنیاد تمام تر جذبات پر ہے، ان کی تردید یا تائید دلائل عقلی سے
کہانتک ہو سکتی تھی، جس طرح عقل ان کی تخلیق مین بے بس تھی اسی طرح ان کے
کسی حصہ کو زائل نہین کر سکتی تھی، یہ وہ نازک نکتہ ہے جو آجتک کسی کی سمجھ مین نہ آیا،
لحاف کے جھول کی طرح کچھ استر سے لیا اور کچھ ابرہ سے، اور دونون کو کھینچ تان کر
برابر سرابر کر دیا، مذہب اور فلسفہ کی تطبیق اسی اصول پر کم وبیش ہوتی رہی کہا جاتا ہے
کہ مسلمان اپنے وقت مین عقلیات پر سٹے ہوے تھے، لیکن تاریخ بتائے گی
مذہب کے مقابلہ مین ان کے یہان فلسفہ کا کیا درجہ تھا؟ برا نہ مانیے تو مین کہونگا بس اتنا
ہی جتنا لونڈی کا بیوی کے مقابلہ مین ہوا کرتا ہے! لونڈی باندی، ترچھی اور نئی نئی جو بن

پرانی ہو گئی لیکن پھر بھی تو چیز تھی، ہڈی پسلی کے پھرنے کی مجبوریوں سے جو بیکار نہیں
جا سکتی تھیں، قدامت کی بات رکھ لی، اور لونڈی کو ہمیشہ دب کر رہنا پڑا، یہ تکرار اتفاقی
نہیں بلکہ واقعہ تاریخی ہے کہ علماے اسلام نے مذہب سے علیحدہ ہو کر کبھی عقلیات سے
نظر نہیں ڈالی یعنی وہ علم کے اُس حصہ کو بیکار سمجھتے تھے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے
کھینچ تان کر تعلیمات قرآنی کے تحت میں نہ آجائے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فلسفہ کو مذہبی تسلط
سے کبھی آزاد نہ کر سکے اور جیسا کہ میرے ایک لائق دوست کا خیال ہے علم کلام
کی بھول بھلیاں میں پھنس کر رہ گئے، یہی وہ نکتہ ہے جس کی فروگذاشت نے ہم کو
فلسفہ سے حقیقی معنوں میں قطعاً محروم رکھا، اور آج جبکہ زندگی کی کشمکش اور بقاے
حیات کے لئے حکمیات سے ہماری بیگانہ وشی خودکشی کی مرادف ہو رہی ہے، ہمارے
ابتدائی اسباق پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے! کسی محکمہ احتساب کی طرف سے نہیں، نہ
کسی مجمع العلماء کی طرف سے نہیں، یا [illegible] شیخ الاسلام دکن کی طرف
سے نہیں، بلکہ ایک بازاری پریس کی طرف سے جس کا وجود ریاست کے لئے،
ریاست کے مختلف طبقات کے لئے، بلکہ خود اس کیلئے باعث شرم ہے،

کسی بات کا نہ جاننا چنداں لائق اعتراض نہیں لیکن یہ بھی نہ جاننا کہ وہ نہیں
جانتا، ایسا جہل مرکب ہے جو کسی طرح لائق معافی نہیں، "فلسفہ اجتماع" کے مصنف
کسی مذہبی موضوع پر قلم اٹھائی نہیں کی ہے، بلکہ فلسفہ کی ایک شاخ یعنی علم النفس
سے اردو لٹریچر کو پہلے پہل واقف کیا ہے، یہ ایسا دقیق موضوع ہے جس پر خود یورپ

مین باوصف عقلی ترقیات کے معلومات کا سرمایہ محدود ہے،" ڈاکٹر لیبان "غالباً پہلا
شخص ہے جس کی حکیمانہ موشگافیون نے نفسیات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے
جلوہ گر کیا، اور آیندہ میرا خیال ہے اس کی نقش آرائیان جہانتک انسان کے قوائے
ذہنی کا تعلق ہے تاریخ انسانی کا رُخ پھیر دینگی،

لیکن یہان مین "فلسفۂ اجتماع" پر تنقید کرنے نہین بیٹھا ہون، میری غرض صرف یہ ہے
کہ اس مین مذہب اور پیشوایان مذہب کا جو کچھ ذکر آیا ہے وہ محض نفسیاتی حیثیت سے ہے
اور لائق مصنف نے دنیا کے بڑے بڑے آدمیون کے ساتھ مختلف پہلوؤن سے بانیان
مذہب کے مظاہر نفسی پر نظر ڈالی ہے جس سے ان کی دماغی فوقیت کے راز کی عقدہ کشائی
منظور ہے، بہرحال اس کے لئے مجھ کو مصنف کی طرف سے معذرت (اپالوجی) کی ضرورت
نہین، کسی فلسفیانہ تصنیف مین اگر چشم سخن مذہب کی طرف بھی کچھ اشارے کرے تو
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اظہار خیال کے سلسلہ مین مذہب اور بانیِ مذہب کا ذکر جن
الفاظ مین آیا ہے ان مین مستشرقانہ حیثیت سے کافی سنجیدگی اور ادب ملحوظ رکھا گیا ہو
یا نہین، میری غرض ایسے لب و لہجہ سے ہے جو دنیا کے کسی مذہب کے لئے ناموزون نہو،
اور جس مین مصنف کے ذاتی عقائد (خیالات) کی جھلک کا کوئی شائبہ نہ پایا جاتا ہو،
مصنف کی طرف سے اس اصول کی خفیف سے خفیف خلاف ورزی، عام احساسات کے
مقابلہ مین دراصل ایک متعلّمانہ سبک ظرفی ہوگی اور مین یہ فیصلہ جہانتک کتاب زیر بحث
کا تعلق ہے اہلِ نظر پر چھوڑتا ہون،

اغیارِ دکن کو مایوسی ہوگی کہ گردن زدنی ماجد کی بریت مین گران وزن علما ملک کو فتوے شائع کرنے پڑے لیکن اگر آپ یہ فرمائین کہ "ضمیر متکلّم کے گلے پر چھری" تو مین اپنی مجتہدانہ راے (!) بھی پیش کرنا چاہتا ہون یعنی :-

"کوئی مسلم کسی حالت مین کافر ہو ہی نہیں سکتا"

اس خیال کی رفعت و وسعت دیکھئے، اغیار تنگ نظری کے ساتھ سطحِ خاک ہی پر رہے اور مین کہان پہنچا جہان فرشتون کے پر جلتے ہین، تیرہ سو برس کے دفتر کا خلاصہ ایک فقرہ ذرا ماجد کے کفر کی شان دیکھئے گا!

آئیے مین آپ کو ایک زبردست کافرادبی کا پتہ دیتا ہون، جو بہ لحاظ فن ماجد کا ہم ردیف ہے، میری غرض پروفیسر "عباری" سے ہے جو علومِ قدیمہ کے ساتھ علومِ عصریہ کا بھی عالم ہے، اور اس قدر قابلِ قدر ہے کہ اگر قوم زندہ ہوتی تو "فلک نما" کے ایک گوشہ مین نہ سہی، کسی زاویۂ علمی (اکیڈمی) کی زینت بڑھا رہا ہوتا، اسے میرے حسنِ ظن کی افراط نہ سمجھئے گا، مین ان کے معرکۃ الآرا تالیفات کو اس وقت پیش کرنا نہین چاہتا، صرف ایک آدھ مضمون کو لیتا ہون، جو "تصوراتِ کلّیہ" اور "مادیت" پر انھون نے لکھا ہے اور جو میرے خیال مین فتوحاتِ ادب مین سرفہرست ہونے کے لائق ہے، یہ اس شخص کی راے ہے جس کے دائرۂ نظر سے اردو لٹریچر کا کوئی حصہ جو جاننے کے لائق ہے باہر نہین ہے، یہ ایک فقرۂ معترضہ تھا مجھے سلسلۂ بیان مین باوصف کوشش اختصار ابھی کچھ اور لکھنا ہے،

اس طوفان بے تمیزی میں سب سے بڑی حق تلفی جو قوم کی ہو رہی تھی وہ انجمن ترقی اردو کے کارنامہ پر پانی پھیرنا تھا مسلمانوں کی ہی ایک انجمن ہے جس سے اردو لٹریچر کی ترقی نہ سہی، اس کی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں، قوم کی عام بے التفاتی معلوم ہے، سوسائٹی کے کسی طبقہ کو اپنی زبان سے عملی دلچسپی نہیں ہے، ایسی حالت میں مولوی عبدالحق، مختلف موانع کے ساتھ جس طرح کام چلا رہے ہیں، ان ہی کا ظرف ہے اگر خدانخواستہ یہ سلسلہ بھی نہ رہا تو ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سناٹا ہوگا، اور محرکات میں جب کوئی چیز باقی نہیں رہے گی تو کون کہہ سکتا ہے اس کے نتائج آئندہ کیا ہوں گے، مولوی عبدالحق اس لائق تھے کہ اگر علی گڑھ کی "مرکزیت" کا کوئی مفہوم ہوتا تو ہم خود ان کو ستانہ کرتے یعنی یہ کہیں سے وقف اغیار ہونے کی چیز نہیں تھے، اردو کے جو کچھ وہ خدمات کر رہے ہیں ناانصافی ہوگی اگر اس کا اعتراف نہ کیا جائے،

میں نے ایک زمانہ میں ان کو نہایت سختی سے ٹوکا تھا، اور ایک یوروپین مستشرق کے مشورہ سے ان امور کی طرف ان کو توجہ دلائی تھی جو اردو کی ترکیب و ترویج کے مقدمات اساسی تھے، مثلاً میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے ایک اردو لغت کی ضرورت ہے، اس سے میری غرض لغات المتعلم سے ہے یعنی میں جس پیمانہ کا چاہتا ہوں، ویبسٹر کا نہیں "امیر اللغات" اور "فرہنگ آصفیہ" کی ناکامی کا راز یہی ہے کہ ایک دم سے بڑا پیمانہ اختیار کیا گیا، اسی طرح ہم کو لغات الاصطلاحات کی سخت

ضرورت ہے، محاورات اور مترادفات کو بھی علیحدہ علیحدہ اسی ذیل مین رکھئے، جس طرح انگریزی کی تکمیل بغیر "لیٹن" اور "گریک" کے نہین ہوسکتی، اردو کے لئے عربی، فارسی ناگزیر ہین، کم سے کم اردو کے اغراض کے لئے ہم کو فارسی اور عربی لغات کو بھی نئے سر سے ترتیب دینا ہے، انجمن نے حال مین جسقدر ترجمے شائع کئے ہین ان مین "تاریخ اخلاقِ یورپ" ایک قیمتی اضافہ ہے، تاہم وہ اپنی ادبی تبلیغ مین قاصر رہیگی اگر تدوینِ لغات کے بارِ گران سے سبکدوش نہ ہوسکی،

مین "دار المصنفین" کو اس سلسلہ سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہون جو اپنے مختص النوع، عالمانہ مشاغل کے لحاظ سے "خاصہ کی چیز" (کلاسیکل) ہے، اس کا تخیل اس قدر اونچا ہے کہ مین نہین جانتا بحیثیتِ موجودہ قوم کا دماغی افق کہانتک اس کا ساتھ دے سکیگا، لیکن جس سطحِ فائقہ پر وہ لٹریچر کو لانا چاہتا ہے اس کا اقتضاے اضطراری یہ ہے کہ مذاقِ عام کی رعایت سے کوئی دوم درجہ کی حرکت نہ کی جائے، تاریخ الاسلام، قصص الاسلام، لغات الاسلام، ادب العرب، شعر العرب، ادب الہند، شعر الہند، دائرۃ المعارف (اردو انسائیکلوپیڈیا) اور "جانے کیا کیا" یک سر و ہزار سودا" بہتیری چیزین ہین جن کو آج ملک مین رفقاے دار المصنفین کے سوا کون ہاتھ لگا سکتا ہے، ہتوکلین ادب، دل و دماغ صرف کرسکتے ہین لیکن ضرورت ہے "الہ دین کے چراغِ زرپاش" کی جو حیدرآباد یا بھوپال کے جواہر خانون مین نہ سہی، قوم کا کوئی گھر اس سے خالی نہین! یہ خواب پورا ہو یا نہ ہو، مگر حصولِ آرزو کی حسرت بھی لذت سے خالی نہین، یہ کیا کم ہے کہ ذکر تو آگیا

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انجمن اردو کے خواب شیرین کی سب سے بڑی تعبیر "عثمانیہ
یونیورسٹی" ہو سکتی ہے، یہی یونیورسٹی اگر قاعدہ سے چل نکلی تو آیندہ مسلمانوں کا پیمانۂ تقدیر
ہوگی، انجمن اور دارالترجمہ اسی یونیورسٹی کے اجزاے ترکیبی ہیں، کس قدر افسوس کی
بات ہے کہ ایک طرف حیدرآباد کا جامعۂ مشرقی مسلمانوں کا بڑے سے بڑا تخیل
ہے، جس کی اس دنیا میں ان کو امید ہو سکتی ہے، دوسری طرف ان منتخب افراد
کی جو یونیورسٹی کے ارکان اساسی ہیں اور جنھوں نے اپنی زندگیاں ایک شریفانہ
مشغلہ کے لئے وقف کر رکھی ہیں، دل شکنی اور تذلیل بے سبب کے لئے اغیار کی پوری
قوت صرف ہوتی رہی،

آج ایک معمولی مہمان بھی آجاتا ہے تو اخلاق و شایستگی کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے
اچھی طرح پیش آئے، قوم کے ہونہار بچے جن کے بچپن کی لوریاں حیدرآباد کے حوصلہ
افزا روایات رہے ہیں، اور جن کے لئے دولت آصفیہ "خواب طفلی اور آرزوے
شباب" کی حیثیت رکھتی ہے کس قدر مایوس کن اثرات میں گھرے ہوئے ہیں،
مشرقی اخلاق اور اس کے عوائد رسمیہ کا اقتضا، تو کچھ اور تھا، خاصکر جب دارالترجمہ کے
افراد شاہی مہمان کی حیثیت رکھتے ہوں،

شرر اور ظفر علی خان گویا کٹھری سواری گئے اور واپس آئے، آجکل کے دور حریت
میں فرمانرواے وقت کی مرضی کے خلاف کوئی خارجی مداخلت ایک غیر آئینی حرکت
تھی جس پر جوش سے کہ "لیہ اند جنگ" کی طرح کف افسوس ملنا ہے،

کل کی بات ہے، علامہ نذیر احمد حالی و شبلی دربار آصفیہ کے وظیفہ خوار تھے، لیکن کبھی ان کی مستعد قوت سے کام نہیں لیا گیا، ورنہ آج کم سے کم "قاموس الاسلام" کی ضخیم جلدوں کے لئے ہماری نگاہیں یورپ کی طرف نہ اٹھتین،

اس فروگذاشت کی تلافی تو اب ہو چکی لیکن موجودہ وسائل سے بھی بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ کام لینے والوں میں سلیقہ ہو اور انجمن اور دار الترجمہ کے اعزاز نفس کے خلاف کسی کو غیر ضروری جنبش لب کا موقع نہ دیا جائے، یہ حفظ مرتبت دونوں نظامات ادب (انسٹیٹیوشن) کی وفاداری کی بہترین ضمانت ہوگا، اور دنیا آگے چل کر دیکھ لے گی کہ "عثمانیہ یونیورسٹی" جو شہرت کے اعتبار سے آج بچہ بچہ کی زبان پر ہے "صحیفۂ دکن" کے گھر کا گھروندا نہیں ہے کہ بنتا اور بگڑتا رہتا ہے،

یہاں سید راس مسعود کی نسبت کچھ لکھنا نہیں چاہتا، ان کا درجہ اس سے بہت ارفع ہے کہ دوم درجہ کی خلقت کو ان کے مقابلہ میں مخاطب کیا جائے، اس لئے اغیار کے خیالات و مقالات کا نظر انداز کرنا ان کے لائق اور جد امجد کی سنت کی پیروی ہوگی، علی گڈھ کے گہوارۂ ادب کا آغوش شفقت ان کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا ہے جہاں وہ اونچے سے اونچے پیمانہ پر مشغلۂ علمی جاری رکھ سکتے ہیں جس کے وہ بالطبع شائق ہیں،

(مشرق سنہ ۱۹۱۸ء)

حالی و شبلی

کی

معاصرانہ چشمک

جدت موضوع چاہتی تھی کہ جہان تک ہماری آخری بزم کا تعلق ہے اُس لپیٹ مین کوئی چھوٹنے نہ پائے، لیکن افسوس ہے مواد ترکیبی کی کمی نے زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دیا، اور گو "چشمک" کا دائرہ اطلاقی خاص حالی و شبلی کی شوخیِ قلم سے آگے نہین بڑھا لیکن مین ضمناً اور ون کا اندازِ طبیعت (کیرکٹر) بھی دکھاؤن گا، اور بکھرے ہوے موتیون کو جہان جہان سے ہاتھ آئین گے سلسلۂ بیان مین پروتا جاؤن گا،

سرسید کی "بزمِ ادب" بچے کھچے پرانے لائقِ پرستش بزرگون کا گویا نچوڑ تھی لیکن جس طرح خیمہ کے ساتھ طنابین بھی اکھڑ جاتی ہین، ان کے رفقا بھی ایک ایک کرکے آگے پیچھے ہم سے رخصت ہوتے گئے، ان کی نکتہ سنجیان، اور روشن خیالیان، بوڑھے غمزے اور لطائف و ظرائف، قدیم اسلامی سوسائٹی کے تبرکات تھے، جن سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے، اور اب ان اصحاب کی تعداد بھی کم ہو رہی ہی، جنھون نے

جما جمایا نقشہ یعنی پچھلے پہر کا خواب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے،

ان مین سے ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کا مالک تھا اور مستقل ہستی رکھتا تھا، آج "وقار الملک" اور "محسن الملک" کی یادگار مین چند سطرین بھی کوئی لکھنے والا نظر نہین آتا، اور "رجال العصر" کے سلسلہ مین ان کی ضمنی کھپت ان کا بہترین حق ہے جو ہمارے ہاتھون ان کو مل سکتا ہے، مین ان دونون لائق افراد کی زندگی کا وہ رُخ دکھانا نہین چاہتا جس کے لحاظ سے کبھی یہ سالار جنگ اعظم کے نفسِ ناطقہ بنے ہوئے تھے نہ محسن الملک کے اس کارنامہ کو یاد دلانا چاہتا ہون جب ان کے قیامِ لندن مین وزیرِ انگلستان کو اعتراف کرنا پڑا کہ ہندوستان مین اتنا بڑا "عالی دماغ" موجود ہے، اسی طرح دونون صاحبون کی سیاسی اور قومی خدمات بھی میرے موضوع کے لئے حیثیت اضافی رکھتی ہین، لیکن یہ بات بھولنے کے لائق نہین ہے کہ جہانتک سرسیّد کی ادبی تبلیغ کا تعلق ہے یہ دونون گویا ان کے دست و بازو تھے، سرسید کے ساتھ "محسن الملک" کی نوک جھونک، ادبی راز و نیاز جس کا ایک خاکہ مراسلات دلچسپ مین دکھایا گیا ہے اور جس کے عالمانہ اور سخن گسترانہ شواہد" مرحوم تہذیب الاخلاق" کے سیزدہ سالہ فائل مین بکثرت ملین گے، فتوحاتِ ادب کا بہترین سرمایہ ہین، جن پر مستقلاً اظہارِ خیال کی ضرورت ہے، میرے موضوع کے صفحات محدود ہین ان کے پھیلانے کی گنجایش نہین، یہان صرف چشمِ سخن کے اشارہ پر قناعت کرنی ہوگی؛

بہرحال کس کس کو یاد کرون محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، ذکاءاللہ، نذیر احمد

حالی، شبلی وغیرہ وغیرہ، سجی سجائی محفل تھی جو دیکھتے دیکھتے درہم برہم ہوگئی، سرسید کی بزم ادب ایسا وسیع موضوع ہے کہ اگر مولوی وحید الدین سلیم نے اپنی عمر ضائع نہ کی ہوتی، اور سرسید اور ان کے رفقاء کے ساتھ جو وابستگی ان کو رہی ہے اور جس کے آثار "معارف" کے نقش اول میں بافراط موجود ہیں، وہ افسانۂ یاران کہن کی حیثیت سے ایک ضخیم الاوراق اور نہایت دلچسپ کتاب تیار کر سکتے تھے، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کسی شخص کی اخلاقی فوقیت کا راز دراصل اسکی پاکیزہ سوسائٹی میں مضمر ہوتا ہے تو "سیر الصحابہ" کی طرح علی گڈہ کی یہ آخری بزم ادب ہمارے لئے وقت کی چیز اور نتیجہ خیز رہتی،

خیر! ان تصریحات کے بعد اصل موضوع کی طرف لوٹئے، سرسید نے ہمیشہ معاصرین ادب کی حوصلہ افزائی کی، ان کی با اثر شخصیت خاموش تصرف کے ساتھ دوسروں کی قلب ماہیت کرتی رہتی تھی، شبلی نے "مولویت" علی گڈہ میں پہنچکر چھوڑ دی، ان کے خیالات کی کایا پلٹ، مذاق تصنیف اور وسیع النظری غرض یہ جو کچھ ہوئے سرسید کے دامن تربیت کا اثر تھا، شبلی نے المامون کا دوسرا ایڈیشن جب شائع کیا ہے تو سرسید نے جس خلوص کے ساتھ اس پر دیباچہ لکھا وہ آج بھی ان کی شرافت ادبی کا پتہ دیتا ہے، اسی طرح حالی کی نیچرل شاعری خیالات کے لحاظ سے سرسید کے فیض صحبت کی ممنون ہے، ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ حالی کی روش جدید نے پروفیسر آزاد کی ڈالی ہوئی داغ بیل یعنی ان کے نتائج فکر سے کہاں تک فائدہ اٹھایا، جن کو تاریخی حیثیت سے کم سے کم اولیت کا شرف حاصل ہے، مختصر یہ کہ متاخرین ادب کے ساتھ سرسید کا درجہ متناسبہ

صرف مربیانہ تھا، اس لئے ایسی باوقار ہستی سے چشمک تو خیر اس کی کسرات بھی بمشکل آ سکتی تھی۔
پروفیسر آزاد اس قدر بلند خیال اور استادانہ دل و دماغ رکھتے تھے کہ ان کے
ہاں بھی جہاں تک معاصرین کا تعلق ہے "چشمک" کا گذر نہیں۔ ایک واقعہ دلچسپ
اہل ذوق کی ضیافتِ طبع کے لئے لکھتا ہوں، لاہور میں پہلی دفعہ جب ایجوکیشنل کانفرنس
کا جلسہ ہوا تو پروفیسر آزاد زندہ تھے، گو دماغ کسی حد تک متاثر ہو چکا تھا، نذیر احمد ملنے
کے لئے گئے، حالی اور غالباً شبلی بھی ساتھ تھے، نذیر احمد کا لکچر ہونے والا تھا، جو چھپا ہوا
ان کے ہاتھ میں تھا، آزاد رسالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو نذیر احمد نے یہ کہکر آگے بڑھا
دیا کہ ایک نظر دیکھ لیجئے، کانفرنس میں پیش کرنا ہے، آزاد فوراً قلم سنبھال کر بیٹھ گئے
اور کانٹ چھانٹ شروع کر دی، نذیر احمد آزاد کی اس بے تکلفی سے اس قدر متاثر
ہوئے کہ جوشِ محبت سے آنکھیں نم ہو گئیں، ان کو قدرتی طور پر یہ خیال آیا کہ ابھی
دائرہ میں ایک شخص ایسا موجود ہے جو ایک "بوڑھے بچہ" کی مشقِ سخن پر نظرِ ثانی کر سکتا ہے
"حالی" بھی آزاد کی استادی کا لوہا مانتے تھے، ان کی مخلصانہ عقیدت کیشی کے
لئے وہ تقریظ و تنقید دیکھئے جو "آبِ حیات" اور "نیرنگِ خیال" پر حالی نے لکھی ہے،
اور جس میں ضمناً یہ طے کر دیا ہے کہ نیچرل شاعری دراصل آزاد کی صنعتِ فکر کا نقش
اولین اور ان کی اولیات میں محسوب ہونے کے لائق ہے، حالی لکھتے ہیں:۔
"نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے یعنی لٹریچر کے رقبہ کا طول و
عرض بڑھ گیا، لیکن اس کا ارتفاع جہاں تھا وہیں رہا یعنی اخلاقی سطح بہت اونچی نہیں

ہوئی لیکن آزاد کی پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی نے یہ کمی پوری کردی، "نیرنگ خیال" کی بہت کچھ داد دی ہے، کیونکہ آزاد کے قلم نے پہلے پہل جذبات انسانی کی تجسیم و تشخیص کی، اور معقولات کی تصویرین محسوسات کی شکلون مین کھینچی ہین اور خصائل انسانی کے فطری خواص ایسے مؤثر اور دلکش پیرایہ مین بیان کئے ہین جن سے اردو لٹریچر اب تک خالی تھا۔"

شبلی بھی آزاد کا ادب کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے "آزاد اردوے معلیٰ کا ہیرو ہے، اس کو کسی سہارے کی ضرورت نہین، وہ اصلی معنون مین ایک زبردست انشا پرداز ہے" تاہم ایک ہلکی سی چشمک لیجئے!

"ہندوستان کے سب سے بڑے انشا پرداز نے نیرنگ خیال مین جہانگیر کی یہ تصویر کھینچی ہے" اس کے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا، وہ خود نشہ مین چور تھا، ایک عورت صاحب جمال (نورجہان) اس کا ہاتھ پکڑے آتی تھی، اور جدھر چاہتی تھی پھراتی تھی، وہ جو کچھ دیکھتا اس کے نور جمال سے دیکھتا تھا، اور جو کچھ کہتا تھا اسکی زبان سے کہتا تھا، اس کے ہاتھ مین ایک فرد کاغذ ون کا تھا اور کان قلم دھرا تھا، یہ سوانگ دیکھ کر سب مسکرائے، مگر چونکہ دولت اس کے ساتھ ساتھ تھی اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا، اس لئے بدمست بھی نہین ہوتا تھا، جب نشہ سے آنکھین کھلتی تھین تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا۔"

"تزک جہانگیری" کے ریویو مین شبلی فرماتے ہین "آزاد دیکھین اس جھوٹ مین کچھ

سچ بھی ہے؟ ہمارے انشا پرداز نے جہانگیر کے کبھی کبھی ہوش مین آنے کا جو کارنامہ بتایا ہے وہ اس کی کتاب "تزک جہانگیری" ہے، اس کے بعد شبلی نے جو کچھ لکھا ہے ناقدانہ اور سخن گسترانہ ہے یعنی بے ضرر چشمک کی ایک خوبصورت مثال ہے جو عنوان زیر بحث کے تحت مین آسکتی ہے،

"شعر العجم" جس زمانہ مین لکھی جارہی تھی مین نے شبلی کو توجہ دلائی کہ آزاد کی تالیف موعود پر نگاہ رکھئے گا جو موضوع مشترک پر نکلنے والی ہے، وہ سمجھے میرا مطلب "سخندان فارس" سے ہے ایک دوست کو لکھتے ہین،

"آزاد کا سخندان فارس حصہ دوم نکلا، سبحان اللہ، لیکن الحمد للہ میرے شعر العجم کو ہاتھ نہین لگایا ہے۔"

مجھے تحریر فرماتے ہین "آزاد کی کتاب آئی، جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہین، تاہم ادھر ادھر کی گپین بھی ہانک دیتا تو وحی معلوم ہوتی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ گیارہ لکچر تک اس نے میری سرحد مین قدم نہین رکھا، بارہوین مین یہ میدان مین اترا ہے لیکن زور پہلے صرف ہو چکا تھا، یونہی سرسری چکر لگا کر نکل گیا۔"

مین نے لکھا "میری غرض سخندان فارس سے نہین، بلکہ آزاد کے تذکرۂ شعرا سے تھی"۔ اس پر تحریر فرماتے ہین: "مین آزاد کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا تھا لیکن آپ نے پھر ڈرا دیا، مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو اس مضمون پر ہاتھ نہ ڈالتا، یہ جزئیات جو دکھا رہا ہون خارج از موضوع نہین ہین، ان سے یہ پتہ چلیگا کہ شطرنج کی اصطلاح مین

بساطِ ادب کے یہ شاطر بھرے آپس میں کس طرح گتھے ہوئے تھے،

"نذیر احمد" بھی تنقیص پسند نہیں تھے انکی بے دے زیادہ تر سر سید پر رہتی تھی لیکن اسطرح کہ

"وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی"

خلوص تھا کہ حرف حرف سے ٹپکا پڑتا تھا طبیعت میں منقولانہ رنگ غالب تھا، اس لیے

شروع شروع سر سیّد کے اجتہادات سے ان کو جھجھک سی تھی جو رفتہ رفتہ گئی، اور اس

طرح گئی کہ سر سید کے عقیدت کیشان باصفا میں یہ کسی سے پیچھے نہیں تھے اور اس پر

فخر کرتے تھے، یہ فراخدلی جس کے شواہد ان کے لٹریچر میں کثرت سے نظر آئیں گے

سر سید تک محدود نہ تھی، اوروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا، ایک آدھ واقعہ استشہاداً لیجئے

علی گڈھ کے اسٹریچی ہال میں کانفرنس کی مقتدر جماعت کا اجلاس ہے، اطراف ملک

سے پڑھے لکھے اور روادار لوگ آ آ کر جمع ہوئے ہیں، خطیبانہ بلند آہنگی کے سلسلہ میں یکایک

آواز یوں گویا ہوتی ہے "میں نے کسی زمانہ میں عربی اچھی پڑھی تھی، اب تو ایسا ذہول

ہو گیا کہ مولوی "شبلی" ایک صیغہ پوچھ بیٹھیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں" ان فقروں کا نکلنا تھا

کہ اس زمانہ کے مولوی شبلی جو نئے نئے علی گڈھ آئے تھے ہزاروں نگاہوں کے نقطۂ

شعاعی بنے ہوئے تھے، اور یہ ان کی قابلیت کا پہلا اعتراف تھا جس کا اثر بجلی کی طرح

ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گیا،

اسی طرح نذیر احمد لکچر سے پہلے کبھی کبھی اپنی نظم سنایا کرتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"جس طرح یحیٰی پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے

ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے اسی طرح میری نظم گویا ندائے عام ہے، کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے، اور میں اپنے پندار میں ان کی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں"۔ اخلاقاً ایک ہمعصر کی شاعرانہ فوقیت کے اعتراف کا یہ کتنا بلیغ اور خوبصورت پیرایہ ہے!!

اب میں نفس مطالب سے قریب ہوتا جاتا ہوں، یہانتک صرف بیانات اضافی تھے، اصلی کام "حالی" و "شبلی" کو باہم ٹکرانا ہے لیکن ترتیباً پہلے یہ دیکھئے کہ حالی نے شبلی کی نسبت جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس میں "چشمک" کا کوئی عنصر موجود ہے یا نہیں؟ "معارف" میں نامۂ حالی و شبلی کا سلسلہ کچھ عرصہ سے جاری ہے، ان خطوں میں حالی، شبلی کو جس خلوص اور حسن اشتیاق سے یاد کرتے ہیں، ان کی ایک ایک تصنیف کا جس شوق و ذوق سے نام گناتے ہیں، وہ بھی اس آرزو کے ساتھ کہ کوئی کتاب ان کی لائبریری کے آغوش میں جگہ پانے سے رہ نہ جائے، اخلاص کی آخری حد ہے، خدا دیدہ میں ملتا ہے تو کہتے ہیں، "اس قدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے ورود نے میری آنکھوں کے ساتھ وہی کیا جو پیراہن یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا" جس خط کو دیکھئے درد محبت اور ایک خاص طرح کی صدق مقالی جو بڑے بوڑھوں کا حصہ ہوتی ہے، لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے، شبلی کے پانوں کا واقعہ پیش آتا ہے تو گھبرا کر ان کے فرزند رشید یعنی "حامد شبلی" سے خیر و عافیت دریافت کرتے ہیں، اور باوصف اس کے کہ آنکھ نے جواب دیدیا ہے قویٰ میں باقتضائے سن عام اضمحلال ہے، پھر بھی اعظم گڈھ کے سفر کی آمادگی ظاہر کرتے ہیں،

یہانتک کہ "الندوہ" مین شبلی کے احباب کی رباعیات دیکھ کر حالی کو خیال آتا ہے کہ وہ مولانا (شبلی) کے زمرۂ احباب مین ہونے کا فخر حاصل کرین اس لئے ایک رباعی موزون کرکے بھیجتے ہین کہ الندوہ کے کسی آیندہ نمبر مین اسے بھی جگہ دیدیجئے گا،

"سیرۃ النعمان" جب شائع ہوئی تو حالی نے اس پر ریویو لکھا، فرماتے ہین، "انھون نے (یعنی شبلی نے) اپنی ہر ایک پہلی تصنیف مین جس بلندی پر آپ کو دکھایا ہے، اس کے بعد کی تصنیف مین ان کی لیاقت اور روشن دماغی اس سے بلندتر منظر پر جلوہ گر ہوتی ہے اور جہان تک میری نگاہ پہنچتی ہے، "سیرۃ النعمان" کو ان سب سے اعلیٰ منظر پر پاتا ہون" کتاب کی ترتیب، اصولِ استنباط، اور طرزِ اجتہاد کے لحاظ سے شبلی کو حالی نے، فاضل، ادیب، محقق، اور اگر وہ منظور کرین تو منشی اور شاعر کی حیثیت سے یاد کیا ہے اور دکھایا ہے کہ جس طرح حُسن تناسبِ اعضا کا نام ہے "سیرۃ النعمان" مین روایت و درایت کی تطبیق اور حُسن و خوبی طریقہ پر رائے اور قیاس سے کام لیا گیا ہے اس طریقۂ استدلال سے فلسفۂ مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اور مصنف (یعنی شبلی) نے اپنی فضیلت اور لیاقت پر سو بہت سے پردے اٹھادیے ہین

شبلی "دستۂ گل" ہدیۃً بھیجتے ہین تو حالی جواباً لکھتے ہین:-

"کوئی کیونکر مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور سوانح مولانا روم جیسی مقدس کتابین لکھی ہین، غزلین کا ہے کو ہین شراب دو آتشہ ہے جس کے نشہ مین خمارِ چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے، غزلیاتِ حافظ کا جو حصہ محض رندی اور بے باکی کے مضامین پر مشتمل ہے، ممکن ہے کہ اس کے الفاظ مین زیادہ دلربائی ہو، مگر

خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلین اس سے بہت زیادہ گرم ہین"۔

آپ کہین گے کہ ان مسلسل انکشافات مین سوا بہکی ہوئی باتون کے مقصود اصلی یعنی "چشمک" کا اب بھی پتہ نہین لیکن مین عرض کرچکا ہون کہ مین اصلی نکتہ سے قریب ہوتا جاتا ہون، اصولاً اخلاق کے ساتھ تھوڑی سی کج ادائی بھی ہو تو زیادہ اجاگر ہوتی ہے، جو آنکھین روشنی کی عادی ہوتی ہین ان کو تاریکی گران گذرتی ہے، اسی طرح نفس انسانی کا رُخِ روشن اس کے دوسرے رخ کو زیادہ نمایان کردیتا ہے، اس لئے میری پچھلی تصریحات بیکار نہین ہین، بہرحال اظہارِ خلوص کی حد ہوچکی، کچھ اصل موضوع یعنی "چشمک" کی مثالین لیجئے

"حیاتِ جاوید" مین ایک موقع پر حالی فرماتے ہین "اعلیٰ تعلیم کی حمایت کے جوش مین "سرسید" کے قلم سے بعض مواقع پر ایسے الفاظ نکل گئے ہین کہ ترجمون کی غرض سے سوسائٹی قائم کرنے کو وہ اپنی غلطی تسلیم کرتے تھے، اور اسی بنا پر شمس العلماء مولٰنا شبلی نے "مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" مین اس غلطی کا جس کو سرسید ۶۔۷ برس پہلے ایجوکیشن کمیشن مین تسلیم کرچکے تھے ذکر کیا ہے، اور اس بنا پر کہ مغربی علوم وفنون کا دیسی زبان مین ترجمہ ہونا ممکن نہین ہے، سائنٹفک سوسائٹی قائم کرنے کو سرسید کی ایک غلطی قرار دیا ہے اور اپنے اس دعوی پر کہ ترجمہ ممکن نہین زیادہ تر وہی دلیلین جو خود سرسید نے بعض مواقع پر بیان کی تھین پیش کی ہین"۔

"حالی" کہتے ہین کہ "اگر مولٰنا (یعنی شبلی) کی یہ اصلی رائے ہوتی تو ہم کو اس سے تعرض کی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ انھون نے خود سرسید کے بعض بیانات سے یہ رائے

استنباط کی ہے، اس لئے ہم کو سرسید کے خیالات کا اصل منشا ظاہر کرنا ہے، حالی نے ایک ایک کرکے اعتراضات کی تردید کی ہے، اور نہایت تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ شبلی کے اعتراضات[1] کا زیادہ تر حصہ خود سرسید کے خیالات سے ماخوذ ہے، "چشمک" کی یہ پہلی مثال ہے جس میں حالی کی حیثیت نسبتی اقدامی نہیں بلکہ دفاعی ہے اور جس میں ناقدانہ اظہارِ خیال کے سوا در پردہ کوئی چوٹ نہیں ہے،

یہانتک تو آپنے دیکھا کہ حالی کا شبلی کے ساتھ کیا رنگ تھا لیکن یہ شراب اب تیز ہوا چاہتی ہے، اب یہ دیکھئے شبلی کے خیالات و مقالات کا جہان تک خوش صفات حالی کا تعلق ہے، کیا حال ہے، شبلی نے ابھی "المامون" نہیں لکھی ہے، یا لکھی ہے لیکن لکھنے سے پہلے حیات سعدی پیش نظر ہے، ایک عزیز کو لکھتے ہین، "ایک کتاب حال مین مولوی "حالی" صاحب نے لکھی ہے، اور مجھ کو تحفۃً بھیجی ہے، "شیخ سعدی" کی نہایت دلچسپ محققانہ سوانحعمری ہے، مین نے بے اختیار اس کو تمھارے لئے پسند کیا، اور مولوی حالی صاحب کو لکھدیا ہے کہ وہ تمھارے نام بھیجدین، واقعی بے مثل ہے اور تم کو اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ شبلی جب خود تصنیفات کے مالک ہوے تو حالی کے ساتھ یہ حسن ظن کہان تک قائم رہا؟

"سوانح مولانا روم" مین شبلی یون اظہار خیال کرتے ہین، "تمام اہل تذکرہ متفق ہین کہ

---

[1] جس مضمون کا حوالہ حالی نے دیا ہے، رسائل شبلی کے طبع جدید مین اس کے دو ٹکڑے ہوگئے ہیں، یعنی قدیم تعلیم اور ترجمۂ جدید معلومات کے اضافہ کیساتھ وہ حصہ نکال ڈالا گیا ہے جس مین سرسید پر کچھ اعتراضات تھے،

جن لوگون نے غزل کو غزل بنایا، وہ "سعدی" "عراقی" اور "مولانا روم" ہین، اس لحاظ سے مولانا کے دیوان پر ریویو کرتے ہوئے ہمارا فرض تھا کہ سعدی اور عراقی سے انکا موازنہ کیا جاتا، تینون بزرگون کے نمونے دکھائے جاتے، اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کیجاتین، اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہین اس لیئے مذاقِ حال کے موافق خواہ مخواہ بھی ان کو ترجیح دیجاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا واقعہ نگاری کے فرائض کے بالکل خلاف ہے"

اگر تھوڑی دیر کے لیئے بھی یہ مان لیا جائے کہ شبلی کا روئے سخن "حیاتِ سعدی" یا "یادگارِ غالب" کی طرف ہی، تو "چشمک" کی یہ نہایت ہی چبھتی ہوئی مثال ہوگی جو ناظرین کے سامنے پیش کیجا سکتی ہے لیکن ایک نکتہ سنج پوچھ سکتا ہے کہ کیا یہی طریقہ نمایان طور پر "موازنۂ انیس و دبیر" مین، اور ایک کافی حد تک "شعر العجم" مین اختیار نہین کیا گیا؟ "کلیاتِ خسرو" جس کی تہذیب و ترتیب بزعم علی گڈھ آجکل کے معرکہ ادب مین پیش پیش ہے، اور جس مین تنقید کے سلسلہ مین معاصرانہ کلام کا موازنہ کیا گیا ہے، کہان تک واقعہ نگاری کے خلاف "مذاقِ حال" سے بے نیازی کا دعویٰ کرسکتی ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آیا حالی اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر تھے؟

"چشمک" کی دوسری مثال لیجئے،

"تذکرۂ گلشنِ ہند" کے حاشیہ مین شبلی لکھتے ہین، "مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ مین لکھنؤ کی شاعری مین صرف نواب مرزا شوق کی مثنویون کا اعتراف کیا ہے؛

لیکن چونکہ ان کے نزدیک شعراے لکھنؤ سے ایسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہین ہو سکتی اس لئے اس کی وجہ یہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ "اثر" کی مثنوی دیکھی تھی، اور اس کا طرز اڑھایا تھا، یہ اشعار اسی مثنوی کے ہین، اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہین کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہو۔"

اسی طرح جیسا کہ دیباچہ "گلزار نسیم" کے حاشیۂ ذیل مین تصریح کی گئی ہو شبلی نے لائق "چکبست" کو لکھا تھا کہ "گلزار نسیم کی تنقید مین مولنا حالی نے سخت بیرحمی اور ناانصافی سے کام لیا ہے مین اس کے متعلق خود کچھ لکھنا نہین چاہتا، مولوی عبدالحق کے ذمہ دار قلم سے ٹپکی ہوئی سیاہی جس طرح پھیلی ہے ایک نظر دیکھنے کے لائق ہو، جس طرح ناممکن ہو کہ کسی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) کتاب پر ان کا مقدمہ نہو، یہ بھی ناممکن ہو کہ کسی نہ کسی حیثیت سے حالی کی پاسداری مین یہ شبلی پر چوٹ نہ کرتے ہون، یعنی "چشمک" کے جراثیم ان کے مقدمات مین اس کثرت سے ملین گے کہ یہ امران کے لٹریچر کے خصائص کا ایک جزو ہو گیا ہو، پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع کے تاک مین رہتے ہین، اور اظہار خیال سے کبھی نہین چوکتے، لیکن مین اگر غلطی نہین کرتا تو یہ جو کچھ لکھتے ہین نکتہ سنجانہ لکھتے ہین، یعنی شبلی کی تنقیص مقصود بالذات نہین ہوتی،

یہانتک تو "چشمک" کی صرف نرم مثالین تھین، یعنی تلخ گولیان غلاف شکر مین، اب ذرا تھوڑی تر شوا ہد لیجئے، مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو کے سلسلہ مین شبلی فرماتے ہین:-

"سوانح نویسی کے فرائض مین سے جو بڑا فرض مصنف سے رہ گیا وہ تنقید ہے

یعنی مصنف نے اپنے ہیرو کی خوبیاں دکھائی ہیں، اس کے کسی قول وفعل پر نکتہ چینی نہیں کی لیکن یہ اس زمانہ کے تمام سوانح نگاروں کا انداز ہے"۔

اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:-

"مصنفین اسلام آجکل کے فریب دہ طریقوں سے بالکل آشنا نہ تھے آج کل کی سوانح نگاری کا انداز یہ ہے کہ حقیقت نگاری کے ظاہر کرنے کے لئے ہیرو پر نکتہ چینی کیجاتی ہے لیکن اس طرح کہ محاسن نہایت وسعت اور عمومیت کے ساتھ ہر پہلو سے دکھائے جاتے ہیں، پھر نہایت کمزور اور ضعیف الفاظ میں ایک آدھ اعتراض بھی کر دیئے جاتے ہیں جس سے دراصل مداحی کو اور قوت دینی مقصود ہوتی ہے، کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا منظور ہوتا ہے کہ مصنف نے واقعہ نگاری کے لحاظ سے کسی واقعہ کو چھپانا نہیں چاہا ہے اور اس لحاظ سے ممدوح کی چھوٹی سے چھوٹی برائی کا بھی ذکر کر دیا ہے، ورنہ ایسے محاسن اور خوبیوں کے مقابلہ میں ایک ذرا سی برائی بالکل نظر انداز کرنے کے قابل تھی، یہ طریقہ ہماری زبان کے سوانح نگاروں نے یورپ سے سیکھا ہے، اردو کی اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمریوں کا یہی انداز ہے لیکن یہ طریقہ قدیم طریقہ سے بہت زیادہ قابلِ اعتراض بلکہ خطرناک ہے، قدیم طریقہ صرف سکوت کا مجرم تھا، لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے، جو واقعہ نگاری سے بمراحل دور ہے"۔

یقیناً ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ شبلی کا روئے سخن کس کی طرف ہے، اور

اعلیٰ سے اعلیٰ سوانحعمری سے ممدوح کا مقصود کیا ہے؟ شیش محل مین بیٹھکر اورون پر پتھر پھینکنا ایک خوش ادائی سہی، لیکن کیا وانائی بھی ہے؟ اس کا جواب صفحات زیر تحریر مین مل جائیگا لیکن جلدی نہ کیجیے اور لیجیے! آثر رحیمی کے ریویو مین ارشاد ہوتا ہے،

"اس کتاب مین تمام خوبیون کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہی کہ "خان خانان" کی خوبیان ہی خوبیان گنائی ہین، نکتہ چینی کا نام نہین، حالانکہ آجکل کے مذاق کے موافق سوانحعمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہے لیکن اس طریقہ کو ہم آجکل کے پرفریب طریقہ سے زیادہ پسند کرتے ہین، جس مین راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعویٰ کرکے بھی سوانحعمری کے بجائے مناقب کی کتاب لکھی جاتی ہے، اور کوئی عیب اور وہ بھی خفیف کرکے لکھا جاتا ہے تو اس غرض سے کہ محاسن کے یقین کرانے کے کام آئے، یعنی جب عیب نہین چھپایا ہے تو محاسن کیون غلط لکھے ہونگے، بہتر سے بہتر سوانحعمری جو ہماری زبان مین لکھی گئی ہے اس طریقہ کی عمدہ مثال ہی" ابھی اور لیجیے!

موازنۂ انیس و دبیر مین اسی خیال کا اعادہ یون کیا گیا ہے :-

"ہمارے زمانہ مین جو سوانحعمریان لکھی گئی ہین ان مین باوجود دعویٰ آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا یہ عذر کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رُخ اس کو دکھائے جائین، لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز نے ان کو اظہار حق سے روکا ہے وہ

ایشیائی شخص پرستی ہی جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تقلید کرتے ہین ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی، اس لئے وہ اچھی باتون کے ساتھ اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اس کا اثر پھیل جاتا ہے۔

اخلاقی حیثیت سے مولانا کی نگاہ جس نکتہ پر بار بار پڑتی ہے، اس کے اہم نتائج سے کون انکار کر سکتا ہے، آپ دیکھین گے ابھی تک اظہار خیال پر ایک نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ نقاب اس قدر ہلکی ہے کہ باریک تارون سے چھن چھن کر "چشمک" کی شوخیان آپکے ذوق پردہ دری کو اکسائینگی، لیکن ذرا ٹھہریے، اس کا حسن عریانی دیکھنے کے لائق ہے یعنی اس وقت تک تصریحات کی جگہ صرف اشارات و کنایات تھے، اب صاف صاف لیجئے، "شبلی" کہتے ہین:۔

"حیات جاوید" مین مولانا (حالی) نے "سید صاحب" کی یک رخی تصویر دکھائی ہے، اکثر لوگون کا خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بد طینتی ہی، لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائین، پھر ایشیائی شاعری مین کیا برائی ہے، سوا اس کے کہ وہ محض دعوی کرتے تھے، واقعات کی شہادت پیش نہین کرتے تھے، بہرحال

"حیاتِ جاوید" کو مدلل مداحی سمجھتا ہوں"

اس پر بھی تسکین نہیں ہوتی، ایک دوست

"اختلافِ آرا بھی کیا چیز ہے "حیاتِ جاوید"

سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل۔ خیر الناس فیما یعتقد

یہاں یہ دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "آجکل

جو شبلی کے خیال میں ایک طرح کی خیانت اور خدا ع

کے ساتھ زور دیا گیا ہے، دراصل حالی کی ایجاد ہے،

میں آجاتی ہے، تاریخی تنقید کا یہ ایک نہایت نا

مزید روشنی ڈالی ہوتی تو دنیائے ادب کے لئے ا

اسی طرح "حالی" کی یہ صنعت گری جہاں یور

گئی ہے، شبلی یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اس پر فریب

مانا جاتا ہے" "موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں

طرف سے مولانا کی اس فی الوقت دقیقہ رسی اور

نکتہ دان یہ سوال کرسکتا ہے کہ جس خطرے کا احتمال

سے مغربی زبان کی کوئی سوانح عمری ایسی دکھائی ج

معائب ابھار کر دکھائے گئے ہوں، کم سے کم جتنی م

سے انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں وہ اکثروں کے

حیاتِ جاوید" کی طرح کسی کتاب سے مولانا کی توقعات پوری ہوتی معلوم
تین یعنی ان میں ایسے مستقل ابواب نہیں ملتے جن میں "یکے از اقوام جرائم
اب الاشرار" کے عنوان سے کسی شخص کے حفظِ غیب کا غیر ضروری خاکہ
ہو،

ب ادیب معارضہ بالشبل کی حیثیت سے پوچھ سکتا ہے کہ بلحاظِ فن حالی
اقتصار کی طرف نیک نیتی سے شبلی کا ذہن منتقل ہوا ہے خود ان کی
ت میں یہ رعایت کہاں تک ملحوظ رکھی گئی ہے، یعنی المامون، سیر النعمان
ن، اور الغزالی میں انسانی کمزوریاں کس حد تک ابھار کر دکھائی
ں اس کا جواب مجھے خوف ہے غیر امید افزا ہوگا، کیا یہ علم النفس
فی نہیں ہے جو ایک نکتہ سنج مورخ کے قلم سے ہو سکتی ہے، کیونکہ
خود "ملک کے سب سے بڑے مورخ" کے خیال کے مطابق واقعات
نہیں سکتی،
بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے کہ "حیاتِ جاوید" کے لئے حالی کی طرف سے اعتذار
ں کی بالکل ضرورت نہیں، ایک شریف نے ایک شریف تر انسان
درد وانہ سرگذشت لکھی، اور آشنائے فن ہو کر لکھی، اور یہی وہ نچی سی
تیارِ تحریر ہے جو ایمان بالغیب کی حیثیت سے یورپ کی طرف منسوب
سکتا ہے،

یہ قطعی ہے کہ "حیاتِ جاوید" کا رئیس التذکرہ فرشتہ
اس کے اخلاقی اوصاف اس کی اضطراری لغزشو
سمجھنے غالب تھی، یہی مابہ الامتیاز ہے جس کی بنا پر
بڑے شخص کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے، سرسید
پر شبلی کو اس قدر اصرار ہے، اور جن کے اظہار میں حالی
کام نہیں لیا، دراصل سرسید کی زندگی کے وہ عناصر ہ
کی تکمیل ناممکن ہے لیکن اس قسم کی اضافی تصریحات
تنقیصی پہلو کا اس طرح نمایاں کرنا کہ اصلی محاسن وب
جس طرح "ندوہ" کے آخری مناقشات کو شبلی کی او
جائے جس پر مولانا کا سوانح نگار کبھی راضی نہیں ہوگا، ا
(سائیکالوجی) سے دراصل کوئی تعلق نہیں ہے،

یہ غور طلب ہے کہ "غالب" کی طرح "شبلی" کی او
کے اعتراف میں فیاض نہیں ہے، شبلی نے الکلام لک
تک نہ آیا، حالانکہ سرسید پہلے شخص ہیں، جنھوں نے و
عصریہ سے تطبیق دینے کی کوشش کی، اور یہ امر بلا اختلا
میں محسوب ہونے کے لائق ہے، ہم کو مصر کے مذ
ہے، اس لیے مصطلح جبہ و دستار کی فضیلت سے

نار نے جو کچھ لکھدیا ہے مشکل سے اس پر کچھ اضافہ ہو سکتا ہے،
ے اختراعی دماغ اوران کے زبردست اجتہاد کا اتنا بڑا کارنامہ ہے
ا دراصل لٹریچر کی خوش ظرفی ہوگی، ہین یہان اس بحث کو چھیڑنا نہین
وجو جذباتی چیز ہین معقولات سے بھرا نا جن پر ہمارے متکلمین کو اس
دراصل کہان تک "گول خانہ مین چوکھنٹی چیز" کا مصداق ہے،
ت یہ ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ اس وقت لکھا گیا یا آیندہ لکھا جائیگا
سید کے قلم کی آواز بازگشت ہوگی، یہ دلچسپ سوال ابھی باقی ہے
یرو کے ساتھ شبلی کو اس قدر "چشمک" کیون ہے؟ کیا یہ جامع حیثیات
ں کے ناموران اسلام کا رنگ پھیکا کرنے والی ہے؟ یا جس طرح
رت عورت دوسری پرکالہ آتش کو دیکھ نہین سکتی، دراصل جذبہ
ں کی تہ مین ہے، ملک کے ایک بہت بڑے فاضل کی رائے
سرسید کے بعد اگر اردو مین کوئی قلم اٹھا سکتا ہے تو وہ حالی ہین، اور
شک نہین کہ حالی نے "سرسید کی صرف کثیر الاوراق لائف نہین لکھدی"
لٹریچر مین ایسا اضافہ ہے جو حالی کی ذات پر ختم ہوگیا، لیکن کیا شعر العجم
کو بھی اس پر رشک کرنا چاہیئے، اس کا جواب آگے چل کر تاریخ دیگی،
ں کبھی جاننے سے زیادہ باکیف ہوتا ہے اس لئے سردست مین
کو کھونا نہین چاہتا،

لیکن شعر العجم کے ساتھ جو ایک ذوقی چیز ہے میری بڑھی ہوئی حسن عقیدت اس موازنہ کو جائز نہین رکھے گی، اس لئے حیات جاوید کے مقابلہ مین شبلی کی صرف اُن تصنیفات کو رکھئے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے جنس مشترک کی حیثیت رکھتی ہین، آجکل کی عوائد رسمیہ (اِٹی کیٹ) کی نزاکتین شایستہ سوسائٹی مین موازنہ اوصاف کو جائز نہین رکھتین، لیکن مصنفین کے دماغون کی رگڑ، فن تنقید کا ایک سخن گسترانہ فرض ہے جس سے قطع نظر نہین کیجا سکتی، اس لئے چشمک کے وہ عقدہ ہاے سربستہ جن مین حالی کے مقابلہ مین لائق عزت شبلی کا پہلو کچھ دبتا ہوا سا ہے، کھلے ہوئے راز کی حیثیت سے پیش کئے گئے ہین،

لہ میرے مخاطب صحیح وہ حضرات نہین ہین جو تفتیش و تنقید مین امتیاز نہین کر سکتے یا کرنا نہین چاہتے نہ جاننا (جہل) چندان لائق اعتراض نہین لیکن یہ بھی نہ جاننا کہ نہین جانتے (جہل مرکب) قطعاً لائق معافی نہین، ایک بیباک نے حال مین لکھا تھا کہ شعر العجم پروفیسر براؤن کی "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" کا سرقہ ہے، شاید کہنا یہ منظور ہوگا کہ براؤن کی کتاب سے ماخوذ ہے، لیکن غریب کو معلوم نہین کہ براؤن نے فارسی شاعری کی تاریخ نہین لکھی بلکہ دراصل وہ اسلامی لٹریچر کی دماغی تاریخ ہے، ایران سے جو تعلق ہے یہ ہے کہ براؤن ان مصنفین کو الگ کرتا گیا ہے جو اسلام کے وسیع دور مین خاک عجم سے وقتاً فوقتاً اٹھتے رہے، اس مین شعراء کا ذکر ضمناً آیا ہے وہ بھی تاریخی حیثیت سے ہے ذوقی اور جذباتی حیثیت سے نہین کہ براؤن کے بس کی بات نہین تھی، شعر العجم کا موضوع بالکل جداگانہ ہے

قبل اس کے کہ مین اُسے ختم کرون ایک فقرۂ معترضہ بارِ طبیعت ہو رہا ہے
جس سے اسی سلسلہ مین نپٹ لینا چاہتا ہون "چشمک" جس کے متعدد نظائر جہانتک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۶) ہماری زبان پر "فلسفہ" "ارتقا" اور جانے کیا کیا بے سوچے سمجھے اس بری طرح
چڑھ گیا ہے کہ خیر سے معلومات مین تو کچھ اضافہ ہوا نہین لیکن ان الفاظ کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی
جس ملک مین تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا مفہوم صحیح اچھے خاصے پڑھے لکھے نہ سمجھ سکتے ہون؟
مین نہین جانتا شعر العجم کی نزاکتین کس طرح ان کے ذہن مین داخل کیجائین، مجبوراً مین اسی گناہ کا
مرتکب ہوتا ہون جس سے اورون کو باز رکھنا مقصود ہے اور مجھ کو کہنا پڑتا ہے کہ شعر العجم تذکرۂ شعرا نہین بلکہ
جہانتک شاعری کی ماہیت نفسی کا تعلق ہے اس کی ارتقائی تاریخ ہے (دیکھئے "ارتقا" زبان پر آہی گیا)

جس طرح ماضی حال کا باوا اور مستقبل کا دادا ہے بعینہ دنیائے ادب مین بھی یہی ترتیب عمل جاری
ہے، متقدمین نے متوسطین اور متوسطین نے متاخرین پیدا کئے، بالفاظ غیر سعدی، حافظ، فردوسی اور
خیام جس زمانہ مین ہوئے اور جو کچھ ہوئے اسی زمانہ مین ان کا ہونا ناگزیر سا تھا، اسی طرح ان کے
کلام کی عصری خصوصیات دراصل ان کے کمالِ اجتہاد سے زیادہ وراثتِ ادبی کے قدرتی نتائج
ہین، شعر العجم نے اسی طلسم کی عقدہ کشائی کی ہے لیکن یہ باتین ابھی نصف صدی کے بعد ہماری سمجھ مین
آئین گی، اس وقت تک اس کتاب پر اظہارِ خیال ملتوی رہتا تو اچھا تھا،

شبلی تو کیا بر اون کا خاکہ اڑائینگے لیکن ایک صاحب نے علی گڈھ مین بیٹھ کر ڈنکے کی چوٹ شاعری
پر جس جامعیت کیساتھ اظہارِ خیال کی ٹھہرائی، اڈیٹر معارف کے سنجیدہ قلم کو اعتراف کرنا پڑا کہ گویا "شعر العجم"
ہے، ایک چھوٹے سے نقطے کے زہر کو دیکھئے گا، جس کا تریاق ایک دفتر مین بھی نہین ہو سکتا،

گنجایش تھی بہم پہنچائے گئے ہیں، وراثتِ طبعی کے اثر سے اس کا سلسلہ اور بڑھتا ہے، ایک زاویۂ علمی کا نوجوان "سید الطائفہ" جسے آگے چل کر نظامِ ادبی کا ایک قوی تر عنصر ہونا ہے، ایک غیر متعلق تصنیف کے سلسلہ میں یوں اظہارِ خیال کرتا ہے،

"مولوی نذیر احمد بھی اس گناہ کے مجرم ہیں جس قلم نے مرآۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور ایامٰی لکھنے میں زندگی بسر کی ہو، وہ الفسر الفضل اجتہاد، ترجمۂ قرآن، امہات الامۃ کے لئے سنجیدگیِ عبارت، متانتِ کلام، اور ثقاہتِ بیان کہاں سے لائے گا، مقصود یہ ہے کہ مذہبی کتابوں اور بزرگانِ دین کی تاریخ کے لئے سنجیدگی چاہیئے، شوخ اور ظریفانہ عبارت اور سخیف محاورات موزوں نہیں"

یہ مولوی نذیر احمد کون؟ وہی جن کا تصنیفی نام عوام میں "ڈپٹی نذیر احمد" ہے! آہا! آقائے اردو، علامہ نذیر احمد ایل، ایل، ڈی! جو ملک میں السنۂ مشرقیہ کا سب سے بڑا ادیب تھا، جس کی عربیت اس پایہ کی تھی کہ سخت سے سخت منحرف بھی اس کا لوہا مانتے تھے، اور اس کے تبحرِ علمی سے مرعوب رہتے تھے جس نے اردو سی کم مایہ زبان کو اپنے خاص طرزِ ادا اور زورِ فصاحت سے ایسا کر دیا کہ آیندہ دنیا اس پر "ادب العالیہ" (کلاسیکس) کا اطلاق کرے گی جس کی طبیعت میں قدرت نے عربی کا مذاق اس لئے رکھا تھا کہ وہ عرب کے صحیفۂ آسمانی کا قالب بدل سکے، پہلے ترجمۂ قرآن کا یہ رنگ تھا:-

"مستی نکالیتاں اور یار کرتیاں چھپ کر"

اب وہ شستہ رفتہ اور فصیح اردو کا ایسا مرقع ہے جس پر انشا پردازی ناز کرسکتی ہے،
نذیر احمد نے مرآۃ العروس کے سوا اگر کچھ نہ لکھا ہوتا جب بھی ان کے کمال انشا پردازی
کے ثبوت کے لئے یہ اکیلی کتاب کافی تھی، ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اس وقت
ایک گران پایہ مصنف تھے جب ہمارے لائق ادب بزرگون مین بہتیرون نے
قلم ہاتھ مین نہین لئے تھے، رہی ان کی ظرافت جو ان ہی کا حصہ ہے، اور جسے آپ
کھانے مین نمک سمجھئے، اور مین لٹریچر کے چہرے کا تبسم کہون گا، جو نئی تحقیقات
کے مطابق صرف خوش ادائی نہین، بلکہ اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ کامل صحت کی
دلیل ہے،

صرف ایک مثال لیجئے! نزول قرآن کے سلسلہ مین "نذیر احمد" اپنے
فصیح لکچر مین ایک جگہ کہتے ہین:-

"جن دنون قرآن نازل ہوا ہے، وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے
جوبن پر ایک بہار آرہی تھی، لوگون مین یہ مادہ ایسا برسر ترقی تھا کہ کوئی متنفس
مذاقِ شعری سے خالی نہ تھا، یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تھا، یون بھی عرب کو
اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا، انھون نے اپنے سوا دوسرون کا نام رکھا تھا "عجم"!
یعنی گونگے یا جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہین، ایسے لوگون سے کیسی ہی اچھی بات
کہی جاتی، مگر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری تو ان کے کان پر جون
بھی نہ چلتی، پس ضرور تھا کہ اسی داؤ سے ان کو پچھاڑا جائے جو ان کو خوب

روان تھا، یعنی "فصاحت"۔ قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے "سرسید" "محسن الملک"، "سید محمود" اور "حالی" و "شبلی" تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے"۔

یہی بلاغت ہے جس کی بنا پہ کہا گیا ہے کہ انشا پرداز کا ایک فقرہ ہزاروں علمی اور تاریخی اوراق پر بھاری ہوتا ہے، اور یہی تصرفات ہیں جن کے لحاظ سے ایک ادیب کو بڑے سے بڑے فلسفی اور مورخ پر ہمیشہ ترجیح رہے گی،

یہی بلاغت تھی جس نے کسی زمانہ میں "حیدرآباد دکن" کے "بسمارک" کو "نذیر احمد" کا شیدائی بنا رکھا تھا، "سر سالار جنگ" اوّل اسٹیٹ ڈنر پہ ہیں، طلائی قابوں کا دور چل رہا ہے، چھری کانٹوں کی دھیمی موسیقیت میں دفعۃً سرکاری ڈاک کے آنے کی اطلاع ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے، "نذیر احمد کی کوئی مراسلت ہو تو فوراً پیش کی جائے"۔ ایک منٹ کے بعد جلیل القدر میزبانِ شام کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہوتا ہے، برقی روشنی کی جگمگاہٹ میں شائقِ ادب امیر الامرا کی نگاہ نقوشِ سحرِ حرفی پر دوڑ رہی ہے، اور چہرے پر رہ رہ کر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے تبسم زیرِ لب کی ہلکی لہریں کہئے، نذیر احمد کے خوانِ ادب کا یہ وہ لقمۂ تر تھا جس سے شاہی میز بھی بے نیاز نہ رہ سکی لیکن اب یہ ہمارے گلے میں پھنسنے لگا ہے، جسے ہم اگلنا چاہتے ہیں، مگر یہ بے ہمکی روایاتِ سابقہ کے لحاظ سے کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی، ادب جا رہا ہے ان کا کمالِ انشا پردازی غیر ستائشی جنبشِ لب سے ہمیشہ بے نیاز رہیگا،

آخر مین مجھے ایک نکتہ صاف کرنا ہے، یعنی حالی کے ساتھ شبلی کی چشمک کے جو شواہد پیش کئے گئے ہین ان سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھین کہ شبلی کو حالی سے خلوص نہین تھا، شبلی حالی کو ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک مواد تحریری نہ ہو مین ایک قدم بھی چل نہین سکتا، مگر حالی کی نکتہ آفرینی اس کی محتاج نہین، ان کی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت ایسی جگہ سے مطلب نکال لاتی ہے، جہان ذہن بھی منتقل نہین ہوتا، اور یہ کمال اجتہاد کی دلیل ہے۔"

پانون کے واقعہ کے بعد شبلی کو حالی نے وفور جوش مین جو رباعی لکھ کر بھیجی تھی، اور جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، شبلی "الندوہ" مین "مولانا حالی کی ذرہ نوازی" کے عنوان سے یون رقم طراز ہین :-

"مولانا کا میری نسبت ایسے خیالات ظاہر کرنا محض ان کی ذرہ نوازی ہے، وہ میرے احباب مین شامل ہونے کا ننگ گوارا فرماتے ہین، لیکن میری عزت یہ ہے کہ مجھ کو اپنے نیازمندون کے زمرہ مین شامل ہونے کی اجازت دین، اب چند ہی ایسی صورتین باقی رہ گئی ہین جنکو دیکھ کر قدما کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، خدا ان بزرگون کا سایہ قائم رکھے۔"

بہرحال "چشمک" جو کچھ تھی ادبی حیثیت سے تھی، نجی کے تعلقات دونون صاحبون کے اتنے ہی خوشگوار تھے جتنے باوصف اختلاف وکلا سے مقدمہ

کے اجلاس سے باہر ہوا کرتے ہین، ان چند صفحون مین خصائص نفسی کے مختلف رُخ سامنے آ گئے ہین، ورنہ میری غایت محض تنقیط ادب یعنی احباب کی دماغی تفریح کے سوا اور کچھ نہین ہے، اس حیثیت سے اُردو لٹریچر مین غالبًا یہ ایک نیا مضمون ہے،

(معارف سنہ ۱۹۱۹ء)

لہ اس مضمون مین جس قدر اقتباسات لئے گئے ہین، ان کے لئے اردو لٹریچر کے عناصر خمسہ (سرسید، آزاد، نذیر احمد، حالی، اور شبلی) کا پورا دفتر پیش نظر تھا، لیکن افسوس ہے کہ سلسلۂ اقتباس میں مین نے صفحات متعلق کے حوالے محفوظ نہین رکھے، ختم کرنے کے بعد اس کا خیال آیا، اب ایک دردسری تھی جسے کسی طرح گوارا نہین کر سکا، تاہم مین یقین دلانا چاہتا ہون کہ اس پیوندکاری میں مین نے کہیں سے کوئی تصرف یا اضافہ نہین کیا ہے، اور جس قدر اجزا جہان جہان سے لئے گئے ہین، علامات اقتباس مین بجنسہٖ پیش کر دیئے گئے ہیں، جن مین کوئی گھٹ بڑھ نہین ہونے پائی ہے،

اُردو کے ایک نامور ادیب کی وفات

(نوشتہ: جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے مؤلف "فلسفہ جذبات")

ہر زبان کے بعض ادیب و انشاپرداز ایسے ہوتے ہین جن کا رقبہ تحریر گو محدود و مختصر ہوتا ہے، تاہم ان کا وجود اس زبان و ادب کے لئے مایۂ ناز ہوتا ہے؛ ایم مہدی حسن (افادی الاقتصادی) کے نام کے ساتھ آج "مرحوم" لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے، اسی قبیل کے بزرگون مین تھے، شاید ابھی تک بہت کم لوگون کو اطلاع ہو کہ اردو کا یہ نامور ادیب ۱۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو ہمیشہ کے لئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؏

مرحوم نے کوئی مستقل تصنیف یا تالیف اپنی یادگار نہین چھوڑی ہے، ایک زمانہ مین جرمن مستشرق، وان کریمر کی "تاریخ اسلام" کا اردو ترجمہ شروع کیا تھا، اور کچھ اجزا مخزن (لاہور) مین شائع کئے تھے، مگر تمام کرنے کی نوبت نہ آئی، مرحوم کی تصنیفی زندگی کی کل کائنات وہ چند مضامین ہین جو وقتاً فوقتاً صلائے عام (دہلی) نقاد (آگرہ) علی گڈہ منتھلی اور معارف (اعظم گڈہ) وغیرہ مین تحریر فرمائے تھے، ان مضامین کا مجموعہ گو حجم مین قلیل ہے، لیکن ادبیت مین اسی نسبت سے ممتاز و بلند ہے،

جناب "مہدی" ادب و انشا کا ایک غیر معمولی ذوقِ سلیم لے کر آئے تھے، سرکاری ملازمت کے ہجومِ افکار مین بھی ان کا ذہن جدید الفاظ و جدید تراکیب کی وضع و تراش مین لگا رہتا تھا، فارسی، انگریزی اور اردو کے پاکیزہ لٹریچر کے عاشق تھے، ان کا کتب خانہ ان تینون زبانون کے بہترین لٹریچر کا عطر تھا، اردو طرزِ انشاء مین کسی کے پیرو نہ تھے، خود ایک مخصوص طرز (اسٹائل) کے موجد تھے جو بظاہر ان ہی کے ساتھ ختم بھی ہو گیا،

قاموس الاسلام، فلسفۂ حسن و عشق، نقد شعر العجم، حالی و شبلی کی معاصرانہ چشمک، شبلی سوسائٹی، ادبِ اردو کے عناصر خمسہ وغیرہ ان کے مضامین ادبِ اردو کا مذاق صحیح رکھنے والون کی نظر مین ایک مستقل زندگی رکھتے ہین، جو وقتی مقبولیت و ہنگامی گرمجوشی سے بلند و برتر ایک شے ہے، اردو نثر نویسون کی صفِ اوّل مین عموماً ایسے حضرات نکلین گے جنھون نے اپنا اصل موضوعِ تحریر تاریخ یا فلسفہ یا موعظت رکھا ہے اور ادب سے محض چاشنی کا کام لیا ہے لیکن مرحوم مہدی خالصۃً ادب کے شیدائی تھے، ان کی تحریرین اس شے کا نمونہ ہوتی تھین جس کے لئے انگریزی مین بھی کوئی موزون لفظ موجود نہین، البتہ فرنچ مین اسے "بل لیٹر" کہتے ہین، اردو مین خود مہدی مرحوم اسے "ادبِ عالیہ" کہتے تھے،

مرحوم، اردو کے تمام مشاہیر مصنفین سے تعلق و ارتباط رکھتے تھے، مولانا شبلی کے ساتھ یہ تعلق خاص طور پر گہرا تھا، ادھر سے بھی ان کے ساتھ دلی شیفتگی تھی، فرمایا

کرتے تھے کہ نئے لکھنے والوں میں ادبی حیثیت سے کوئی مہدی کے پاسنگ برابر بھی نہیں، ایک مکتوب میں ان کے ایک مضمون کی داد ان لفظوں میں دیتے ہیں:
"کاش شعر العجم کے مصنف کو ایسے دو فقرہ بھی لکھنے نصیب ہوتے" (مکاتیب شبلی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

ایک دوسرے مکتوب میں ان کے ایک اور مضمون کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:
"مضمون دیکھا، نیچے مہدی حسن کے دستخط تھے، حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزا پوری دوست ہیں یا نذیر احمد و آزاد کی دو روحوں نے ایک قالب اختیار کیا ہے، کئی دن تک دیکھتا اور احباب کو دکھلاتا رہا" (ص ۲۲۸)

جو لوگ مولانا شبلی کے معیارِ نقد کی بلندی سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے قلم سے ایسی داد کا نکلنا کتنی بڑی بات ہے،

مزاج میں لطافت و نفاست حد سے زیادہ تھی، کاغذ، کتاب، لباس، غذا بھی ہر شے اعلیٰ سے اعلیٰ چاہتے تھے، بیش قیمت سوٹ پر خفیف سی شکن بھی گوارا نہ ہوتی کتاب خریدتے تو اس کی جلد بندی میں وہ اہتمام کرتے جو خود مصنف سے بھی نہ بن پڑتا، آمدنی کا بیشتر حصہ ان ہی تکلفات کی نذر ہو جاتا، مکان کی ایک ایک چیز خوش سلیقگی و نفاست کا نمونہ ہوتی تھی، اربابِ ذوق کے لئے ان کے مضامین سے بھی بڑھ کر قیمتی ان کے خطوط ہوتے تھے ایک ایک سطر ادب و انشا کی جان ہوتی تھی، اپنی بصیرت و علم کے مطابق کہہ سکتا ہوں کہ دورِ موجودہ کے ادیبوں میں

شاید بلا استثنا، کسی کے بھی خطوط اس قدر دلچسپ و پر لطف نہین ہوتے تھے، جن خوش نصیبون سے سلسلۂ مراسلت قائم تھا، وہ شوق و اشتیاق کے ساتھ جدید مکتوب کے منتظر رہتے، اور پچھلے گرامی نامہ سے ہفتون لطف اندوز ہوا کرتے وطن گورکھپور تھا، زیادہ تر الہ آباد مین ملازم رہے، اب ادھر کئی سال سے ضلع کانپور کی ایک تحصیل مین تحصیلدار تھے، انگریز افسر نے انگریزی دانی کی بارہا داد دی، جرمنی کے شاہزادہ ولیعہد جب سیاحت کے لئے ہندوستان وارد ہوئے ہین تو الہ آباد مین ان کے قیام وغیرہ کے انتظامات مین مرحوم مہدی نے بھی کام کیا، اور حسنِ خدمت وخوش سلیقگی کے اعتراف مین ایک طلائی تمغہ بھی جرمن شہزادہ کے ہاتھ سے پایا،

صحت کا بہت خیال رکھتے تھے، بیار شاذ ونادر ہی ہوتے تھے، گذشتہ اگست مین بیمار ہوئے، سوءِ تنفس وورمِ جگر تجویز ہوا، ستمبر سے لکھنؤ میڈیکل کالج مین علاج کے لئے مقیم ہوئے، درمیان مین طبیعت بہت سنبھل گئی تھی، ۱۶، نومبر کو یعنی وفات سے چھ روز پیشتر مین ملا تھا، اس وقت بہت افاقہ تھا، البتہ ضعف بے انتہا تھا، حسب معمول خندہ روئی و زندہ دلی کے ساتھ مختلف ادبی، قومی، ذاتی معاملات پر گفتگو فرماتے رہے، معارف و دار المصنفین کے حالات تفصیل سے پوچھتے رہے، مولنا سید سلیمان، مولوی عبد السلام، مولوی عبد الباری ندوی، ایک ایک کے حالات بڑے اشتیاق سے دریافت کئے، دورانِ گفتگو مین کہا کہ بعد صحت سب سے

پہلے اعظم گڈھ ہی کا قصد کرون گا" اس وقت یہ کسے خبر تھی کہ ایک ہفتہ کے اندر سفرِ آخرت درپیش ہو جائے گا،

عمر پچاس کے اندر تھی، اور صورۃً چالیس سے زائد نہین معلوم ہوتے تھے، امید تھی کہ پنشن کے بعد ساری فرصت اردو ادب کی خدمت گذاری مین صرف کرین گے، قبل اس کے کہ یہ فرصت نصیب ہو، خود کشمکشِ حیات ہی سے فرصت حاصل ہو گئی، آہ! جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ کل تک جو جسم زیبایش و آراستگی کی تصویر تھا، اور جس کی ایک ایک سانس لطافت و نفاست کی عطر بیزیون مین بسی ہوئی تھی، وہ آج ایک تیرہ و تار گڑھے مین، ایک مہیب تودۂ خاک کے نیچے دبا پڑا ہوا ہے، تو ہم غافلون کا بھی دل عبرت سے لرز جاتا ہے،

لیکن نہین! جو اس وقت زیرِ زمین ہے، وہ تو مہدی کا اترا ہوا محض ایک جامۂ کثیف ہے، اور خود مہدی اپنے جوہرِ لطیف کے ساتھ گلگشتِ جنان مین مصروف ہے،

مرنے والے مہدی الوداع! اور ایک نامعلوم مدت کے لئے الوداع! تیری زندہ دلی، تیری بذلہ سنجی، اور تیرا خلوص، زندگی مین دوسرون کے لئے سامانِ لطف و انبساط تھا، مرنے کے بعد تیری نیکیان، تیری خوبیان، اللہ کا فضل و کرم تیرے حق مین آیۂ رحمت و آیۂ انشراح

ثابت ہوں!

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد انا الیہ راجعون
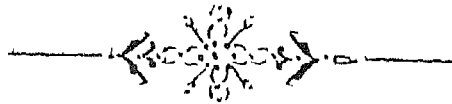
(منقول از ہمدم لکھنؤ)

قطعات تاریخ رحلت

نتیجۂ طبع وقاد جناب معلی القاب نواب حاجی سید محمد جعفر علی خان صاحب بہادر رئیس اعظم شمس آباد ضلع فرخ آباد

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ   اِنَّ الْاَرْحَامَ وَدُفْ کَ

۳۱ ۵۶۶ ۹۰ ۲۵۳ ۶۶   ۶۵ ۲۵۸ ۲۰

۱۰۰۶   سنہ ۱۳۴۰ھ   ۳۳۴

قطعہ

نثار اُردو، شوخ طبع و خوش مزاج   شیریں زبان، معجز بیان، دانائے فن

بست ربیع اولین امسال شد   زیب جنان، رنگین سخن، مہدی حسن

۱۹ ۱۰۴ ۳۳۰ ۴۱۰ ۵۹ ۱۱۸

سنہ ۱۳۴۰ھ

قطعہ

نثار اردو نکتہ رس، پاکیزہ دل عالی دماغ   شیریں زبان معجز بیان دانائے فن انیکو اساس

بست ربیع اول و ماہ نومبر بست و یک   زیب جنان، رنگین سخن مہدی حسن معنی شناس

۱۲۳ ۱۰۴۰ ۱۴۴ ۵۸۱

سنہ ۱۳۴۰/۵۸۱ھ   سنہ ۱۹۲۱ء

قطعاتِ تاریخِ طبعِ کتابِ ہٰذا

نتیجۂ فکرِ رسا عالیجناب معلی القاب نواب حاجی سید محمد جعفر علی خانصاحب بہادر رئیسِ اعظم شمس آباد ضلع فرخ آباد

قطعہ

امسال پسِ شوہر از مرضی بانو بیش — مطبوع شد این نسخۂ محبوب دِل ا
در عیسوی و ہجری اے ماہر فنِ حاجی — میگوئے ہمین سالش مرغوب دِل
۵۸۲ — ۱۳۴۱

سنہ ۱۹۲۳ء

قطعہ

مطبوع[1] ہوا ریاضِ[2] مہدی — فردوسیِ طبع یون ہی گلچین
غنچہ نقطے ہین، پھول الفاظ — تاریخ ہے "گلشنِ مضامین"

سنہ ۱۳۴۱ھ

---

[1] "مطبوع" ذو معنیین ہی، [2] "ریاض" جمع روضہ ہے مگر شعرا میں واحد مستعمل ہے،